کتاب شہادت جلد 2 صفحہ 501 تا 741

کتاب شہادت

اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔
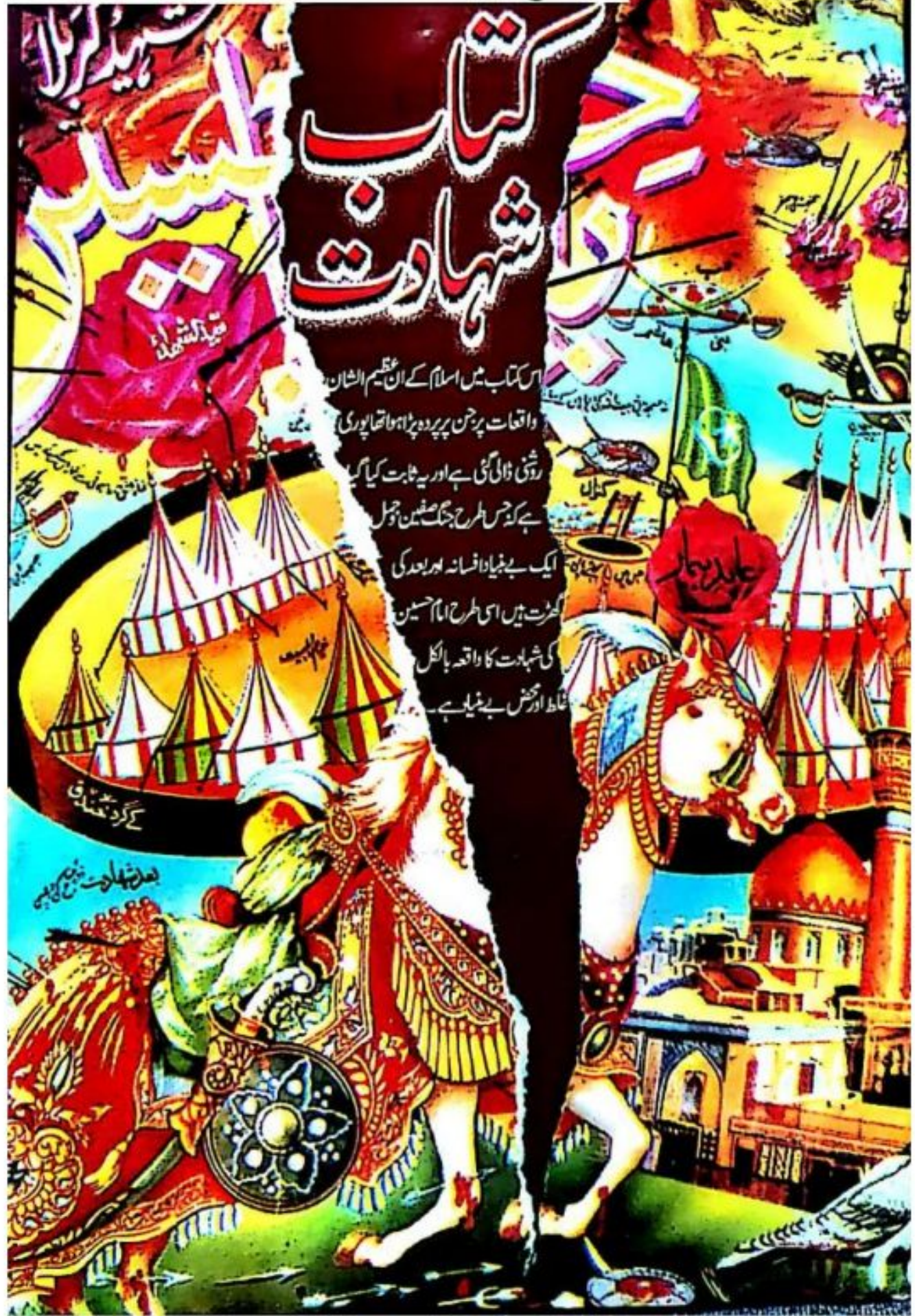
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷،۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

اس مقدمہ میں بڑی دلچسپ بحث اِس امر کی ہے کہ آیا حضرت علیؓ کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ جن آیتوں سے شیعی علماء نے حضرت علیؓ کی امامت پر استدلال کیا ہے اُن کی تفسیر اس محققانہ اس پیرایہ میں کی گئی ہے کہ تمام باطل خیالات خاک میں مل گئے۔

ــــ دوسرا مقدمہ ــــ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی انڈیا
المطبوعہ ۱۳۲۵ھ

فہرست

عرض ناشر

علوم اسلامی میں اس وقت سب سے زیادہ مظلوم موضوع غالباً تاریخ کا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی دشمنی، کینہ، حسد اور بغض کی بنا پر اس موضوع کو پوری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ منافقین و مجرمین نے اپنے نفاق و جرم کی پردہ پوشی کرنے کی خاطر طرح طرح کے جھوٹے اور بے بنیاد واقعات اور روایات سے تاریخ اسلام کو داغدار کر دیا ہے۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی کیونکہ دین کے محافظ اور شریعت کے نگہبان ادارے بھی اس کے ساتھ بے اعتنائی برتنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قصہ سازوں، مفاد پرستوں اور روایت فروشوں کو اس بات کی مکمل آزادی مل گئی جو مرضی چاہیں کریں۔ کوئی ان کو روکنے والا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلام کے متعلق کتب ضد و نقیض سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ آج امتِ مسلمہ کے ہر فرقہ کے پاس اسلام کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے۔ رفتہ رفتہ ان غلط تواریخ کی غلط روایات کو عقیدہ کا مقام دے دیا گیا ہے۔ تاریخ میں نقل کیے گئے بعض واقعات خصوصاً واقعہ کربلا یا ان کے مصادر اتنی اہمیت کے حامل نہ ہونے کے باوجود دین کے ستون و بنیاد کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں ان کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار تو کجا استفسار کرنے کو بھی نا قابل معافی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ واقعات کربلا کے متعلق تاریخ سے ناواقف لوگوں نے اپنی بسر اوقات کے لیے جن کہانیوں اور افسانوں کو ملا جلا کر پیش کیا ہے ان میں اکثر و بیشتر تو ایسے ہیں جو بے سند کتابوں میں بھی نہیں ملتے اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جعل کے دروازے تو کھلے ہوئے ہیں۔ اور نقد و تصحیح کے دروازے بند کر کے قفل لگا دیئے گئے ہیں۔ آج اگر کوئی فرد کسی مخلص با صفا بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، علماء تک کو ان روایات کا جعل دلائل محکم سے ثابت بھی کر دیتا ہے۔ تو بھی تمام حقائق تسلیم کر لینے کے بعد ان روایات کے دفاع کی گنجائش باقی نہ رہنے کے باوجود بہت ہی پر اثر لہجے میں کہتے ہیں اگر ان سب روایات کو چھوڑ دیا جائے تو پھر ہمارے پاس باقی کیا بچے گا؟ گویا ان کی نظروں میں یہ ہی جعلی روایات سب کچھ ہیں اور بس! اسکی مثال کچھ اس طرح ہے کہ ایک گروہ کسی کے گھر میں زبردستی داخل ہو کر اس گھر میں سے صاحب گھر اور اسکے اصحاب کو تو باہر نکال دیں اور خود اس گھر پر قبضہ کر کے اس گھر کی ساخت اور تعمیر سے متعلق ان کے کارناموں کا ذکر شروع کر دیں یا اس صاحب گھر کو اسکی تعمیر کے سلسلے میں کن کن مشکلات کا سامنے کرنا پڑا ہے بڑی مدح سرائی بھی کر لے تو بھی کوئی انصاف پسند شخص اس پر بھی اس گروہ کو اس اہل بیت کا دشمن ہی

کہے گا۔ ذرا سوچئے! ایسے غاصبوں کے متعلق۔ دنیا کا ہر انصاف پسند انسان تسلیم کرے گا کہ اپنی پسند کا دین اختیار کرنے کا حق ہر انسان کو ہے۔ مگر دوسرے کے دین کا جھوٹا مدعی بن کر اپنے گمراہ کن عقائد اس دین میں داخل کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ اگر آج ہم مسلمان ہوتے ہوئے عیسائی یا ہندو ہونے کا بھی دعویٰ کردیں اور عیسائیت وہندومت کا نام لے کر ان کے مذہب کا حلیہ بگاڑنا شروع کردیں۔ تو وہ ہم کو اپنے مذہب کا دشمن قرار دے کر ہم پر ٹوٹ نہیں پڑیں گے؟۔ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ شیعہ صدیوں سے اسلام میں نقب لگا رہے ہیں۔ ان کا مقصد بظاہر مسلمان بن کر اسلام کو مٹانے کے سوا کچھ نہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ صورت حال اور دوسری طرف جید وممتاز علماء، دین کا درد رکھنے والے اور مقتدر حضرات ان خرافات یعنی جھوٹی روایات کے خلاف آواز اٹھانے کو بھی مصلحت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں لکھنے اور کہنے والوں کو ناپسندیدہ افراد قرار دے کر مختلف القابات سے نوازتے ہیں اور باقاعدہ تنبیہہ کرتے ہیں۔ اب آپ خود سوچئے ایک طرف تو ایسے چیلنج کا سامنا ہے اور دوسری طرف یہ علماء حضرات ہیں کہ من گھڑت روایات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے لبوں پر بھی مہر سکوت ثبت کرنا چاہتے ہیں۔ حق کی تائید کے لیے ضروری نہیں کہ ایسے خیالات کے علماء کے بغیر فکری شعور قائم ہی نہیں رہ سکتا اس کی فکر نہ کریں آپ کی آواز کو دبا دیا جائے گا۔ حق کی آواز بلند کرنے کے خواہش مند دنیا کے کسی بھی خطے میں ہیں حق کی خاطر اپنی کوششوں کو جاری رکھیں اس بات کا تعلق صرف میری ذات سے نہیں بلکہ امت کے ہر اُس فرد سے ہے جو حق کی آواز بلند کرنے کی خواہش میں فکر مند ہے۔

مذہب کو کسی طرف سے چیلنج کا جب سامنا ہوتا ہے تو دین ومذہب کی قید سے آزاد انسان بھی اسکے دفاع کا فکر کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے دینی امور میں اہل سنت سے زیادہ بے حس اور بے حمیت کوئی جماعت دنیا میں نہیں ہے۔ جب خود ان ہی حضرات کے ہاتھوں روایات کے ذریعے سے حقائق پر ضربیں لگتیں ہیں تو اس وقت صورت حال اور بھی شدید ہو جاتی اور ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

قارئین کرام! سید الشہدا ٔ کا لقب شیعہ روایات کے مطابق خود حق تعالیٰ نے اور سنی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا دنیا کا ہر انصاف پسند شخص اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اب سید الشہدا ٔ کا لقب حضرت حسین پر چسپاں کرنا صریحاً اللہ اور رسول اللہ کی مخالفت ہے۔ حضرت صدیق اکبر ﷺ وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور فتوحات کا دور تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ اسی فتوحات کو روکنے کے لئے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی

شہادت کو بے وقعت کرنے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کی خاطر واقعہ کربلا سو سال بعد گھڑا گیا۔
اور اس واقعہ کو گھڑنے والے کیلئے شیعی راویان نے بھی کذاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہم سنیوں کا
عقیدہ ہے کہ یقیناً حضرت حسین شہید ہوئے مگر اس طرح نہیں ہوئے جسطرح آج اپنے بیگانے
روایات کا انبار لگا کر یہ سب لغویات کو اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس شہادت کو جو عظمت
واقتدار آج دیا جارہا ہے۔ جس کے سامنے اور صحابہ کرام کے مفصل و منصوص شہادتیں بالکل بے
وقعت ہوئی جاتی ہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہئے۔ خاص کر فتح مکہ سے پہلے کے جہادات اور شہادتیں تو ضرور
ایسی ایسی کئی شہادتوں سے بہت زیادہ فضیلت والی ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی
کچھ کم مظلومانہ نہیں ہے یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دشمنان اسلام یہود اور صلیبی طاقتیں ہی ان
ماتمی حضرات کے ساتھ مکمل تعاون اور اتحاد کئے بیٹھے ہیں۔ امریکہ نے حال ہی میں بیس ملین ڈالر کی
خطیر رقم شیعوں میں صرف تعزیہ داری کے لئے دیئے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے شیعہ مشہور عالم کی
کتاب ''افق گفتگو'' اب آپ ذرا انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا خود ہی کہئے۔ صحیح معنوں میں اگر
کوئی بھی فرد ان ماتمی حضرات کے عزائم کی نقاب کشائی کرتا ہے تو اپنوں ہی میں سے مذمتیں اور
اختلافات کو ہوا دے کر فسادات کا بازار گرم کرنے کے الزامات کی بھرمار کردی جاتی ہے، اصل مسئلے
کو پس پشت ڈال کر صرف چند مفادات کی خاطر ان ماتمی حضرات کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے
خاص انداز میں مدد فراہم کی جاتی ہے۔ اسی غیر تسلی بخش صورت حال کا نتیجہ ہے کہ اس وقت پاک و ہند
میں پانی مہنگا اور مسلمانوں کا خون ارزاں ہے۔ دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو کم از کم شہید
تو کہتے ہیں۔ لیکن خود اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں اگر کوئی کسی سازش کی تحت ذبح ہوجائے تو اُسے
مذہب کی طرف سے سزا قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد انسان متحیر
ہوکر سوچنے لگتا ہے کہ ایسی تنگ حالت میں کیا کیا جائے۔ ایسے وقت میں انسان کے دل پر ہمیشہ
دوطرح کے خیال گزرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہئے پہلے
خیال کا یہ نتیجہ ہوا کہ کچھ نہ ہوسکا۔ اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے ہیں
۔ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ (سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۲۷ سپارہ ۲۵) اور وہ
ایسا رب ہے کہ جب لوگ ناامید ہوجاتے ہیں۔ تو مینہ برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔

آج سٹیج اور منابر پر مذہبی بھانڈوں اور اکثر جہلا کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ یا تو اپنی جہالت کی
وجہ سے سمجھتے ہی نہیں یا پھر ایسا نہیں ہے پڑھے لکھے ہیں۔ تو سامعین کی خوشنودی کو اللہ تبارک تعالیٰ کی

رضا پر ترجیح دیتے ہیں حد تو یہ ہے فرضی قصے، غلط روایتوں کو خلاف واقعہ ہونے کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اپنے خطبات میں بیان کرتے ہیں اور سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ فکر و تخیل کی ان میں کمی نہیں چاہیں تو اپنی گفتار سے پوری دنیا میں بسنے والوں کو صحیح فکر کا پیغام دے سکتے ہیں۔ نہ تھوڑے نہیں ہیں دھاڑے کا دھاڑا ہے۔ ہر جگہ، ہر موڑ، ہر نکڑ اور ہر بازار میں جھنڈے گاڑے بیٹھے ہیں۔ مذہبی مالیات پر بھی ان کی مکمل گرفت ہے۔ اور ہر قسم کی مراعات ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ یاد رکھئے بھیک منگے کبھی مزاحمت نہیں کر سکتے۔! اگر ان سب مذہبی معاملات کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کچھ انصاف سے کام لیں گے۔ خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں ہم تمام دانشور علماء اور امت مسلمہ کے ہر باشعور فرد سے درخواست کرتے ہیں کہ تحقیقی روش کو صرف احکام فقہ تک محدود نہ کیجئے، تاریخ اسلام میں تمام تر واقعات کو افسانہ سازوں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔ اس پر تحقیق کرنے والوں کو اجازت دیں تا کہ کھلے مباحثوں اور مذاکروں کا انعقاد کر سکیں۔ تحقیقی مقالہ جات، استفسارات اور جوابات پر مشتمل باوقار مجلات کا اجراء کیا جائے تا کہ علمی بنیادوں پر نئی تحقیقات اور تجاویز سامنے آ سکیں ہم اس کتاب کو شائع کر کے کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں۔ تاریخ کا ایک رخ یہ بھی ہے جسکو صدیوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ہم تو مولف کو ذاتی طور پر جانتے تک نہیں۔ تاریخ کے طالب علموں کے لئے اس میں جانچنے اور جاننے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہمارا یہ پیغام کسی بھی ممکنہ صورت میں جہاں تک ہو سکے پہنچا دیجئے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف تاریخ کی اس تحقیق کو آشکار کرنا ہے۔ آج میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اپنے ہی اختیار کردہ اس مقصد کا ست رو خادم ہوں۔ کسی فرقہ کے جھوٹے سچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود نہیں اور نہ ہی کسی بھی فرقہ کے خلاف ہمارے کچھ عزائم ہیں۔ یہ بات تہذیب و متانت کے خلاف ہے کہ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں اس کتاب شہادت کو دوبارہ جمع کرنے میں یا کسی صورت میں میری مدد فرمائی میں ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فقط کم ترین

غازی حسین العباس مہدی

دہلی

۱۰ محرم ۱۴۲۵ ہجری

اقتباس:

مرزا حیرت اور ان کی کتابِ شہادت

(مفتی محمد طاہر مکی کی کتاب سقوط دہلی کے بعد برصغیر کے نامور مؤرخین سے ماخوذ)

سقوطِ دہلی کے بعد برصغیر کے سب سے اہم اور نامور مورخ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں سر سیّد مرحوم تھے اور ان کا تحقیقی ذوق اور مشہورِ عام روایات سے مرغوب نہ ہونے کا مزاج ان کے معاصر اور بعد میں آنے والے تقریباً تمام مورخین نے حسب استطاعت اپنانے کی کوشش کی ان ہی میں ایک مؤرخ ومصنف مرزا حیرت دہلوی تھے۔

امراؤ مرزا عرف مرزا حیرت دہلوی یکم جنوری ۱۸۶۸ء کو یعنی سقوط دہلی کے گیارہ سال بعد مرزا محمد ابراہیم بیگ کے ہاں پیدا ہوئے۔ دلّی کے مشہور عربک سکول میں تعلیم پائی۔ تاریخ اور وقائع نگاری کی طرف خاص رغبت تھی۔ کرزن گزٹ جاری کیا جو ہفتہ وار رسالہ تھا۔ اس میں ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے پہلا مقدمہ چھپنا شروع ہوا (ہر ہفتے آٹھ صفحے) اور ۸ جولائی ۱۹۱۳ء کو چوتھا مقدمہ چھپ کر مکمل ہوا اس کے بعد ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء سے کتاب شہادت (ہر ہفتے آٹھ صفحے) چھپنی شروع ہوئی جو بعد میں مقدمہ کتاب شہادت اوّل دوم سوم چہارم اور کتاب شہادت حصہ اوّل کی مجلدات کی شکل میں کئی بار شائع ہوئی کتاب شہادت حصہ دوم شائع ہونا شروع ہوئی ہی تھی کہ مخالفین نے مرزا کے پریس کو آگ لگا دی جس سے مطبوعہ کتب کا بہت سا ذخیرہ اور یہ چھٹی جلد مکمل طور پر ضائع ہوگئی اور شہادت حسینؓ کے متعلق ان کی تحقیق پورے طور پر سامنے نہ آسکی۔ اگر کتاب شہادت جلائے جانے کا یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو غالباً یہ کتاب آٹھ یا نو مجلّدات پر مشتمل ہوتی کیونکہ چھٹی جلد بھی (جس کی طباعت کے موقعہ پر مرزا حیرت کے پریس کو آگ لگائی گئی) حضرت علی کے باقی حالات پر مشتمل تھی جس میں دلائل سے جمل وصفین کی جنگوں کے مرقوع کا انکار کیا گیا تھا۔ غالباً ساتویں جلد میں یہ بحث مکمل ہوتی آٹھویں جلد میں حضرت حسنؓ اور نویں جلد میں حضرت حسینؓ کے حالات پیش کئے جاتے۔ مرزا صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کی جن کتابوں کا ہمیں علم ہو سکا وہ درج ذیل ہیں۔

تالیفاتِ مرزا حیرت

کتبِ مذہبی:

علوم قرآن: ۔اردو ترجمہ قرآن کریم انگریزی ترجمہ قرآن مقدمہ تفسیر الفرقان۔ الہام ووحی۔

علوم حدیث: ۔اردو ترجمہ بخاری شریف تین جلد۔ اردو ترجمہ مشکوۃ شریف چار جلد۔ ترجمہ دارمی شریف۔ تعارف فن اسماء الرجال

سیرت: ۔دنیا کا آخری پیغمبر (قرآن کی روشنی میں سیرت طیبہ) سیرت محمدی۔ سیرۃ الرسول چھ جلد۔

سوانح صحابہ: ۔خلافت شیخین۔ حیات حضرت عائشہ صدیقہ۔ حیات حضرت فاطمہ۔ سوانح عمری حضرت علی۔ کتاب شہادت پانچ جلد۔ تازیانہ شہادت۔

سوانح بزرگان دین: ۔سوانح حضرت لقمان۔ سوانح امام ابوحنیفہ۔ حیات مجاہد اعظم (صلاح الدین ایوبی)۔ تاریخ چراغ دہلی۔ سوانح بوعلی شاہ قلندر۔ حیات طیبہ (سوانح شاہ اسماعیل شہید)

غیر مذہبی سوانح: ۔ترجمہ تزک بابری۔ سوانح نور جہاں بیگم۔ حیات حمیدیہ (سلطان عبدالحمید خان) تین جلد۔ ترجمہ تزک امیر عبدالرحمٰن خان۔ سوانح ابوالحسن بیوقوف۔ عمرو عیار۔ علی بابا چالیس چور جعفر کذاب۔ جعفر زٹلی۔ سوانح شیطان ۲ جلد

تاریخ: ۔خلافت عثمانی۔ تاریخ عالم (امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک) ایک ہزار صفحات۔ تاریخ ہند ۲ جلد۔ ترجمہ تاریخ الحکماء۔ تاریخ حریت۔ بغاوت نامہ ۱۸۵۷ء

ادبیات: ۔ترجمہ الف لیلہ۔ ترجمہ حاجی بابا اصفہانی (ایرانی سفرنامہ)۔ مشاطئہ بغداد (خلافت عباسی کی تباہی میں دشمن عورتوں کا کردار)۔ سیر گل فروشاں ڈرامہ انصاف۔ مضامین حیرت۔ انشائے حیرت۔ وغیرہ۔

ملا واحدی اور مرزا حیرت: ۔دلی کی مشہور ادبی شخصیت ملا واحدی نے اپنے زمانے کی دلی کے مشاہیر کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

مرزا حیرت بڑے طرار انسان تھے۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ انھوں نے ٹھیک طریقہ سے پڑھ لکھ لیا ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیا ہوتا تو ہندوستان بھر میں اُن کا جواب نہ تھا۔ مرزا حیرت نے اپنے اخبار کرزن گزٹ میں اجمل خان پارٹی کے خلاف تابڑ توڑ مضامین شائع کیے مگر حکیم اجمل خان کا اقبال یاور تھا۔ جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ اُن کے ہر مخالف

نے منہ کی کھائی. اور مخالفت تو اولیا انبیاء کی ہوتی رہی ہے. مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سیّدنا حضرت امام حسینؓ کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا اور انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی. کمال یہ تھا جس زمانہ میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے. اُسی زمانہ میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کرتے تھے. اور ایسی تقریریں کرتے تھے. کہ سننے والوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں. مرزا حیرت کا دفتر آخر میں تو میرے بالکل نزدیک کلاں محل میں آ گیا تھا. انکار شہادت کی تصنیف اور بیان شہادت کے زمانہ میں دفتر جامعہ مسجد کے شمالی دروازہ کے سامنے پائے والوں کے پاس شیش محل میں تھا. شیش محل عظیم الشان مکان ہے. سارا مکان اور اُس کا صحن سُننے والوں سے بھر جاتا تھا. اور خلقت باہر سڑک پر کھڑی رہتی تھی. کہ شاید کوئی بھنک کان میں پڑ جائے. میکروفون (لاؤڈ سپیکر) اُس وقت نہیں تھے ورنہ شاید راستے رک جاتے. مرزا حیرت جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے. حالانکہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید قسم کی پائی تھی نہ قدیم قسم کی. لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اُسے مولوی نذیر احمد کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا فارسی میں شعر کہنے کے مدعی تھے. ہر کس و ناکس صرف دیکھ کر مرعوب ہو جاتا تھا. اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حُسن مردانہ عطا فرمایا تھا. ایک لطیفہ یاد آ گیا سر عبدالقادر نے سُنایا تھا. اُس زمانہ میں. جبکہ مرزا حیرت کا عروج تھا اور عبدالقادر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن تھے. آل انڈیا محڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا مدراس کی طرف کہیں سالانہ اجلاس تھا. شیخ عبدالقادر اور ان کے احباب میر غلام بھیک نیرنگ. مسٹر عبدالعزیز (فلک پیما) اور شیخ خوشی محمد، گورنر کشمیر وغیرہ اجلاس کی شرکت کرنے لاھور سے روانہ ہوئے میر نیرنگ کے سواسب انگریزی لباس میں تھے. مدراس قریب آیا تو تین چار سیٹھ وضع کے مسلمان اِن کے ڈبے میں آ کر بیٹھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے انھوں نے شیخ عبدالقادر اور اُن کے احباب سے باتیں شروع کی پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں. انہوں نے بتا دیا. پوچھا. کہاں سے آ رہے ہیں انہوں نے کہا لاہور سے. بس لاہور کا نام سُننا تھا کہ سیٹھ صاحبان کھڑے ہو گئے. اور ان لوگوں کے ہاتھ چومنے لگے. یہ حیران کہ ہمارے ہاتھ کیوں چومے جا رہے ہیں. پوچھا. بھائیو! کیا ماجرا ہے. ہمیں کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو. بولے آپ لاہور سے جو آ رہے ہیں. پوچھا. لاہور سے آ رہے ہیں تو کیا ہوا. بولے. لاہور دلّی کے نزدیک ہے. اور دلّی میں مرزا حیرت جیسا بزرگ موجود ہیں۔

(میرے زمانے کی دلّی از ملا واحدی صفحہ نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۷ شائع کردہ، مجلس/انجمن کتاب گھر نمبر ۳ صدر کوآپریٹو مارکیٹ وکٹوریہ روڈ کراچی نقش ثانی اضافہ شدہ)

مرزا حیرت اور ندوہ:۔ مرزا حیرت صاحب کو تحریک شاہ اسماعیل شہید اور تحریک ندوۃ العلماء سے بڑی

دل چسپی تھی .شاہ صاحب کے متعلق ان کی سوانح حیات طیبہ کے نام سے بڑی مشہور ہے .ندوہ کے متعلق جب قدامت پسندوں نے خصوصا مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب اور ان کے حلقہ نے جارحانہ مہم جوئی شروع کی ۔اور بقول خود ان کے ندوہ کی مخالفت میں دوسو سے زیادہ رسائل اور پوسٹرز شائع کئے گئے تو ربیع الثانی ۱۳۱۴ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی نے ان کے جواب اور ندوہ کے حق میں ایک رسالہ لکھا۔جس کے متعلق موجودہ ناظم ندوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کی سوانح پر لکھی گئی کتاب (سیرت مولانا محمد علی مونگیری) کے چوتھے باب میں بڑی تعریف کی گئی ہے اور اس کے کئی اقتباسات نقل کئے گئے ہیں مؤلف سیرت محمد علی مونگیری لکھتے ہیں!

ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی (مصنف سیرتِ محمدؐیہ وحیات طیبہ و حیات اعظم) نے ”مقاصد ندوۃ العلماء اور اس کی مخالفت“ کے نام سے ۳۱ صفحہ کا ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس میں بہت طاقتور اور موثر طریقہ پر ندوہ کی پوری وکالت کی .تاریخ اور موجودہ حالات اور وقت کی تقاضوں کی روشنی میں ندوہ کی اہمیت وضرورت واضح کی اور مسلمانوں کو اس تفرقہ انگزی پر غیرت دلا ئی ۔ایک جگہ لکھتے ہیں!

دینی علوم سے بے بہرہ ہوگئے ان کی مسجدیں وخانقاہیں ویران پڑی ہیں چاروں طرف دھو اں دھار اعتراضات آریہ وعیسائی کر رہے ہیں ۔مگر کوئی خبر نہیں ۔اور خبر کہاں سے ہو .اسلام کی تردید سے فرصت ملے تو وہ دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوں ۔اگر مسلمان علماء کی کل تصانیف جمع کی جائیں گی .تو فی صدی پانچ تو کسی اور قصوں کی نکلیں گی بچانوے اسلام اور مسلمانوں کی تردید اور تکفیر میں نکلیں گی۔

مرزا حیرت کے اس بیان کی تائید کرتے ہوئے سیرت محمد علی مونگیری کے مؤلف اس سے پہلے بھی ان کے کئے اقتباسات پیش کر چکے ہین .مثلا اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۱ پر لکھتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے .اس کی قوت کو کمزور کرنے اور دشمن کو اندر گھسنے کا موقع جتنا ان داخلی اختلافات نے دیا ہے اُتنا خارجی حملوں نے نہیں .مذہبی تفریق اور تعصب اس درجہ پہنچ گیا تھا کہ اس کی نظیر شاید ہندوستان کی تاریخ میں .نہ اس سے پہلے صدیوں میں ملے گی .اور نہ اس کے بعد کے زمانہ میں .مناظروں تکفیر وتفسیق' دشنام طرازی وافترا پردازی سے آگے بڑھ کر بات مقدمہ با

زی اور فوج داری تک جا پہنچی تھی. اور ایک دو نہیں خاصی تعداد میں ایسے مقدمے غیر مسلم حکام کے سامنے پیش ہونے لگے جن پر غیر مسلموں کو ہنسنے کا موقع ملتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ صرف انگریزوں اور ہندوؤں کو بلکہ خود مسلمانوں کو اپنے دین اور ثقافت سے یک گونہ بدگمانی پیدا ہو رہی تھی. اُن کے سامنے ایک طرف انگریزوں کا اتحاد عیسائیوں کی ہم آہنگی اور سرگرمی تھی. دوسری طرف جماعتی تعصب کے یہ افسوس ناک مظاہر تھے جن کے تصور سے ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے. مرزا حیرت دہلی نے دو سگے بھائیوں کی لڑائی کا افسوسناک اور چشم دید واقعہ قلم بند کیا ہے. جس کو پڑھ کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔

''میں نے یہ خونی منظر اپنی آنکھ سے دیکھا ہے میں نے سگے بھائیوں کو لڑتے ہوئے خود ملاحظہ کیا ہے. میں نے یہ جگر کاشق کرنے والا فکرا بڑے بھائی کی زبانی جب اس نے چھوٹے بھائی کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے خود سنا ہے. افسوس ہم مسلمان ہی نہ پیدا ہوتے تو یہ دردناک حادثہ نہ ہوتا جب چھوٹا بھائی گرا ہے اور ایک ہولناک چیخ ماری ہے تو بڑے بھائی کا دل بھر آیا. اور خون برادری زور زور سے اس کی رگوں میں جوش مارنے لگا۔ ہاتھ سے لکڑی پھینک دی دوڑ کر اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگا اور مذکورہ بالا فقرہ کہہ کر ان مولویوں کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے لگا جنھوں نے لڑوایا تھا اور. یہاں تک نوبت پہنچا دی تھی. اس جھگڑے میں صرف پنجابی تھے. (پنجاب کے آدمیوں سے مراد نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے مراد ہے جو دلی میں مشہور رہیں)''

انہی پنجابیوں کے متعلق مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ:۔

''یہ وہ لوگ تھے جو یتیم خانوں اور تعلیم گاہوں کے قیام میں پیش پیش رہتے تھے اور ہر اجتماعی اور مفید منصوبہ میں بڑھ چڑھ کر مالی امداد دینے کے لئے تیار رہتے تھے، اور اسلام کے نام پر بڑے بڑے کام اور قربانی کے لئے سب سے آگے نظر آتے تھے۔''

لیکن ان لوگوں کی اس صلاحیت اور قوت کا جو میدان بدقسمتی سے علماء نے ان کے لیے پسند کیا اس کا ذکر ابھی گزرا ہے. چنانچہ یہی قوم دیکھتے دیکھتے باء سهم بينهم شديد کی زندہ تصویر بن گئی. اور مختلف صفات اور صلاحیتوں کے افراد جو ایک لڑی میں پیوست تھے باہم دست و گریبان اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے. اور اان کو دین و مذہب اور شرافت وانسانیت کا بھی

پاس نہ رہا مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ (مقاصد ندوۃ العلماء) سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجہر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں۔ ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین۔زور سے کہا جائے ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے اس پر سخت لڑائی ہوئی۔ متعدد آدمی زخمی ہوئے پھر مقدمہ چلا اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا دونو پارٹیوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعدوات پیدا ہوگئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی اسی طرح میرٹھ میں مقلدین وغیر مقلدین کی کشمکش اتنی بڑھ گئی کہ ہائیکورٹ تک مقدمہ پہنچا مرزا حیرت اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''چیف جٹس نے جٹس محمود کو (جب انھوں نے چیف جٹس کے فیصلہ پہ نکتہ چینی کی) مقدمہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا مسٹر محمود نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ ایسا سمویا ہوا تھا کہ اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہو جاتے تو پھر آگے کوئی جھگڑا نہ ہوتا، مگر نہیں، نئے نئے مقدمے پیدا ہو گئے اور وہ نئی نئی شاخیں نکلیں کہ باہم گہری مخالفت کی بنیاد قائم ہوگئی جس کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔''

اس کے علاوہ وہ علی گڑھ کا مشہور مقدمہ زہر خورانی اس افسوسناک صورت حال کی ایک اور مثال ہے مولانا لطف اللہ صاحب کو زہر دیا گیا لیکن وہ تکلیفیں اٹھانے کے باوجود بچ گئے لاٹھیاں چلیں مقدمہ بازی ہوئی اور وہ سب کچھ ہوا جو مسلمانوں کا سر شرم سے جھکا دینے کے لیے کافی اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بدنما داغ ہے۔ بقول مرزا حیرت کے کہ:۔

> اگر یہ تمام کیفیت مفصل طور پر لکھی جائے اور مستقل کتابی صورت میں اس ماتمی حالت کو لایا جائے تو یہ وہ تاریخ ہو جو صدہا برس تک ہماری آئندہ مہذب نسلوں کو خصوصاً اور غیر قوموں کو عموماً ہم پر اور موجودہ اسلام پر خندہ زنی کا موقع دے گی۔

(سیرت محمد علی مونگیری صفحہ ۱۷۵ مؤلفہ سیّد محمد حسنی پاکستان میں عکسی ایڈیشن مجلس نشریات السلام کراچی)

حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ :۔ سقوط دہلی کے بعد اور، انگریزوں کے مکمل قبضہ کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہوئی۔ اس میں مسلم مفکرین کو اپنے مآخذ کی طرف دوبارہ توجہ دینے کی ضرورت پیش آئی۔ یوں کہنے کو تو ہر مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو خواہ وہ اہلسنت کے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ ظاہری۔ اہل حدیث یا اہل قرآن ہوں خواہ اہل سنت سے باہر کے زیدی شیعہ۔ جعفری اثناء عشری شیعہ۔ بوہری۔

اسماعیلی شیعہ آغا خانی ۔ اسماعیلی شیعہ۔ دروزی، نصیری شیعہ۔ یا مہدوی شیعہ وغیرہ ہوں۔ سب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہمارا سب سے پہلا اور سب سے اونچا مآخذ اور فائنل اتھارٹی ہے۔ لیکن یہ بات بس تحریر اور قول کی حد تک ہے عملاً زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں قرآن کریم کو معیار حق کوئی فرقہ بھی نہیں مانتا ہر ایک اپنے اپنے اکابر اور بزرگوں کی تحقیقات کو فائنل سمجھتا ہے۔ قرآن کریم کا اول تو ترجمہ کے ساتھ کوئی مطالعہ نہیں کرتا اگر کرلے تو اسے بھی اپنے اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں مختلف اکابر کی تحقیقات کا قرآن کریم کی روشنی میں تقابلی جائزہ لے کر آخری اتھارٹی قرآن کریم کو قرار دے نہ کہ اکابر کو، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس مزاج کو اپنائے مسلم نشاۃ ثانیہ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

مصورِ پاکستان مفکر مشرق علامہ محمد اقبال اپنے خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلام کے الا جتہادی فی الاسلام والے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

''آج جو مسئلہ ترکوں کو درپیش ہے کل دوسرے بلاد اسلامیہ کو پیش آنے والا ہے اور اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشوونما اور ارتقاء کی گنجائش ہے؟ لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا۔ گو ذاتی طور پر مجھے یقین ہے۔ کہ اس کا جواب اثبات میں ہی دیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم اس مسئلہ میں وہی روح برقرار رکھیں جس کا اظہار کبھی حضرت عمرؓ کی ذات میں ہوا تھا وہ امت کے اولین دل و دماغ ہیں جو ہر معاملے میں آزادی رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے اور جن کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی حالت نزع میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کافی ہے۔'' (تشکیل جدید الٰہیات اسلام ترجمہ سید نذیر نیازی صفحہ ۲۵۱)

مرزا حیرت بھی علامہ محمد اقبال کے ہم خیال ہیں۔ مرزا صاحب کو قرآن کریم اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس لیے قرآن فہمی عام کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کا اردو اور انگریزی ترجمہ۔ سیرت پر کئی کتب خصوصاً قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ سیرت پر کتابچہ۔ بخاری و مشکوٰۃ وغیرہ کے ترجمے شائع کیے۔ آیات بینات کے مصنف نواب محسن الملک۔

مولوی مہدی علی خان جو خاندانی طور پر شیعہ تھے .مگر جدید مطالعہ اور سر سیّد کے زیر اثر قرآن کریم کے قریب آئے .اور اپنا خاندانی مذہب چھوڑ کر قرآن کے دامن میں پناہ لی اور اسی کی روشنی میں آیات بینات لکھی .ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرزا حیرت نے بھی قرآن کریم کی روشنی میں کتاب شہا دت لکھنا شروع کی تھی اپنی اس کتاب کی ابتدا ہی میں انھوں نے یہ بات بتا دی ہے کہ ہمارا معیار اور نصب العین وہی نعرہ فاروقی حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ (بخاری مسلم) ہے .جو حضرت عمر فاروق اعظم نے محمد الرسول اللہ کے آخر وقت میں بلند کیا تھا .اور جس کی تمام صحابہ اور خود محمد الرسول اللہ ﷺ نے عملاً تائید فرمائی تھی ورنہ اگر یہ نعرہ غلط ہوتا تو کوئی صحابی اٹھ کر اس کی تردید کر سکتا تھا .بلکہ اگر خود محمد الرسول اللہ اُسے درست نہ سمجھتے تو حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیتے .اور اس کی تردید کر دیتے ۔مرزا حیرت اپنے اس اصول کے متعلق کتاب شہادت کے پہلے مقدمہ کے شروع ہی میں تفصیل سے لکھتے ہوئے بتاتے ہیں ۔

اے چاند سورج اور کروڑ ہا ستاروں کو فضا میں ایک مرکز پر قائم رکھنے والے اللہ تیرے احسانات کو ہم کہاں تک گنوائیں تو نے روحانی اور جسمانی دونوں نعمتیں ہمیں بخشی ہیں ۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

ان نعمتوں میں ایک نعمت بہت بڑی تو نے ہمیں اپنی کتاب دی جو متقیوں کی ہدایت کرتی ہے اور اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں ہے ۔وہ کتاب .فرقانِ حمید یعنی قرآن کریم ہے جسمیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے. وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (سورہ بقرہ:۲۳) ”یعنی قرآن کریم جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں ہمارے کلام ہونے میں شک ہے تو اسکی آزمائش کی سہل ترکیب یہ ہے کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ جس کے ہر جملہ میں معرفت اور حکمت کے صدہا راز پوشیدہ اور ظاہر ہیں مگر ایسا نہیں کر سکتے پھر کیوں اپنا راستہ جہنم میں کرتے ہو۔“ غلط روایتوں کی کتابوں کو چھوڑ دو جن میں سوائے فضول اور گمراہ کرنے والی کہانیوں کے کچھ بھی نہیں رکھا اور قرآن مجید کو مضبوطی سے دانتوں میں پکڑ لو جسکی نسبت خالق ارض وسما ہدایت کرتا ہے. خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ . (سورۃ الاعراف:۱۷۱) اور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں (یعنی قرآن کریم) زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس

میں لکھا ہوا ہے شاید تمہیں ڈر ہو اور پھر تم محبوب کبریا اور اسکے راشدین صحابہ کو بُرا کہنے سے محفوظ رہو اور ان کی سچی بزرگی تمھارے دل پر پوری نقش ہو جائے۔ مسلمان ہو کر قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے والے بدنصیب گروہ تو اِدھر اُدھر کی ناپاک کہانیوں کی کتابیں تو اچھی طرح دیکھتا ہے مگر قرآن کریم کو تو نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے. دیکھ خدا تعالیٰ تیری نسبت کیا حکم کرتا ہے. نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (سورۃ بقرہ:۱۰۱) کتاب پانے والوں میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنے پس پشت ڈال دی گویا کہ انہیں معلوم نہیں قرآن مجید کا پڑھنا اسے یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ سب تم نے بالائے طاق رکھدیا کیا اسی منہ سے تم سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہیں اپنی نجات کی امید ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَلَا تَتَّخِذُوٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا. اور اللہ کی کتاب کو ہنسی میں نہ اُڑاؤ اور اسے مذاق نہ ٹھہراؤ دیکھنا تمہارے لئے یہ کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ کم بختو جانے دو اور دیرینہ خباثت کو دلوں سے نکال دو. اور وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا. (سورۃ آل عمران:۱۰۳) مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب ملکر اور پھوٹ مت ڈالو. پھر خداوند تعالیٰ ارشاد کرتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا . فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا. اے لوگو تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس سند پہنچ چکی ہے. اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری سو جو یقین لائے اللہ پر اور اسکو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اللہ رحمت میں اور فضل میں اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ سے پہنچائے گا. یہ دیکھ کے کلیجہ شق ہو جاتا ہے کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے سے تمہارے تن بدن میں مرچیں لگ جاتی ہیں اور تم جل بھن جاتے ہو اور پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ o خداوند تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے. قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ ، سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور بیان کرتی ہوئی کتاب آئی ہے. جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے اور جو کوئی سلامتی کے راستہ پر اسکی رضامندی کا طالب ہو کے چلتا ہے وہ اسے اپنے حکم سے تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ چلاتا ہے مگر گروہ جب اس سے یہ کہا

جائے کہ ہمارے لئے کتاب اللہ بس ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ اسے بے ایمانی کی تاریکی سے روشنی میں نکلنا نصیب ہو وہ ابدالآباد اسی تاریکی میں پڑا رہے گا۔ مجتہدوں کے خرافات اور نالائق باتوں کو جس گروہ نے اپنا دستورُالعمل بنالیا اور قرآن مجید کو چھوڑ دیا ان کے راہ راست پر آنے کی کیونکر امید ہوسکتی ہے۔ اسکا فیصلہ اے رب کریم تو نے کیا صاف الفاظ میں فرمایا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (الانعام:۱۵۳) اور بیشک میری یہ راہ ہے سیدھی سو اسپر چلو اور مت چلو کئی راہیں۔ پھر یہ راہیں تمھیں اسکی راہ سے متفرق کردینگی۔ یہ تمھیں خوب جتا دیا ہے۔ شاید تم بچتے رہو۔ خدائے تعالیٰ کی کتاب ترک کرنے سے بجائے خدا پرستی کے تعزیئے پرستی، ضریح پرستی، دُلدل پرستی حسینؓ پرستی، علیؓ پرستی، میراں پرستی، سدو پرستی، قبر پرستی تم نے اختیار کرلی۔ بھلا متفرق راہوں سے منزل مقصود یعنی خداوند تعالیٰ کی مرضی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ رب العزت سلوک کرے گا۔ اس کا بیان خود اس نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ. (سورۃ الانعام:۱۵۷)

جو ہماری آیتوں سے کترا کے چلے گئے ہیں۔ ہم انہیں بغیر سزا دیئے نہیں رہنے کے وہ سزا یا عذاب طرح دینے کا دیا جائیگا۔ اور بہت ہی بُری طرح کا عذاب ہوگا۔ وہ امام یا مجتہد یا قبلہ و کعبہ جنھوں نے خدا پرستی کی جگہ علیؓ پرستی اور حسینؓ پرستی وغیرہ دنیا میں قائم کی کیونکر۔ اس شدید عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ انہیں تو ان کے اعمال کی خوب سزا مل رہی ہے۔ مگر اسوقت تمھارے لئے خداوند تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کا زمانہ ہے کاش تم سمجھو اور نصیحت حاصل کرو۔ وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. چلو اس پر جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اور اسکے سوا ہرگز ہرگز ان اماموں کے پیچھے نہ چلو جو اپنی طرح تمھیں بھی جہنم کا وارث بنادینگے۔ ان صریح باتوں پر تو بہت کم دھیان رکھتے ہو۔ تمہارے اماموں نے تمھیں بالکل کہیں کا نہیں رکھا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور تمھیں بھی گمراہ کیا بس ان کی پیروی چھوڑ دو اور خدا کی روشن کتاب کو اپنی حقیقی نجات کی کنجی سمجھ کے اپنے اماموں اور مجتہدوں کی شاعرانہ تراش کو سنڈاس میں پھینک دو۔ تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے افترا کیا ہے۔ حضرت علیؓ جو مثل اور بندوں کے ایک عاجز بندے خدا کے تھے۔ کو فضیلت

دے کر خدا کے ساتھ ملا دیا ہے اور ہر وقت انہیں خدا سے سرگوشی کرنے والا بیان کیا ہے. کہیں علیؑ کیوجہ سے حضرت آدم کو معتوب بنایا کہیں نوح وسلیمان، داؤد، یعقوب علیہم السلام کو خدا کا نہیں بلکہ حضرت علیؑ کا دست نگر بتایا ہے. کہیں خدا پر افتراء باندھا ہے کہ اس نے حضرت علی کو جنوانے کے لئے آسمان سے بہت سے فرشتے، حوریں اور جبریل کو بھیج دیا تھا. کہیں ذات باری کے نور سے حضرت علیؑ کے نور کو پیدا کیا ہے. کہیں علیؑ (☆) کو مثل خدا کے دائم اور حی وقائم بتایا ہے۔

☆ جن باتوں کا ہم نے یہاں اشارہ کیا ہے کہ کیا کیا باری تعالیٰ پر افتراء کئے گئے اس کا مفصل ذکر آگے چل کے معجزات وفضائل علی ابن ابی طالبؓ اور حسینؓ وغیرہ میں مع حوالہ کتب آئے گا۔

اسی طرح حضرت امام حسین کے معاملہ میں تم نے خدا پر افترا باندھا ہے. کہیں یہ لکھا ہے کہ خدا نے جبریل بھیج کے بی بی فاطمہؓ کی چکی پسوائی. غرض اس قسم کی افترا پردازیاں تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے جو فیصلہ خداوندی کے مطابق جہنم کے سچے وارث ہیں خداوند تعالیٰ کی ذات پر کی ہیں. کہ کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ نے بھی ایسے افترا اپنے خالق پر نہ باندھے ہونگے. تمہیں معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے متعلق اپنی کتاب مبین میں کیا فیصلہ کیا ہے. چنانچہ وہ فرماتا ہے. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ پھر اس سے ظالم کون ہے جو افتراء کرے اللہ پر یا جھٹلائے اسکے حکم کو وہ لوگ عذاب کا وہی حصہ پائیں گے جو کتاب میں یعنی قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے. وہ بدنصیب گروہ ہے جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کا جانی دشمن ہوگیا. اور ابتک اس والا شان قائل کی ذات اقدس واطہر میں بدزبانی کر کے اپنے مجتہدوں اور اماموں سے زیادہ اپنے کو جہنم کا وارث قرار دے رہا ہے. مگر خدا تعالیٰ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کی بڑی کھلے الفاظ میں تائید کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ. جن لوگوں نے ہماری کتاب سے تمسک کیا اور نماز قائم کی ہم ایسی نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے اس سے زیادہ صریح الفاظ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کیلئے اور کیا ہو سکتے ہیں مگر جن لوگوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کو جھٹلایا اور اس سے ناک بھوں چڑھائی ان کو اس صورت سے عذاب دیا جائے گا. کہ وہ مطلق نہیں سمجھتے کے کہ یہ عذاب کیونکر اور کس طرح نازل ہو رہا ہے. مثلاً خداوند تعالیٰ نے اس گمراہ گروہ کی صورتیں مسخ کر دیں ہیں کہ

اگر ایک شخص سو آدمیوں میں کھڑا ہوا ہو تو علیحدہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی عذاب ایسا ہے کہ انہیں اسکی مطلق خبر نہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الاعراف:۱۸۲) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں ایسا سچ سچ پکڑ ینگے کہ انہیں ہماری گرفت کی مطلق خبر نہیں ہونے کی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں اور جو ابھی تک اس حکم یا وعید خداوندی سے غافل ہیں۔ وہ آئندہ اتنی بات ضرور سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش نہیں ہے۔ تیرا فرمان اے رب العرش بالکل سچ ہے اور کوئی بات تو نے ہماری ہدایت کے متعلق باقی نہیں چھوڑی کہ ہمیں علیؓ پرستی اور حسین پرستی کی اُس لئے ضرورت ہو تو خود فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اپنے محبوب سے خطاب فرماتا ہے۔ اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیان کرنے والی ہر چیز کی اور ہدایت کی اور رحمت اور حکم برادروں کے لئے خوشخبری۔ جب لکل شیئ کے الفاظ صاف طور پر موجود ہیں پھر کیوں نہیں جھوٹی روایتوں کی کتابوں کو جلا دیا جاتا کیونکہ ان کتابوں کے مصنفوں نے خدا پرستی کو بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لئے مسالہ جمع کیا ہے۔ وہ ایسا متعفن۔ غلیظ اور ناپاک ہے کہ اگر اسے پیش کر دیا جائے تو لوگ تھوتھو کرنے لگیں اور حکومت کا قانون ضرور ان فحش باتوں پر باز پرس کرے۔ تزکیہ نفس اور پاکیزگی کیلئے تو قرآن مجید بس ہے تمام مخلوق اور کائنات کا ذرہ ذرہ بآواز بلند یہ پکارتا ہے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ بڑی ہے تیری شان اے رب کریم۔ تیرا جلال تمام عالموں پر محیط ہو آمین۔

کسی کی مصیبتیں بیان کرنے سے کبھی نجات نہیں مل سکتی۔ بدنصیب اور شور بخت مجتہدوں نے یہ فتوی دے دیا ہے کہ کسی کی فرضی مصیبتوں پر رونا جنت کی کنجی ہے۔ قرآن مجید سے یہ لوگ ایسا بھاگتے ہیں جیسا لاحول سے شیطان کافور ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی وقعت اپنے مریدوں میں کم کرنے کے لئے وہ جھوٹی باتیں انہوں نے تراشی ہیں کہ دیکھ کے ایک خدا پرست شخص کے آنسو نکل آتے ہیں۔ جیسا کہ امام جعفر یا باقر والی اونٹ کی ہڈی ہے۔ (☆)

☆اس ہڈی والی روایت کا مفصل بیان اپنی جگہ آئے گا۔

کافی کلینی والے نے ان میں سے ایک شخص کی زبانی اپنے مرید کو یہ کہلوادیا تھا کہ تمہارے قرآن سے اس ہڈی پر تین حصے زیادہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ اور اس میں کل وہ باتیں ہیں جو بنی آدم کو قیامت تک

پیش آنے والی ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ قرآن مجید اس ہڈی کی تحریر کے آگے ایک بے وقعت چیز ہے یہی لوگ ہیں کہ جب ان کے آگے خدا کا کلام پڑھا جاتا ہے تو پیٹھ موڑ کے چلتے ہوتے ہیں. اور انہیں اونٹ کی ہڈی کے مقابلہ میں سخت برا لگتا ہے.

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (الاسراء:۴۵-۴۶)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے آپ کے قرآن پڑھتے وقت ہم ان میں اور آپ میں ایک پردہ ڈال دیتے ہیں اور انکے دلوں پر اوٹ قائم کر دیتے ہیں تا کہ سمجھنے کی توفیق ہی نہ ہو اور ان کے کان ثقیل کر دیتے ہیں. پھر ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ادھر قرآن پڑھا گیا اور ادھر وہ بدک کے بھاگے جب حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہنے والے کے جانی دشمن ہیں پھر وہ کب گوارا کرینگے کہ ان کے آگے کتاب اللہ پڑھی جائے اور انہیں اسکے سننے کی برداشت ہو. قرآن مجید کا صریح معجزہ یہ ہے کہ اس سے روحانی شفا حاصل ہو، اور تمام باطنی امراض جاتے رہیں. مگر ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے روحانی امراض کو محسوس کر لیا ہے اور اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ خدا کا کلام ہمیں روحانی بیماریوں سے چنگا کر دیگا. مگر جنکا۔ ایمان اس پر نہیں ہے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا. جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا. (الاسراء:۸۲) ایمان والوں کی رحمت ہے اور قرآن مجید روحانی امراض کا علاج ہے مگر ظالموں کو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا. بلکہ ان کا روحانی نقصان ترقی کرتا رہتا ہے. جو کتاب آسمان سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہو اور ایک مبشر اور نذیر کی مبارک زبان سے عامہ خلائق کے آگے پڑھی گئی ہو اسکی نسبت یہ کہنا بلکہ اس پر ایمان رکھنا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کیا اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور روحانی برتری نہیں ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا. (الاسراء:۱۰۵) اور ہم نے یہ قرآن سچ کے ساتھ اتارا اور اے محمد ابن عبداللہ تجھے سچ کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کے بھیجا. ابدی محرومی میں پڑ جائیں وہ لوگ جو قرآن مجید کو جو حق کے ساتھ اتارا گیا ہے اپنا دستور العمل نہ بنائیں خداوند تعالیٰ اپنے دیدار کے شرف سے انہیں ہمیشہ محروم رکھے۔

مگر جس نیک اور روشن ضمیر گروہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کو اپنا وظیفہ بنالیا ہے۔ جن میں سے لاکھوں آدمیوں نے اس آسمانی کتاب کے نقوش کو اپنے دل پر لکھ لیا ہے اور جو ہر وقت قرآن مجید ہی کی روشن آیتوں کا وردر کھتے ہیں۔ اور جو پاکباز گروہ رمضان المبارک کے مہینہ میں شب کو روزہ کھول کے اور نماز مغرب کے بعد نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قرآن مجید پڑھنے کھڑا ہو جاتا ہے اور ان میں رقیق القلب قرآن سنتے وقت روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں وہی خداوند تعالیٰ کے پاک اور فرمانبردار بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ انہیں راستباز لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا. وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا. (الاسراء:۱۰۷تا۱۰۹)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی زبان میں اس نافرمان مخلوق کے آگے جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کہنے سے جل جاتی ہے یہ فرماتا ہے۔ تم مانو یا نہ مانو مگر جنہیں علم معرفت ملا ہے ان کے آگے جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب اور بیشک ہمارے رب کا وعدہ شدنی ہے اور وہ زاری اور خلوص سے نہایت خشوع کے ساتھ اپنے رب کا جلال دیکھتے ہوئے پیشانیاں ٹھوڑیوں کے بل زمین پر لگا دیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو کے نہایت اخلاص۔ نہایت فروتنی اور انتہا درجہ عاجزی سے بفرط محبت وادب نجات کے حقیقی وارث ہیں۔ باقی کتاب اللہ کے نہ سننے والے اور حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه پر منہ بنانیوالے مقہور بارگاہ صمدی ہیں۔

وہ بدنصیب جو خداوند تعالیٰ کی آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں دنیا میں بھی خسارہ سے رہیں گے اور آخرت میں اندھے گنے جائیں گے۔ انہیں سعادت دارین حاصل ہی نہیں ہوگی۔ کتابِ خدا کے آگے قصے کہانیوں کو ترجیح دینا اور ہر وقت ان ہی کا وردر کھنا اشرف المخلوقات کے لئے زہر ہلاہل ہے۔ پھر طرۃ یہ کہ ان واہی تباہی کتابوں سے خداوند تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنا کیسی خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے۔ اے احسان فراموش ظالم انسان تزکیہ نفس اور ابدی نجات کے لئے قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تو پیش کرسکتا ہے۔ جس سے روحانی نجات کا راستہ ملے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ تو یقین جان اگر تو نے خدا کو چھوڑ دیا تو نہ یہاں تیری فلاح ہوگی اور نہ تجھے وہ حقیقی بصارت دی جائے گی جس سے تو اپنے

خالق کا جلال دیکھ سکے۔ تیرے خالق نے تیرے لئے اپنی پاک کتاب میں خود اسکا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا. قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا و كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى. (طٰهٰ:۱۲۴تا۱۲۶)اور جس نے ہماری یاد سے منہ پھیرا اس کو ہم تنگی کی گزران میں مبتلا کر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا اٹھائیں گے وہ بدنصیب فریاد کرے گا کہ اے میرے رب میں تو زندگی میں اندھا نہ تھا تو نے آج مجھے اندھا کیوں کر دیا۔ بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوگا کہ تو نے ہماری آیتوں کو یعنی ہماری کتاب کو زندگی میں بھلا دیا تھا اُسکا بدلہ یہ ہے کہ اب ہم تیری طرف سے اپنی رحمت کی نظریں پھیر لیتے ہیں اور تجھے بھلا دیتے ہیں۔اور اسی طرح ہمارا یہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى. (طٰهٰ:۱۲۷) کہ جو شخص حد سے تجاوز کر گیا اور اپنے رب کی کتاب اور اسکی روشن آیتوں پر ایمان نہ لایا تو اسے آخرت کا عذاب وہ چکھایا جائے گا جو انتہا درجہ سخت اور دیرپا ہے۔

تم آخر اپنے خالق کے ارشاد کو کہاں تک ٹالتے رہو گے اخیر ایک دن اس نازیبا حرکت سے تمہیں پچھتانا پڑے گا۔تمہارے ہی لئے تو یہ کتاب اتاری گئی اور تمہارے ہی لئے اسمیں ہدایت بھری ہوئی ہے جس کی شہادت خود یہ کتاب دے رہی ہے۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء:۱۰) ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے اور اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں ہے۔ کہ تم اس بات کو سوچو کہ تمہارے خالق کی طرف سے تم پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے مگر تم ایسے نادان ہو کہ اسے نہیں سمجھتے۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ. بلکہ غضب یہ کرتے ہو کہ ایسے رحیم کریم حقیقی محسن کے ذکر سے اعراض کر جاتے ہو وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ. (الانبیاء:۵۰) اور یہ ایک برکت کی نصیحت ہے جو ہم نے اتاری۔اے بدنصیبو کیا تم اسکو نہیں مانتے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ یہ قرآن مجید کھلی کھلی اور صاف صاف نصیحتوں سے مملو ہم نے اتارا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ ہی جسکو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے۔اور عقل پیدا کر دیتا ہے۔اپنی ڈھٹائی اور ہٹ سے تم نے یہ روز بد اپنے لئے خود خرید لیا ہے کہ اپنے شریر النفس اماموں کی کتابوں پر گرویدہ ہو کے تم نے کلامِ

خدا چھوڑ دیا۔اسی لئے گمراہی کی تیرہ وتار گھٹا نے تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تمہیں پھر بھلا کیونکر اسکی توفیق ہوسکتی ہے کہ تم اُس ان دیکھے اکیلے رب کی کتاب پر ایمان لاؤ اس پر عمل کرو اور خالص اسی کو اپنا دستور العمل بناؤ۔اس ہولناک دن سے ڈرو جب فوج فوج اپنے خالق کے سامنے جمع کیے جاؤ گے اور اس وقت دریافت کیا جائے گا کیوں تم نے قرآن مجید پر عمل نہیں کیا۔اور کیوں تم نے ہماری کتاب کی آیتوں کو جھٹلایا اُس وقت نہ میاں مجتہد کام دینگے اور نہ امام اور نہ کوئی قصہ نویس اور نہ خدا کے عاجز بندے علیؑ، حسنؑ، حسینؑ خالق ارض وسما فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ. (النمل:۸۳) اور جس دن گھیر کے بلائینگے ہم ہر فرقہ میں سے ایک جماعت کو جو ہماری باتیں جھٹلاتی تھی.

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ. (النمل:۸۴۔۸۵) جب یہ سب لوگ حاضر ہوجائینگے تو دریافت کیا جائے گا کہ تم نے میری باتوں کو کیوں جھٹلایا کیا قرآن مجید کی کھلی کھلی نصیحتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئی تھیں۔ بولو تم نے اپنی جانوں پر کیسا غضب ڈھایا سوائے تمہاری شرارت کے اور کیا سمجھا جاسکتا ہے اُس وقت یہ لوگ سرنگوں ہونگے اور حرف زدن کا یارا اُن میں نہ ہوگا خجالت سے گردن نیچی کیئے کھڑے رہیں گے۔اور پھر دائمی محرومی کے گھر بھیج دیئے جائیں گے۔

ان انقطاعی فیصلوں اور وعیدوں کے بعد خداوند ارض وسما نے اپنے حبیب کی زبانی آخر یہ کہلوادیا۔ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ. وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ. (النمل:۹۱۔۹۲) مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں حکم برادر بنا رہوں اور تمہیں قرآن سنادوں قرآن سُن کے جس نے ہدایت پالی تو اپنا ہی کچھ بھلا کیا اور جو بیکار رہا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈرسنانے والا ہوں تم جانو تمہارا کام جو حکم مجھے ہوا تھا کہ خدا کا کلام تمہیں سنادوں میں نے پورا کر دیا اب ایمان لانا نہ لانا تمہارا فعل ہے"۔(کتاب شہادت کا پہلا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۷ تا ۲۵)

تعارف کتاب شہادت:۔ مرزا حیرت کے اس اصول کا مطالعہ کرنے کے بعد مناسب ہے کہ ہم ان کی کتاب شہادت کی ہر جلد کے مندرجات کا مختصر تذکرہ کردیں.

پہلا مقدمہ: حمد و نعت اور اپنے اصول حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کو بیان کرنے کے بعد اس پہلے مقدمہ میں خلفائے راشدین. حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروق اعظمؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے۔

دوسرا مقدمہ:

کتاب شہادت کے دوسرے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ حضرت علیؓ کی شیعہ امامت. قرآن کریم سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ جن آیتوں کا مطلب اپنی مصنوعی روایات کا ضمیمہ لگا کر توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کوششوں کی کیا حقیقت ہے آخر میں حضرت علیؓ کی شخصیت وسوانح کے متعلق اپنے نقطہ نظر کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

''ہم حضرت علیؓ کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار، راستباز مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے. آپ کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور آپ مثل دیگر حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں جھوٹے ہیں اسی طرح دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے آپکو نبی سے ملا دیا ہے وہ بھی دروغ گو ہیں۔ رسول اللہ نے کبھی آپ کو امام نہیں بنایا نہ آپ نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھے رسول اللہ امام بنا گئے ہیں۔ یہ بھی خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی آپ امام نہیں بنائے گئے۔ کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی اس قدر کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپکا مطیع ہو کے نہیں رہا. دوسری کمی یہ تھی کہ آپ نے اپنے نالائق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے سونپ دیئے تھے. چونکہ انتظامی مادہ آپ میں بہت کم تھا آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے. آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کی بھرتی کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت علی کے رونے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے عیش اُڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں۔ اب تم اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کرونگا نہ کسی کی حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا۔ زاہد تھے عابد تھے. متقی تھے. سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ خدا تعالیٰ نے

آپ کو نہیں بخشا تھا۔ آپ بالکل مجبور تھے اچھا دماغ کیونکر پیدا کر سکتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ تو ایک طرف، انتظامی قابلیت میں تو حضرت معاویہؓ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی کل رعایا آپ سے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے اس کی تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ مجھ سے کئی کئی سپاہی لے لیں تو میں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا۔ ہر مقام پر جو انھوں نے اپنے فوجی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی قابلیت آپ میں نہ تھی۔ یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس زمانہ میں سچی سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے تعصب میں اندھا دھند جو چاہتے ہیں اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلام ہیں اور فی الحقیقت کسی کی ناک بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ ہمارے دل میں حضرت علیؓ کی اُتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صادق مسلمان کی ہو سکتی ہے ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کمزوریوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں۔ وہ شیر دل تھے۔ جان باز تھے۔ حضور انور رسول خدا کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لئے ان کا دماغ قدرت کی طرف سے موزوں نہیں بنایا گیا تھا۔ وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا مادّہ اُن میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علیؓ نہج البلاغۃ میں کرتے ہیں کہ "بہ نسبت خلیفہ ہونے کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔" مطلب یہ ہے کہ اپنی قابلیت کا احساس خود حضرت علیؓ کو بھی تھا۔ اور آپ چونکہ راست باز تھے اس لئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے۔

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے۔ جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے پڑھنے والا بالاضطرار اسکی داد دے گا کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے۔ ہاں یہ مجھے دعویٰ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور تمام شیعی دنیا مل کے بھی کسی ایک بات کی معقول تردید نہیں کر سکتی۔ انشاء اللہ (کتاب شہادت کا دوسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۲۲۳ تا ۲۲۴)

تیسرا مقدمہ:

کتاب شہادت کے تیسرے مقدمہ میں حضرت علیؓ کے متعلق اُن مبالغہ آمیز اوصاف کی تحقیق کی گئی. جو حضرت علیؓ کو تمام انبیاء سے بڑھ کر اور رسول اکرم ﷺ کے ہمسر قرار دینے کے لیے گھڑے گئے ہیں. اور جن کے ذریعے حضرت علیؓ کو تمام صحابہ حتیٰ کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے زیادہ افضل اور مستحق خلافت قرار دینے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے اسی تیسرے مقدمہ میں ایک جگہ صفحہ نمبر ۱۹۴ پر جمل وصفین کے متعلق لکھتے ہیں۔

خود حضرت علیؓ ہی نے اِن لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اِس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوش دلی کا باعث ہوتی. خوارج سے جو جنگ علیؓ لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنھوں نے بارہا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں۔

یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین سُنی وشیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کریں گے. یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر علی ومعاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص بنویہ اور ادلہ شرعیہ کا وہ فتویٰ دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کریں گے اور نہ شیعہ۔ نہ اُنہیں گوارا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے روایتی احترام کو مٹا کے اُنہیں ان جنگوں کے بعد ان کی اصلی صورت میں دکھایا جائے۔ (کتاب شہادت کا تیسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۹۴)

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مرزا حیرت اپنی تحقیقات کو بڑی خود اعتمادی سے پیش کرتے ہیں اسی تیسرے مقدمہ کے آخر میں اپنی محنتوں کے متعلق تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے. اس کی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں.

جنہیں صحیح روائتوں کا پورا علم ہے اور جو درائیت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں. اور جنہوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن. اور صحابہ کے آثار اور معاشرت میں غور کیا ہے. یقیناً اس کا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا مل کے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی. ہم نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پر ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بناء نہیں ہوگی. بلکہ ہر واقعہ کا ایسا بدیہی ثبوت دیا جائے گا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے. الحمدللہ کہ اس میں کامیابی ہوئی. کسی کی مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف ثابت کر سکے. اسکا توڑنا تو کجا! عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے. سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے تحفہ وغیرہ کا جیسا اُنہوں نے جواب دیا ہے مگر اِس کے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے. اسکی بیّن دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی. بدیہی بات کا جواب ہی کیا ہوسکتا ہے. ہر بات آنکھوں سے دکھادی پھر بھلا اِسکی تکذیب ہوش مند کیونکر کر سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنے اِس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا انہیں سچے سچے واقعات معلوم ہوگئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا. وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں. غرض اصلی اور سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگئے. اِس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے. وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائے گا. ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے۔ پرانے تعصبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے دور ہونے لگے ہیں اگر حق پوچھئے تو شیعہ سنی دونوں کے لیے کتاب شہادت نے آبِ حیات کا کام کیا ہے. شروع شروع میں لوگ اس کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُن کی یہ بیزاری خواب وخیال ہوگئی ہے اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے خوش ہوتے ہیں. الحمدللہ (کتاب شہادت تیسرا مقدمہ صفحہ ۲۱۶)

چوتھا مقدمہ:

کتاب شہادت کے چوتھے مقدمہ میں سنی شیعہ الٰہیات کے مسائل کا تقابلی مطالعہ قرآن کریم اور عقل عامہ (CommonSense) کی روشنی میں کیا گیا ہے اس مقدمہ کا ابتدائی نصف حصہ تاریخی سے زیادہ علم کلام کے فنی مباحث پر مشتمل ہے. دوسرے نصف حصہ میں اہل سنت پر کئے

گئے اعتراضات کا جواب ہے۔

کتاب شہادت کی پہلی جلد:

سابقہ چار مقدمات کے بعد جس میں سے ہر مقدمہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک ایک جلد کی صورت میں ہے یہ کتاب حضرت علیؓ کی سوانح کے متعلق ہے اس کے آخر میں اگلی جلد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت لکھتے ہیں.

’’یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہوگیا۔حضرت علیؓ کے واقعاتِ زندگی کے بیان میں یہ پہلی جلد ختم ہوئی ہے .دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہوگا.آپ کے سیاسی .اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جائے گی.نہج البلاغہ اور ایک دیوان پر جس کی نسبت آپ سے دی جاتی ہے پوری بحث ہوگی .آپ کی شہادت کی من وعن ساری کیفیت بیان کی جائے گی آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پوری حقیقت کھولی جائے گی.غرض یہ دوسری جلد زیادہ دلکش ہوگی انشاء اللہ.اس کے بعد اصلی حالات سارے بیان کردیئے جائیں گے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اس پہلی جلد میں جہاں تک انکشاف حالات ہوا ہے یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے کہ وہ حالات جن سے علماء بھی نا آشنا تھے عامہ خلائق کے سامنے آگئے.دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہوگیا۔(کتاب شہادت جلد پہلی صفحہ ۵۲۶ تا ۵۲۷)

وفات:

مرزا حیرت صاحب نے ساٹھ برس کی عمر پائی اور ۱۹۲۸ء کے اوائل میں وفات پاگئے چھ بچے اور ایک بچی یادگار چھوڑے.ناصر الملک بی اے ولی عہد چترال جو دہلی میں فوجی تعلیم کی غرض سے آئے ہوئے تھے بنفس نفیس اظہار ہمدردی کے لئے دفتر میں تشریف لائے اور اپنی دو رباعیاں پیش کیں۔

(۱)

حیرت بنوشت قصۂ شاہ شہید

حیرت نہ سپرد راہ جز راہِ شہید

مُردن بہ رہ علم شہادت باشد
گویم زحیرت ، حق آگاہ شہید

(۲)

چہ خوش گفت است دانائے کہ موت از زندگانی بہ
صفائی می دہد دل را . الم از شاد مانی بہ
خصوصاً حق شنا ساں را بہ مردن رغبتے باشد
کہ از رویائے بے اصلی' حیاتِ جاودانی بہ

ولی عہد چترال پرنس ناصر الملک کی ان دو رباعیات کے بعد حضرت امجد لاہوری کے چند قطعات بھی ملاحظہ ہوں۔

عالم کی ہے موت اِک عالم کی فنا
اور زندگی اس کی ہے اِک عالم کی بقا
گو موت کی دوا انہیں ہے امجدؔ
ہے علم مگر جہل کے عالَم کی دوا

۲

اک شائق علم وزبان حیرت تھے
اور عالم خوش بیان حیرت تھے
تاریخ پہ تھا عبور ایسا امجدؔ
گویا کہ زبان داستان حیرت تھے

۳

دہلی کی زباں کے تھے وہ شیدا
تحریر سے ہے یہ رنگ ہویدا
لکھتے تھے کہ وہ سلیس اُردو امجدؔ
حیرت کے اس کمال پر ہر اک تھا شیدا

آخر میں مرزا حیرت کی ایک نظم پیش خدمت ہے جس سے انہوں نے "ایک سچے عاشق زار مسلم کا قرآن کریم سے خطاب" کے تحت اپنے تاثرات نظم کیے ہیں۔ تمہیدی سطور میں ہے لکھتے ہیں کہ اس نظم کا مقصد شاعری کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک سچے مسلم کی دلی وجد انگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے۔

عظمتِ قرآن کریم پر ایک عاشق صادق مسلم کا اظہار

(نتیجۂ افکار حضرت علامہ مرزا حیرت دہلوی)

اے قولِ پاک یزداں اے معجز نمایاں ۔۔۔ اے نقش لوح محفوظ اے جان و روح انساں
ہر لفظ میں ہے تیرے اک شان کبریائی ۔۔۔ ہر قول میں ہیں تیرے سو معجزے درخشاں
تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی ۔۔۔ تیری ہے وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں
سر چشمۂ ہدایت کہنا تجھے بجا ہے ۔۔۔ اے اصل دین و ایماں اے پُر جلال فرقاں
اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں ۔۔۔ کہنہ کی جن کی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں
دل سے فدا ہیں تجھ پر دین خدا کے پیرو ۔۔۔ ہے تو ہی فخر اُن کا ہیں تجھ پہ ہی وہ نازاں
طرز بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے ۔۔۔ ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہی فرماں
پتہ ہے کس کا اِتنا کھولے زباں جو تجھ پر ۔۔۔ زہرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آ کر
جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ ۔۔۔ تیرا پیارا مولد بیت خدا ہے پہلا
کرتا ہے فخر تجھ پر تنہا نہ اک عرب ہی ۔۔۔ نازاں نہیں ہے تجھ پر صرف ایک خاکِ بطحا
اب ہند و چین و ماچیں کرتے ہیں ناز تجھ پر ۔۔۔ ہے شام و روم تجھ پر پھولا نہیں سماتا
تیرا ہے فیض جاری مشرق ہی میں نہ تنہا ۔۔۔ مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا
جتنا کہ تو ہے مشکل آسان بھی ہے ایسا ۔۔۔ فاضل جہاں ہے ششدر، اُمّی وہاں ہے گویا
عقبیٰ کا صاف رستہ ہم کو بتا دیا ہے ۔۔۔ سچ پوچھئے تو یہ ہے تجھ سے خدا کو پایا
تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھ کو آئے ۔۔۔ تیرا جلال اب بھی ہے روز شب چمکتا
ہو گی نجات اُن کو دنیا کے کب خطر سے ۔۔۔ ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے
برحق ہے تیرا دعویٰ سچی ہے تیری حجت ۔۔۔ لونڈی ہے تیری گھر کی ادنیٰ سی اک فصاحت

سب جن وانس مل کے دل سے اگر یہ چاہیں | لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سورت
ممکن نہیں ہے ممکن ہر گز نہیں ہے ممکن | ہو نا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت
مُردوں کو ہاں جلانا آسان ہے بلاشک | مع جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ حجت
نا ممکنات عالم ممکن ہے اور آساں | لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سورت
تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا | پھر کیونکہ چل سکے گی آگے ترے طلاقت
دنیا کے کل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجھ کو | اور جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت
جو ہیں ہئے کے پھوٹے اور عقل کے ہیں دشمن | ان پر تیرے دلائل اب تک نہیں مُبرہن
ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری | کرتے ہیں خود محمد تیری بڑی بزرگی
حاصل شرف ہوا ہے کل انبیاء کو تجھ سے | عصمت کی ان کی تو نے دی آن کر گواہی
ادنیٰ گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں | عظمت ہے تیری غالب، ہے رعب تیرا ساری
اندھے کا تو دیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے | حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی
میداں میں جنگجو کا تو ہے سے دل بڑھاتا | ہے ہاتھ میں تیرے ہی بالکل ظفر کی کنجی
دنیا کے سرکشوں نے مانا ترا ہے لوہا | مغرب کے آج دل پر پوری ہے دھاک بیٹھی
مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تو نے | تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی
کیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے | حافظ ترا ہے باری اور اُسکے کل فرشتے

(مرزا حیرت کے سوانحی حالات کے لیے ہمارے پیش نظر ان کی بھوامین خاتون بیگم عثمانیہ مرزا عثمان غنی صاحب محل تاجمیاں بھوپال کی شائع کردہ کتاب ''دنیا کا آخری پیغمبر'' مؤلفہ مرزا حیرت کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ جس میں اخبار دُرّہ عمرؓ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کے حوالے سے یہ معلومات دی گئی ہیں۔ مرزا حیرت کی نظم بھی اسی کتابچہ سے لی گئی ہے۔)

تبصرہ:۔ نواب محسن الملک اور مرزا حیرت دونوں ہم عصر تھے، ان سے ذرا پہلے اسلام اور تاریخ اسلام پر لکھنے والی ایک اور مشہور شخصیت مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی تھی۔ ان میں سے نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی تو خاندانی شیعہ تھے، سرسید کے گہرے دوست اور معتقد تھے۔ مرزا

حیرت کا غالباً ننھیال شیعہ تھا، تربیت شیعہ ماحول کے زیر اثر پائی مگر ان تینوں حضرات کا تحقیقی ذوق اپنے خاندانی مذہب پر قانع نہ رہ سکا. ان میں سے نواب محسن الملک کی کتاب ''آیات بینات'' (تین حصے) ہر جگہ مشہور ہیں. اس کا فارسی اور عربی خلاصہ بھی ہو چکا ہے. مولوی چراغ علی اور مرزا حیرت کی کتابوں نے اتنی شہرت نہیں پائی. اگرچہ ان کی محنتیں بھی رایئگاں نہیں گئیں اور ان کے اثرات کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں مرزا حیرت کی کتاب ''کتاب شہادت'' کے اثرات تقسیم برصغیر کے بعد شائع ہونے والی محمود احمد عباسی کی کتاب (خلافت معاویہؓ و یزید) تک میں پائے جاتے ہیں. مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی سب سے اہم انگریزی کتاب کا ترجمہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' کے نام سے دو حصوں میں کیا ہے اور اس کے شروع میں مؤلف کے حالات بھی پیش کیے ہیں۔ مسلم برصغیر کی تمدنی تاریخ کے مؤلف شیخ محمد اکرم (سی ایس پی) نے ''موج کوثر'' میں اس کی بڑی تعریف کی۔ بہر حال ان حضرات نے اپنی استطاعت کے مطابق مروجہ مذہب اور مروجہ تاریخ کا قرآن کریم کی روشنی میں جب مطالعہ شروع کیا، تو انہیں بہت سے مسائل و معاملات اور بعض مشہور واقعات و حادثات، حقیقت کے خلاف نظر آئے. اب تک تو یہ ہوتا تھا کہ لوگ بجائے قرآن کریم کی روشنی میں روایات کو دیکھنے کے، روایات کی روشنی میں قرآن کریم کا مطالعہ کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض لوگ تو اپنی فرقہ پرستانہ روایت کے تحت قرآنی بیانات ہی کا انکار کردیتے تھے. (نعوذ باللہ من ذلک) مثلاً

ا. قرآن کریم نے رسول اللہ کی ایک سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کی صراحت کی ہے (وَبَنَاتِکَ ۳۳/۵۹) مگر بعض لوگ یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی حقیقی بیٹی صرف ایک حضرت فاطمہ تھیں. باقی تین بیٹیاں حقیقی نہیں سوتیلی تھیں. حالانکہ یہ بات خود ان لوگوں کی سب سے مستند کتاب ''اصول کافی'' کی روایات کے بھی خلاف ہے اور قرآن کریم کے ارشاد کے بھی خلاف ہے کیوں کہ سوتیلی بیٹی کے لئے قرآن کریم میں (رَبَائِبُ ۴/۲۳) کا لفظ آ رہا ہے. جب کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کیلئے قرآن کریم نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا. بلکہ بَنَات کا لفظ استعمال کیا ہے جو حقیقی بیٹیوں کے لئے آتا ہے، اور اُسے بھی جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے. جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ کی سوتیلی نہیں بلکہ حقیقی بیٹیاں تھیں اور تعداد میں کئی تھیں، ایک نہیں تھی۔ اس قرآن کریم کی صراحت کے

ساتھ سنی شیعہ خارجی تمام فرقوں کی متفقہ روایات میں بھی قرآن کریم کے اس ارشاد کے عین مطابق رسول اللہ کی چار حقیقی بیٹیوں کا ذکر ہے مگر فرقہ پرستانہ مزاج کے تحت متواتر روایات حتیٰ کہ قرآن کریم کی صریح بات کا بھی انکار کر دیا گیا۔

مثال نمبر2 قرآن کریم نے کئی جگہ حضرت ابراہیم کے والد آذر کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً (وَاذْقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ آذَرَ ۶/۵) اور ہر جگہ انہیں ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے۔ مگر بعض روایات پرست حضرات کہتے ہیں کہ آذر والد نہیں تھے چچا تھے کیونکہ بقول اُن کے بعض روایات میں ان کے والد کا نام تارح آیا ہے اور ویسے بھی ایک پیغمبر کے والد کا مشرک ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس خواہش کی خاطر یہ لوگ تیسرے درجہ کی مشکوک روایات کو تو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کریم کی صراحت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ چچا کے لئے خود قرآن کریم نے بھی وہی مشہور لفظ (عَمّ) کا استعمال کیا گیا ہے۔ جو عربی میں رائج تھا۔ اگر آذر حضرت ابراہیم کے چچا (عَـمـهٗ) ہوتے تو قرآن کریم کے کسی ایک جگہ تو آذر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا کہ (وَاذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِعَمِهٖ آذر) لیکن قرآن کریم نے کسی ایک جگہ بھی آذر کو چچا نہیں کہا بلکہ لابـہ ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے۔ جس بات کو ایک جگہ نہیں کئی جگہ قرآن کریم نے ارشاد فرمائے۔ اس کے باوجود کوئی شخص نہ مانے تو نرم سے نرم الفاظ میں بھی اسے کیا کہیں؟

یہ دو مثالیں سمجھنے سمجھانے کیلئے کافی ہیں ورنہ اس قسم کی دسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ قرآن کچھ فرما رہا ہے اور فرقہ پرست، روایت پرست اور اکابر پرست حضرات کچھ کہہ رہے ہیں۔ مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی روایت پرستانہ یا فرقہ پرستانہ رویہ پر کوئی تعجب کا اظہار بھی نہیں کرتا، البتہ بعض ایسے تاریخی معاملات کی تحقیق کر کے ان کا انکار کیا جائے۔ جن سے قرآن کریم پر کوئی حرف نہیں آتا۔ نہ ان کے متعلق معاصر تاریخیں پائی جاتی ہیں۔ کہ انہیں اصول تاریخ کے خلاف قرار دیا جائے تو لوگ ایسی تحقیق کو بڑی تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیئے تھا۔ مگر قرآن کریم کے معاملہ میں حساس نہ ہونے کی وجہ سے صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے اور اپنی اس کوتاہی کا احساس بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

غور فرمائیے! اگر کوئی مورخ و محقق رسول اللہ کے چچا حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان جائیداد کی وجہ سے لڑائی ہونے اور ایک دوسرے کو گالی دینے کے واقعہ کا انکار کرے (جو بخاری و مسلم میں موجود ہے) یا حضرت حسنؓ کے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبول کرنے کے موقعہ پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ آپ کی آپس کی لڑائی ہونے کا انکار کرے یا جنگ جمل و صفین وغیرہ کا انکار کرتا ہے تو اس سے قرآن کریم کی کیا خلاف ورزی ہوتی ہے؟ زبانی روایات کے علاوہ اس زمانہ کی کون سی مستند معاصر تاریخ پائی جاتی ہے جس کی خلاف ورزی ہوتی ہو؟ نہ یہ متفقہ متواتر واقعات ہیں جن کو ماننا لازمی ہو. شروع زمانہ سے اب تک بہت سے اہل علم بلکہ پوری پوری جماعتیں ان کی منکر رہی ہیں. مثلاً جمل و صفین کے متعلق۔

۱. علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اپنی کتاب ''التلخیص الجبیر'' میں لکھتے ہیں. **قد مکی عیاض عن ھشام و عباد انھما انکرا وقعۃ الجمل اصلاً ورائسا** (یعنی قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ہشام اور عباد نے واقعہ جمل کا سرے سے انکار کیا ہے.

۲. علم کلام کی مشہور کتاب شرح مواقف (مقصد سابع) میں ہے کہ **اما الفتن و الحروب الواقعۃ بین الصحابۃ فالھشا میۃ انکروا وقوعھا** یعنی صحابہ کرام کے درمیان جو فتنے اور جنگیں ہوئیں، معتزلہ کے فرقہ ہشامیہ نے ان کے وقوع کا سرے سے انکار کیا. یہ تو دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دانشوروں اور اہل علم کا ذکر ہے.

متاخرین میں سرسید کے دست راست مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) نے اپنی کتاب تعلیقات میں جو پادری عماد الدین کی کتاب تواریخ محمدی کے جواب میں لکھی تھی اور جس کا ایک حصہ سیرت نبوی پر انگریزی میں ''محمد دی ٹرو پرافٹ'' کے نام سے شائع ہوا تھا. ان تمام واقعات کا انکار کیا ہے. (حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ہاں رسول اللہ کے ابراہیم نامی صاحبزادے کی ولادت سے متعلق روایات کو بھی انہوں نے غلط قرار دیا ہے). ان کے بعد مرزا حیرت نے کتاب شہادت لکھنی شروع کی. بعد میں خواجہ عباد اللہ اختر نے بھی اپنی کتاب خلافتِ اسلامیہ (مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور) میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں. اپنے بعض دوسرے مضامین میں خواجہ صاحب نے اویس قرنی اور سلمان فارسی کے متعلق لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کا وجود صوفی اور عجمی حضرات کے نہاں خانہ تخیل کی پیداوار ہے. ورنہ ان دونوں کا حقیقی وجود نہیں تھا. ان مؤرخین و مؤلفین کے علاوہ

اہل قرآن حضرات کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ جنگ جمل وصفین کا کوئی وجود نہیں. ان کے ماہانہ رسالہ بلاغ القرآن کا تحفظ ناموسِ صحابہ نمبر ملاحظہ ہو. (N-110 سمن آباد لاہور.)

شیعہ نقطہ نظر:۔ رہا معاملہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا تو اس کے متعلق ایک نقطہ نظر تو شیعہ حضرات کا ہے، جن کے نزدیک حضرت حسینؓ کا قاتل بظاہر اس وقت کا خلیفہ یزید اور اس کا کوفہ کا گورنر ابن زیاد تھے لیکن تفصیل سے دیکھیے تو ان کے نزدیک اصل قاتل سُنی اور ان کے وہ بزرگ صحابہ ہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی. اور کسی صحابی نے بھی حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ گہرائی سے دیکھیے تو ان کے نزدیک حسینؓ کے قتل کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن بقول ان کے علی کا حق غصب کر کے حضرت ابو بکرؓ نے خلافت پر قبضہ کر لیا تھا. پھر عمرؓ اور عثمانؓ نے یہ قبضہ جاری رکھا. بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ معاویہؓ و یزید خلیفہ ہو گئے اور قتل حسین کا حادثہ پیش آیا۔ شیعوں کے ہاں ایک شعر بہت مشہور ہے، جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

کہ کُشتہ شد حسین اندر سقیفہ

یعنی جب حسین تو دراصل اسی وقت قتل کر دیے گئے جب سقیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کو صحابہ کی اکثریت نے خلیفہ منتخب کر لیا تھا. (نہ ابو بکرؓ خلیفہ منتخب ہوتے نہ معاویہ کو خلیفہ بننے کا موقعہ ملتا نہ ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوتا نہ حسین قتل ہوتے) اس سب کچھ کے باوجود ہوش مند شیعہ مؤرخین کو بھی بادل نخواستہ سہی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شہادت حسینؓ کی روایت ایسی عجیب وغریب اور متضاد ہیں کہ دنیا کے سامنے انہیں ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے. حضرت حسینؓ پر لکھنے والے موجودہ دور کے سب سے بڑے شیعہ مؤرخ شاکر حسین امروہوی اپنی کتاب ''مجاہد اعظم'' میں اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ کربلا کے حوالہ سے بے تحاشا جھوٹ گھڑا گیا وہ لکھتے ہیں:

''صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں. واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی. رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا. ابو مخنف لوط بن یحیٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی (دوسروں سے سن کر) لکھے ہیں لہٰذا مقتل ابومخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابومخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے''

''مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہلبیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوجِ مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینہء مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوب سم اسپاں کیا جانا، سَرَادِقات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ۔ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں، حالانکہ ان میں بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔ (مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین امروہوی ۱۷۸)۔

کربلائی قصوں کے قدیم ترین راوی ابو مخنف لوط ہیں جو حادثہ کربلا کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئے ۱۵۷ھ یا ۱۷۰ھ میں یعنی شہادت حسینؓ کے کم از کم سو سال بعد وفات پائی۔ ان کے متعلق تمام ائمہ حدیث متفق اللفظ ہیں کہ یہ کذاب (بہت جھوٹے) اور شیعی محترق یعنی کٹر شیعہ تھے۔ ان کے بہت عرصہ بعد مشہور مورخ ابن جریر طبری، جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ نے کربلا کے واقعات انہیں ابو مخنف کی روایت سے قال ابو مخنف کہہ کہہ کر درج کئے ہیں پھر لطف یہ کہ ان ابو مخنف کے نام سے بھی مختلف روایتیں موجود ہیں جو بقول شاکر حسین امرہوی صاحب ''ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی (سنے سنائے) واقعات کو قلم بند کر دیا ہے'' (مجاہد اعظم صفحہ نمبر ۱۷۸)

اس الجھی ہوئی اور پیچ در پیچ صورت حال میں حقیقت تک پہنچنا جس قدر مشکل کام ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر:۔ شیعہ نقطہ نظر کے بالکل برعکس ان اہل علم اور دانشور حضرات کا نقطہ نظر ہے جو حضرت حسینؓ کی کربلا میں شہادت کے قائل ہی نہیں ہیں موجودہ دور میں ان کے سب سے نمایاں ترجمان مرزا حیرت دہلوی اور ڈاکٹر شبیر احمد ☆(۱) فلوریڈا امریکہ) میں ہیں۔

☆ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب برگ حشیش ہے۔ جس میں قادیانی حضرات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ روزنامہ نوائے وقت لاہور کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی کی قلم سے ہے۔ اسی کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کی کئی اور کتابوں کا تذکرہ ہے۔ جس سے چند کے نام یہ ہیں۔ ا۔ میں کرچن

کیوں نہیں ہوں۔(اسلام میری نظر میں)۲۔نبی کامل ﷺ ۳۔انتخاب احادیث رسول (جو قرآن کریم کے مطابق ہیں۔)۴۔ ہندورام راج کے خواب۔۵۔اسلام فاروقی جونیئر۔۶۔کرسٹی سے آمنہ تک۔۷۔مسیح ومہدی کب آ رہے ہیں؟(رجال کی حقیقت) ۸۔کربلا کی حقیقت۔ ۹۔اسلام کے مجرم۔۱۰۔اکسیویں صدی کس کی ہے؟ ۱۱۔ہمارے قائد اعظم (سوانح عمری) (ڈاکٹر صاحب کا امریکہ کا پتہ ہم نے اسی کتاب سے نوٹ کیا ہے)۱۲۔خراج عقیدت حضور سرور کائنات ﷺ کارڈیل کے لیکچرار کا ترجمہ) اس کتاب کے آخر میں ڈاکٹر جاوید اقبال (علامہ اقبال کے صاحب زادے) کا یہ ارشاد درج ہے۔

''حالیہ برسوں میں ڈاکٹر شبیر احمد عالم اسلام کے روشن خیال سکالر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ بہت سے صاحبان نظر، انہیں اردو زبان کا بہترین ادیب و مصنف قرار دے رہے ہیں۔ میری رائے میں وہ عصر حاضر میں علامہ اقبال کے بہترین ترجمان ہیں۔ آپ ڈاکٹر شبیر احمد کی کوئی اردو یا انگریزی کتاب پڑھنے کے بعد ان خیالات سے غالباً متفق ہوں گے (ڈاکٹر جاوید اقبال)''

اسی صفحے پر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ہلال امتیاز کے تاثرات ان الفاظ میں درج ہیں۔''ڈاکٹر شبیر احمد اپنی پر لطف اور شگفتہ تحریروں میں تاریخ اور سماجیات کے گہرے مطالعہ کو بہت خوبصورتی سے کام میں لاتے ہیں۔ بلاشبہ وہ اردو ادب کے لاثانی تخلیق کار ہیں۔'' پاکستان میں اس آخری کتاب (خراج عقیدت کا پتہ یہ ہے)طلوع پبلیکیشنز 22 حبیب بنک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب انگریزی اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا پتہ یہ ہے۔

6440 NW 53 ST, LauderHillLauderHill, FL 33319 U.S.A.

فون: 2115 -746 (954)-8798 - 747 (954)

مرزا حیرت کے تفصیلی دلائل تو ان کی کتاب شہادت کی ان جلدوں سے معلوم ہوئے ہیں جو کرزن پریس دہلی میں چھپ رہی تھیں مگر دہشت گردوں نے ان کے کتب خانہ اور پریس کو آگ لگا دی۔ جس کی وجہ سے ان کی کتاب شہادت کی مطبوعہ پانچ مجلدات کا بہت بڑا حصہ جل کر تباہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب بازار میں عام طور سے دستیاب نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ نقصان ہوا کہ باقی مجلدات چھپ ہی نہ سکیں اور ایک تاریخی تحقیق ضائع ہو گئی۔

بہر حال مختصراً اُن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حضرت حسینؓ نے گورنر کوفہ اور اس کے نمائندہ کو جو تین

شرطیں پیش کی تھیں اور جو سنی شیعہ دونوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہیں وہ یہ تھیں.

۱. جہاں سے (یعنی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے) میں آ رہا ہوں. مجھے وہاں واپس جانے دو.

۲. مجھے دمشق یزید کے پاس جانے دیا جائے. تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں.

وہ میرا چچازاد بھائی ہے، وہ جو چاہے میرے متعلق فیصلہ کرے.

۳. مجھے اسلامی سلطنت کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دیا جائے. جہاں کفار سے جہاد ہو رہا ہو. تا کہ میں وہاں کفار سے جہاد کرتا ہوا شہادت پا جاؤں.

مرزا حیرت کی تحقیق کے مطابق اس آخری شرط پر مصالحت ہو گئی تھی اور بقول ان کے نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی. کیونکہ اس طرح حضرت حسینؓ کا وقار بھی محفوظ رہتا اور گورنر کوفہ بھی حضرت حسینؓ کے قتل سے بچ جاتا. اور کوفی شیعوں کی سازشیں بھی ختم ہو جاتیں. لہٰذا یہ مصالحت ہوئی اور اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی سرحد پر قسطنطنیہ تشریف لے گئے. اور یورپی مسیح کفار سے لڑتے ہوئے قسطنطنیہ کے قریب 20 صفر کو شہادت پائی. اس لئے امام ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں حضرت حسینؓ کی شہادت دس محرم والی مشہور عام روایت کے علاوہ ایک دوسری روایت 20 صفر کو یوم شہادت کی بتائی ہے.

لاہور کے مشہور اہل قلم مولانا پیر غلام دستگیر نامی اپنی کتاب ''امیر معاویہؓ'' میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے مرزا حیرت دہلوی نے کہا کہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے دوران میں نے قسطنطنیہ کے قریب حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ جو ''مقام حسینؓ'' کے نام مشہور ہے خود دیکھی ہے۔

تیسرا نقطہ نظر:۔ ان دو نقطہ نظر ہائے نظر کے علاوہ تیسرا نقطہ نظر عظیم سنی اکثریت کا ہے. جو حضرت عبداللہ بن عمر (بخاری شریف) سے لے کر امام غزالی تک ان کے تمام اکابر کا رہا ہے. اور سنی شیعہ دونوں کی روایات بھی اس نقطہ نظر کی تائید میں ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک درحقیقت حضرت حسینؓ اور ان کے گھرانے کے قاتل کوفی شیعہ ہیں. جس طرح کوفی شیعوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے دھوکہ دے کر اور حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت طلحہ و حضرت زبیر کو شہید کیا اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی توہین کی، اسی طرح کوفی شیعوں نے حضرت حسینؓ کو پہلے تو خطوط لکھ لکھ کر اور اپنے نمائندے بھیج کر کوفہ آنے کے لئے تیار کیا. اور جب وہ ان پر اعتماد کر کے تیار ہو گئے تو ان کے ساتھ غداری کر کے

کوفہ کے گورنر ابن زیاد سے مل گئے پہلے حضرت حسینؓ کے نمائندے مسلم بن عقیل کو شہید کیا، پھر ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر آ گئے. حضرت حسینؓ نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اگر تمہیں میرا ساتھ نہیں دینا تھا تو تم نے مجھے خطوط لکھ لکھ کر کیوں بلایا؟ مگر ان بدبختوں نے حضرت حسینؓ کو بھی جھٹلا دیا اور کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا. صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ حضرت حسینؓ اور حکومت کے درمیان مصالحت کی جو بات چل رہی تھی اسے ناکام کرنے کے لئے کوفی شیعوں کے ایک اہم فرد شمر نے حضرت حسین پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا. سب کو معلوم ہے کہ یہ شمر شیعان علی میں سے تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھا. رشتہ میں حضرت علیؓ کا سالہ اور حضرت حسین کے برادران جعفر و عباس وغیرہ کا ماموں تھا. (جلاء العیون) اہل سنت کے اس نقطہ نظر کو موجودہ زمانے میں خود شیعہ کتابوں سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنے رسالہ النجم میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا، جسے مولانا کے ایک معتقد مولانا عبدالشکور مرزاپوری نے النجم کے فائلوں سے مرتب کر کے "شیعہ کتابوں کی رو سے "قاتلان حسینؓ" نامی ضخیم کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ خود امام اہل سنت حضرت مولانا لکھنوی نے بھی "قاتلان حسینؓ کی خانہ تلاشی" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ مولانا لکھنویؒ کی یہ کتاب اور مرزاپوری صاحب کی مرتب کردہ پہلی کتاب (جسے اب بعض لوگوں نے "شہادت حسینؓ" کے عنوان سے بھی شائع کر دیا ہے۔ کا غور سے مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر یہ حقیقت مکمل واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی کوفی شیعہ حضرت حسینؓ کے اسی طرح قاتل ہیں جس طرح ان کوفیوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے حضرت طلحہ و حضرت زبیر کا قتل سبائیوں اور مالک اشتر وغیرہ نے حضرت علی کے لشکر میں شامل ہو کر اور مصالحت ہو جانے کے باوجود دھوکہ سے جنگ چھیڑ کر کیا تھا. اور حضرت حسینؓ کا قتل ان کے شیعوں نے ان کے ساتھ غداری کر کے اور ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کیا. جمل اور کربلا دونوں جگہ ان بزرگوں کو شہید کرنے سے سبائیوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل کر تباہ و برباد کر دیا جائے. انہیں معلوم تھا کہ ان کی ان حرکتوں سے حکومت وقت بھی بدنام ہوگی اور مختلف قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر وہ اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی اپنی آرزو بھی پوری کر سکیں گے. افسوس یہ گروہ اپنی اس خوفناک آرزو کو پورا کرنے میں کامیاب رہا. جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ

حضرت زبیر اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت کو کامیاب نہیں ہونے دیا. اور کربلا میں حضرت حسین اور حکومتِ وقت کے درمیان مصالحت نہیں ہونے دی. کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ کوفی شیعوں نے کس طرح غداری کی اور انہیں خطوط لکھ لکھ کر بلانے کے باوجود، حکومت کی فوج میں شامل ہو کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر کس طرح آئے اس کی تفصیل شیعوں کی کتابوں کے حوالہ سے ان دونوں کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں. اور کربلا سے پہلے سبائیوں نے اور کوفیوں کے بزرگ مالک اشتر وغیرہ نے جنگ جمل کے موقع پر حکومت (حضرت علیؓ) کی فوج میں شامل ہو کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہو جانے کے باوجود کس طرح جنگ کی آگ بھڑکائی اور طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو شہید کیا اس کی مختصر تفصیل سب سے قدیم اور مشہور مورخ و مفسر امام ابن جریر طبری کی زبانی سنئے وہ اپنی کتاب تاریخ طبری میں لکھتے ہیں۔

کہ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہوگئی تو سبائیوں (شیعوں) کے علاوہ ہر شخص شاداں و فرحاں تھا. اس موقعہ پر سبائی (شیعہ) سرغنہ مشورے کے لئے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے. ان میں ابن السوداء یعنی ابن سبا اور مالک اشتر خاص طور پر قابل ذکر ہیں. انہوں نے آپس میں بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ قصاص لینے پر دونوں فریقوں میں مصالحت ہو رہی ہے. حضرت علیؓ اس بات پر طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ متفق ہو گئے ہیں. اب تک دونوں فریق جدا جدا تھے لیکن دونوں فریقوں کے اتحاد کے بعد ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی. مالکِ اشتر بولا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنھم کا ارادہ تو معلوم ہے مگر علیؓ کے دل کا حال نہیں کھلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں. خدا کی قسم ان سب فریقین کی رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے اور ان کی صلح یقیناً ہمارے خون پر ہوگی. (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان نزول امیر المومنین ذی قار)

دیر تک مشورے ہوتے رہے اور لوگوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی ان میں مالک اشتر کی رائے قابل ذکر ہے جس نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہیئے تاکہ ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے اور مسلمانوں میں نئے سرے سے افراتفری پیدا ہو جائے. یہ مالک اشتر شیعان علیؓ کا بہت بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے. مگر اس کی اس تجویز سے معلوم ہوتا ہے ان شیعان علیؓ کو در حقیقت حضرت علیؓ سے کوئی عقیدت یا ہمدردی نہیں تھی اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کر کے خونریزی کرانے کے

لئے یہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آخر میں ابن سوداء یعنی ابن سبا کی رائے پر اتفاق ہو گیا۔ اس کی تقریر درج ذیل ہے:

فقام ابن السوداء فقال یا قوم ان عزکم فی خلطة الناس فصا العوهم و اذا التقی الناس عذا فانشبو القتال ولا تفرغوهم للنظر فاذا. من انتم معه لا یجده بد امن ان یمتنع ویشغل الله علیا و الطلحة و الزبیر و من رای رابهم عما هو تکرهونه وابصروالرائی وتفرقوا علیه الناس لایشعرون.

ابن سوداء (ابن سبا) نے کہا کہ میری جماعت والو! تمہاری کامیابی لوگوں میں گھلے ملے رہنے میں ہے اس لئے ان سے نبھاتے رہو، اور کل جب دونوں لشکر کے لوگ آپس میں ملیں تو جنگ شروع کردو اور انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے ساتھ تم گھلے ملے ہوئے ہو (یعنی حضرت علیؓ کا لشکر) وہ بھی جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے اور اللہ تعالی طلحہؓ اور زبیرؓ کی توجہ اس بات کی طرف سے ہٹا دے گا جسے تم ناپسند کرتے ہو، یعنی ان کے درمیان مصالحت کامیاب نہ ہو، سب نے اس مشورے کو پسند کیا اور یہ سازش کر کے سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ اور دوسرے ان کے اس منصوبے سے بالکل بے خبر رہے۔ (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ عنوان بالا)

جب دونوں فریقین میں صلح ہوگئی دونوں لشکر مطمئن ہوگئے اور جنگ کا خیال ہی دلوں سے جاتا رہا تب بھی ابن سبا اور اسکے کے متعین مالک اشتر وغیرہ قاتلین عثمانؓ اس فکر میں رہے کہ کس طرح ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کرادی جائے۔

وجعلوا یتشاورون لیلتهم کلها حتی اجتمعوا علی انشاب الحرب فی السر وبذلک خشیة ان یفطن بما حاولو، من ابشر فغد و امع انغلس وما یشعربه جیرانهم انسلوا الی ذلک الا مرانسلا لا وعلیهم ظلمة.

یہ سبائی سرغنے رات بھر مشورے کرتے رہے تھے یہاں تک کہ جنگ چھڑوا دینے کے مقصد پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اس منصوبہ کے بارے میں انہوں نے بہت راز داری سے کام لیا تھا کہ کہیں کوئی ان کے شر سے واقف نہ ہو جائے چنانچہ یہ لوگ رات میں حملہ کے لئے اس طرح اٹھے کہ ان کے قرب و جوار کے لوگوں کو بھی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ اور منہ اندھیرے اپنے اس منصوبے پر عمل کرتے

ہوئے انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ زبیرؓ کے لشکر پر حملہ کر کے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔(طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان امر القتال)

دونوں فریق جو سو رہے تھے اس حملے کے ہنگامے سے جاگے، ہر ایک نے یہی سمجھا کہ فریق ثانی نے غداری کر کے حملہ کر دیا ہے اس لئے دشمن کے پلان کے عین مطابق ہر فریق اپنے دفاع کے لئے جنگ میں شریک ہوگیا، اس طرح حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کو شہید کر کے اور دونوں فریقوں میں دشمنی اور انتقام کی آگ بھڑکا کر مالک اشتر اور اس کے ساتھی شیعوں نے اپنی آرزو پوری کر لی.کوفی شیعوں نے یہی طرز عمل حضرت حسینؓ کو شہید کرتے ہوئے اختیار کیا.اور آج بھی ان کا رویہ یہی ہے.وہ بظاہر اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن در پردہ سنی مسلمانوں کو باہم لڑوا کر اپنی چودھراہٹ قائم رکھتے ہیں۔

نتیجہ: ہم نے تینوں نقطہ ہائے نظر کے قائلین کے دلائل آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں. ذاتی طور پر ہم جمہور اہل سنت کے نقطۂ نظر کو صحیح سمجھتے ہیں.لیکن جمل وصفین وکربلا میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے جو منکر ہیں ہم ان کی تحقیقات کو بھی دہشت گردی کے ذریعے جلانے یا انہیں قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں.ان کا نقطۂ نظر قرآن کریم کی مخالفت کرنے والے ان فرقہ پرستوں اور روایت پرستوں کے نقطۂ نظر سے (جن کی دو مثالیں) ہم پہلے پیش کر چکے ہیں.بہر حال بہتر ہے.تاریخی تحقیقات پر (اگر وہ قرآن کریم کے خلاف نہیں ہیں) کھلے مباحثہ اور مکالمہ کی ضرورت ہے۔فکر و نظر میں اسی سے توانائی اور استحکام آتا ہے اور علم اسی طرح ترقی کرتا ہے.

قانون کی حدود میں رہ کر اگر شیعوں کو کام کرنے اور اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا حق ہے تو اہل قرآن یا معتزلہ یا خارجیوں کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو؟ اصولوں کے تحت حریت فکر کا حق اگر ایک شہری کو حاصل ہو تو دوسرے شہری سے اس کا یہ حق کس طرح چھینا جا سکتا ہے؟ دلیل کا جواب دلیل سے ہونا چاہیے نہ کہ قاتلانہ حملہ کر کے یا کتابوں کو جلا کر یا توڑ پھوڑ کر کے یا کتاب کو بین کرا کے اور اپنی ہنگامہ پسندی اور فرقہ پرستی اور دہشت گردی کا مظاہرہ کر کے؟

افسوس موجودہ دور کے ایرانی ہیرو وخمینی صاحب اپنے اس اعلان سے کہ سلمان رشدی جہاں ملے واجب القتل ہے.(حالانکہ وہ ان کے ملک کا شہری بھی نہیں تھا) خود تو ہیرو بن گئے مگر ان

کے اس قسم کے جذباتی طرز عمل نے برداشت کے ماحول کو مزید نقصان پہنچانے اور ساری دنیا میں اسلام کو دہشت گرد مذہب کے طور بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا. خمینی کے انتقال کے بعد ایرانی حکومت کے سربراہ نے اگرچہ قتل کا یہ اعلان تو واپس لے لیا اور اس طرح خمینی کی غلطی مان لی مگر نا عاقبت اندیشانہ رویہ سے ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی جو بدنامی ہوئی اس کا مداوا کیسے ہوگا؟
افسوس اس جذباتی اور برداشت نہ کرنے والے مزاج کی وجہ سے خمینی انقلاب کے بعد ایران کے تمام پڑوسی ممالک میں (پاکستان سمیت) قتل و دہشت گردی ایک خوفناک لہر اٹھی ہوئی ہے. جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ورنہ اس سے پہلے کم از کم پاکستان میں سنی شیعہ سمیت خارجی اہل قرآن وغیرہ تمام فرقے بڑے امن وسکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب بھی جب تک ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے کا مزاج پیدا کرنے کی کوششیں نہیں کی جائیں گی۔ سکون کی فضا واپس نہیں آسکے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہے

یہ ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اور شیعی اور سنی اختلافات کی جڑ ہے اور جتنی باتیں بنائی جاتی ہیں وہ سب فروعات میں داخل ہیں اگر اس مسئلہ کا تصفیہ عالمانہ طور پر باقاعدہ ہوگیا تو پھر محض تخیل اور قیاسات اور حواشی رہ جائیں گے جن کا تصفیہ بہت آسان ہے۔

شیعی مذہب کا دارومدار بالکلیہ اسی تخیل پر ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید سے حضرت علی کی امامت ثابت ہوتی ہے اور اپنے ثبوت میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پیش کرتے ہیں اور اپنے قیاسی استدلال کی بنا انہیں آیتوں پر سمجھتے ہیں لہٰذا ہم اس عظیم الشان مسئلہ پر محققانہ مؤرخانہ اور عالمانہ نظر ڈالیں گے ایسی بالتفصیل بحث کرینگے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہوجائے اور پھر ایسا فیصلہ کریں گے جس میں دم زدن کا یارا نہوگا اور کسی ہندی یا ایرانی بڑے سے بڑے مجتہد کی مجال نہ ہوگی کہ ہمارے فیصلہ پر آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکے۔ اب ملاحظہ ہو شیعی علما سب سے پہلی یہ آیت قرآن مجید کی پیش کرتے ہیں۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ (المائدہ:۵۵) یعنی (اے مسلمانو! تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اُس کا رسول اور وہ مسلمان جو خشوع کیساتھ) نماز پڑھا کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں۔ شیعی علما کا بیان ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے بقول شیعی علماء کے ثعلبی نے ابوذر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دونوں کانوں سے سُنا ہے اگر نہ سنا ہو تو یہ دونوں بہرے ہوجائیں اور اپنی ان دونوں آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے اگر نہ دیکھا ہو تو یہ دونوں اندھے ہوجائیں آپ فرماتے تھے کہ علی سب نیکوں سے آگے چلنے والے اور سب کفار کو قتل کرنے والے ہیں پس جس نے علی کی مدد کی وہ منصور ہے اور جس نے انکا ساتھ چھوڑا وہ ذلیل ہے (پھر کہتے ہیں) ایک روز میں نے رسول ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی تھی اسی اثنا میں ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا تو اُسے کسی نے کچھ نہ دیا اُس نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر یہ التجا کی اللہ تعالیٰ تو گواہ رہے کہ میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا لیکن مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ علی اُس وقت رکوع میں تھے آپ نے اپنی اُس چھنگلیا کی

طرف جسمیں آپ انگوٹھی پہنے ہوئے تھے اُس فقیر کو اشارہ کیا فقیر نے آ کر وہ انگوٹھی آپ کی چھنگلیا میں سے اُتار لی یہ واقعہ خود نبی ﷺ کے سامنے کا ہے. جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور یہ فرمایا: اے اللہ موسیٰ نے تجھ سے یہ سوال کیا تھا۔ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ o وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ o وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ o وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ o هٰرُوْنَ اَخِی o اشْدُدْبِهٖۤ اَزْرِیْ o وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ (سورۃ طٰہٰ:۲۵ تا ۳۲) یعنی اے میرے پروردگار میرے سینہ کو میرے لیے کشادہ کر دے. میرا کام میرے لیے آسان کر دے. میری زبان سے لکنت رفع کر دے. تاکہ وہ لوگ میری بات کو سمجھ لیں اور میرے لئے میرے لوگوں میں سے وزیر بنا دے (یعنی) میرے بھائی ہارون کو اسکے ذریعہ سے میری قوت کو مضبوط کر دے اور اُسے میرے کام میں شریک کر دے. موسیٰ کی اس دعا کے جواب میں تو نے اُن پر یہ آیت نازل فرمائی. سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا بِاٰیٰتِنَا. (سورۃ القصص:۳۵) پس اے میرے معبود میں تیرا نبی محمد اور تیرا برگزیدہ بندہ ہوں میں بھی. یہ التجا کرتا ہوں کہ میرے سینہ کو میرے لیے کشادہ کر دے. میرے کام میرے لیے آسان کر دے اور میری لئے میرے گھر کے لوگوں میں سے علی کو میرا وزیر بنا دے اور اسکے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے (بقول شیعی علما) ابوذر کہتے ہیں ابھی حضرت نے اپنی یہ دعا ختم نہ کی تھی کہ حضرت پر اللہ کی طرف سے جبریل نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد پڑھو حضور نے ارشاد کیا کیا پڑھوں جبریل نے کہا یہ پڑھو اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (المائدہ:۵۵) پھر شیعی علما کہتے ہیں کہ فقیہ ابن المغازی واسطی شافعی نے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی چونکہ ولی تصرف کرنے والے کو کہتے ہیں لہذا اس آیت حضرت علی کے ولی یعنی متصرف ہونے کو ثابت کیا گیا ہے جیسا اللہ نے اُنہیں اپنے اور اپنے رسول کے لیے ثابت کیا ہے فقط شیعی علماء کا بیان ختم ہو گیا۔

جواب: اس کا جواب کسی طرح سے ہے ایک تو یہ کہ جو کچھ شیعی علما بیان کرتے ہیں اسمیں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو قطعی الدلالتہ ایک طرف ظن بھی پیدا کر سکے بلکہ شیعی علما کا سارا بیان بالکل غلط محض لغو اور دھوکے کی ٹٹی ہے اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی فرض کر لیں کہ اس بیان سے گمان پیدا ہو سکتا ہے تو پھر شیعی علمانے جو اس کا نام برہان رکھا ہے بالکل برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہوتا ہے.

کیونکہ قرآن مجید میں برہان کا لفظ اُس پر بولا جاتا ہے جس سے علم الیقین کا فائدہ حاصل نہ کہ اُس سے گمان ہونے کا فائدہ پیدا کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ:۱۱۱) اور فرمایا ہے۔ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (سورۃ النمل:۶۴)

ان آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صادق پر برہان ہونی ضروری ہے۔ شیعی علماء نے جس قدر حجتیں ذکر کی ہیں اُن کی بنا کذب محض پر ہے کوئی رجحت وہ ایسی بیان نکر سکے جس کے تمام مقدمے سچے ہوں۔ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ سچے مقدمے جھوٹی بات پر کبھی قائم نہیں ہو سکتے۔ ایسی چیزوں کو شیعی علما کا برہان کہنا سخت باطل ہے۔ یہ بات زیادہ غور طلب ہے کہ قرآن مجید کی صدہا تفسیریں علماء نے کی ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی مفسر کے قول پر بلا سند بھروسہ کر لیا جائے خواہ اُس کا تعلق کسی فریق سے کیوں نہ ہو۔ عموماً جہلا کو بہکانے کے لیے بعض ہوشیار آدمی کسی مفسر کا نام لے دیتے ہیں کہ فلاں تفسیر میں یہ لکھا ہوا ہے کبھی یہ محض بہتان ہی ہوتا ہے اور حقیقت میں اُس مفسر کا قول نہیں ہوتا اور اگر فی الواقع اُسی مفسر کا قول ہو تو وہ جب تک معتبر روایتوں سے ثابت نہ ہو محض مفسر کے قیاس یا رائے پر کبھی تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی کے قول کی صداقت کا پتہ نہ لگے اور بہت سے مفسرین کے ایسے اقوال مل جائیں جنھوں نے اسکے خلاف بُرہانوں سے اپنا دعوے ثابت کیا ہوا اور پھر دوسرا فریق اسی طرح سے اپنے دعوے کے ثبوت میں بُرہان نہیں پیش کر دے ایسی حالت میں طرفین کی برہانوں میں تعارض ہو کے تناقض پیدا ہو جائیگا حالانکہ یہ مسلم بات ہے کہ برہانیں آپس میں متناقض نہیں ہوا کرتیں یا مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ جھوٹی برہانیں کبھی تناقض سے خالی نہیں ہوتیں۔ مگر سچی بُرہانیں اس عیب سے پاک ہوتی ہیں ہم جن بُرہانیں کبھی تناقض سے خالی نہیں ہوتیں۔ مگر سچی بُرہانیں اس عیب سے پاک ہوتی ہیں۔ ہم جن بُرہانوں سے کام لینگے اُن میں کبھی تناقض نہیں ہونے کا انشاء اللہ اُن سے ثابت ہو جائیگا کہ شیعی علماء کی برہانیں کیسی جھوٹی اور غلط ہیں اور انکا صریحی غلط ہونا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جائے گا۔ یاد رکھو جو برہانیں حضور انور، قرآن مجید اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلالت کرتی

ہیں وہ شیعی علماء کی برہانوں کے بالکل متناقض ہیں کیونکہ اُن کی برہانوں کے لوازم پر جب ایک بالغ نظر غور کرے گا تو اُسے ایمان قرآن اور رسول تینوں میں قادح اور خلاف پائیگا. شیعی علماء متقدمین میں جنہوں نے نہایت عجیب وغریب طریقہ سے اِس مذہب کو ایجاد کیا ہے اِس بات پر مجبور ہوئے کہ ایسی حدیثیں ایجاد کرلیں کہ جواُن کے مدعا کی موید ہوں چاہے دین اسلام پر اُن سے اعتراض اور طعن ہی وارد ہوتا ہو جب اُنہوں نے ایسی حدیثوں کو ایجاد کیا اور وہ ساختہ پرداختہ حدیثیں عامہ خلایق کے آگے پیش ہوئیں تو اس میں سے جو جاہل مطلق اور خواہش نفسانی کے تابع تھے اُنہوں نے آنکھیں بند کر کے اُن گھڑی ہوئی حدیثوں کو تسلیم کرلیا مگر اُن کی حقیقت پر ذرا غور نہ کیا. بعض ایسے تھے جو کچھ سمجھ رکھتے تھے اُنہوں نے کچھ غور کیا تو اُنہیں یہ عقیدہ کھل گیا کہ یاروں کی گپ شپ ہے اصلیت سے اسے کچھ تعلق نہیں اب ان جھوٹی حدیثوں کی اشاعت سے اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے حملہ کرنے والے وہ لوگ تھے جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے یا تو اس وجہ سے اُنہوں نے حملہ کیا کہ پہلے ہی سے اُن کا عقیدہ ٹھیک نہ تھا. یا ممکن ہے کہ اُنہوں نے ان حدیثوں میں سے بعض کو صحیح سمجھ لیا ہو. غرض زندقہ کا دروازہ ان جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ سے کھول دیا گیا اور لوگ اُس میں داخل ہونے لگے. یہ وہ زندیق ہیں جو خود شیعوں میں سے پیدا ہوگئے. مثلاً اسماعیلیہ اور نصیریہ انہیں شیعی مذہب کی شاخیں سمجھنا چاہیے. یہ زہریلے گروہ جن کا الحاد اور زندقہ حد سے تجاوز کر چکا تھا۔ محض ان جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے پیدا ہوئے. ان ازلی بدنصیبوں کی گمراہی کی اصل وجہ یہی ہوئی کہ اُنہوں نے شیعی علماء متقدین کی ان جھوٹی باتوں کی تصدیق کرلی جو اُنہوں نے قرآن اور حدیث کی تفسیر میں ذکر کی ہیں۔ ایک زندہ دل اور باندا ق شخص یہ صورت معائنہ کر کے فوراً کہہ اُٹھے گا کہ رفض کفر اور الحاد کا سب سے بڑا دروازہ اور اُس کی سب سے بڑی دہلیز ہے قرآن مجید کی جو آیت اور پر لکھی گئی ہے اور جس سے شیعی علما حضرت علی کی امامت ثابت کرتے ہیں خاص اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے اس میں نہ کوئی لفظ ایسا ہے نہ کوئی کنایہ اشارہ ایسا ہے جس سے وہم بھی اس بات کا ہو سکے کہ یہ آیت حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی ہے ہاں جس روایت سے کہ اسے سہارا دیا گیا ہے اس پر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ وہ سچائی کا مادہ اپنے میں کہاں تک رکھتی ہے. سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اس روایت کی صحت چاہتے ہیں بڑی کوششوں کے بعد بھی اسکی صحت نہ تلاش کر سکے. اس روایتکو محض ثعلبی

کی تفسیر کی طرف منسوب کردینا یا اس پر ایسے لوگوں کا اجماع نقل کرنا جو منقولات سے واقف نہ حجت نہیں ہوسکتا۔اس پر کل علماء کا اتفاق ہے مسلمان علما ایسی حدیثوں سے نہ کوئی حکم ثابت کرتے ہیں نہ کسی کی فضیلت نہ اور کوئی بات غالباً شیعی علماء بھی اس سے انکار نہیں کرنے کے تو اب یہ اتفاق دونوں فریق کے محض ایسی حدیث جس پر اُن لوگوں کا اجماع نہ ہو جو اس فن میں معرفت رکھتے ہیں حجت نہیں ہوسکتی۔ پھر اُس سے حجت لانا آپ سے آپ باطل ہوجائے گا۔ جو روایتیں شیعی علمانے نقل کی ہیں اور اُنہیں ابونعیم، ثعلبی، نقاش یا ابن المغازی وغیرہ کی طرف منسوب کردیا ہے وہ حجت میں پیش نہیں ہوسکتیں کیونکہ اُنہیں حجت میں پیش کرنا باطل محض ہے۔اب اجماع کی حقیقت سنیئے جیسا کہ شیعی علماء نے دعوی کیا ہے کہ مسبوق الذکر آیۃ پر کل علماء کا اجماع ہے کی یہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔یہ دعوے کل جھوٹے دعوؤں کا سرتاج ہے کیونکہ اس کے خلاف تمام علمائے کے بانقل کا اس پر اجماع ہے کہ خاص حضرت علی کے حق میں یہ ہرگز نازل نہیں ہوئی یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتی کہ نماز میں حضرت علی نے اپنی انگوٹھی فقیر کو دی۔کل محدثین کا اس انگوٹھی کی کہانی کے غلط ہونے پر اجماع ہے انگھوٹی کا قصہ درحقیت چانڈوخانہ کی گپ اور قہوہ خانہ کی داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔اب رہے میاں ثعلبی جن کی تفسیر میں یہ روایت ہے اور جنہیں شیعی علماء نے پیش کیا ہے اُنکی نسبت سنیئے تمام محدث متفق اللفظ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ثعلبی اس بات کا عادی ہے کہ بہت سی موضوع حدیثیں نقل کردے اور اس عادات کا غلواُسے یہاں تک ہوگیا ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں اُسی سورۃ کی فضیلت میں ابوامامہ سے ایک حدیث نقل کردیتا ہے علما نے اِس بات ثعلبی کا نام حاطب اللیل رکھا ہے۔حاطب اللیل اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھیری رات میں لکڑیاں چنے اور لکڑیوں کے ساتھ جو چیز ناپ شناپ اُسکے ہاتھ کے نیچے آئے وہ اُسے لکڑیاں سمجھ کے اپنی چادر میں باندھ لے تاریکی میں اسے خبر نہیں ہوتی کہ میں لکڑیاں چُن رہا ہوں یا کوئی اور چیز بھی حال اُسکے شاگرد واحدی کا ہے وہ حضرت بھی بالکل اپنے استاد کے قدم بقدم چلے ہیں۔ان کے علاوہ قرآن مجید کے اور مفسروں کی تفسیروں میں صحیح اور ضعیف دونوں طرح کی حدیثیں ملتی ہیں۔امام بغوری حدیث میں پوری معرفت رکھتے تھے اسی لیے اُنہوں نے اپنی تفسیر میں اُن موضوع حدیثوں میں سے جو ثعلبی نے روایت کی ہیں کوئی حدیث نقل نہیں کی اور نہ بدعتیوں کی تفسیریوں کو مس کیا یہی وجہ ہے کہ بغوی تفسیر سے چھوٹی اور

مختصر ہے ثعلبی ذاتی طور پر دیندار اور نیک شخص تھا لیکن اُسے حدیثوں میں صحیح اور سقیم ہونے کی بالکل پہچان نہیں تھی۔ اُسکے ایسے صدہا اقوال موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسے سنت اور بدعت کی بھی تمیز نہیں تھی۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے مفسرین جیسے محمد بن جریر طبری بن مخلّہ ابن ابی حاتم، ابن المنذر رعبدالرحمٰن بن ابراہیم دحیم موضوع حدیثوں کو کبھی ذکر نہیں کرتے چہ جائے کہ اُن سے بھی بڑی عالم مثلاً امام احمد حنبل، اسحاق بن راہو یہ کبھی ایسی موضوعات کے پاس کیوں کر جاتے تشیع کی طرف صاف پایا جاتا ہے عبدالرازق نے جتنی حدیثیں حضرت علیؓ کے فضائل میں روایت کی ہیں۔ وہ ضعیف تو ضرور ہیں لیکن صریح جھوٹ اور موضوع نہیں ہیں۔ علمائے محدثین اس پر متفق ہیں کہ اُس حدیث سے استدلال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے جسے ثعلبی۔ نقاش واحدی جیسے لوگوں میں سے کوئی آدمی روایت کرتا ہو۔ ان کے ساتھ اور بھی مفسرین ہیں کیونکہ ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ یہ اپنے قیاس کو قوی بنانے کیلئے نہ ضعیف حدیث کو چھوڑتے ہیں نہ موضوع کو جب ہمیں یہ بات تحقیق ہو جائے کہ محض جھوٹ ہے تو ہم پھر کس طرح کسی کا نام سُن کر اُس پر تکیہ کر لیں کتنی دلیری اور بے باکی ہے کہ شیعی علماء یہ کہہ رہی ہے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ ''چہ دلا ور است دزدے کہ بکف چراغ دارد'' کاش یہ اجماع شیعی علماء نہ نقل کرتے اور وہی لوگ نقل کرتے کہ جو ایسے امور میں اجماع کرنے کو جانتے ہیں کیونکہ ان اُمور میں اجماع نقل کرنا سوائے اہل علم المنقولات کے اور کسی کا مقبول نہیں ہوگا اسکو اچھی طرح سمجھ لو کہ خواہ متکلمین میں سے ہو یا مفسرین اور مورخین میں سے ہو غرض کوئی بھی ہو بلا سند محض نقل کا دعوے کرنے سے اس پر کسی طرح بھی اعتماد نہیں ہو سکتا۔ پھر اجماع کا دعوے تو اس سے بہت دُور ہے اس پر بھلا کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔ دو وجہیں تو آپ نے اور پڑھ سُن لیں اب تیسری وجہ سنئے وہ مفسرین جن کی کتابوں سے شیعی علماء نے اپنے تخیل کی سند پیش کی ہے اُن ہی علماء نے اس آیت کی تفسری میں یہ نقل کرتا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے پھر عبدالملک سے منقول ہے وہ کہتے ہیں میں نے اس آیت کی بابت ابوجعفر سے پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں میں نے کہا لوگ تو فقط حضرت علی کو کہتے ہیں فرمایا علی بھی تو مسلمانوں ہی میں ہیں۔ ایسا ہی ضحاک سے منقول ہے۔ پھر ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے باپ سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ اس آیت کے بارے میں ابن عباس یہ

فرماتے تھے جو شخص ایمان لے آیا بس اللہ اور اللہ کا رسول اور سب مسلمان اسکے ولی ہو گئے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم سے ابوسعید اشج نے بیان کیا اُنہوں نے محاربی سے اُنہوں نے عبدالملک بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے اس آیت کی بابت ابوجعفر محمد بن علی سے پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں میں نے کہا کیا یہ علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی فرمایا علی کی کوئی خصوصیت نہیں علی بھی مسلمانوں میں سے ہیں پھر سدی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم شیعی علماء مطالبہ کرتے ہیں کہ اس اجماع کو جس کا وہ دعوی کر رہے ہیں صحیح سند کے ساتھ ثابت کر دیں جو استاد ثعلبی کی اُنہوں نے پیش کی ہیں وہ ضعیف ہیں اس میں بہت سے راوی متہم ہیں۔ باقی ابن المغازی واسطی کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ یہ ضعیف روایتوں کے بیان کرنے والوں کا سرتاج ہے۔ نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کی بھر مال کر دیتا ہے اِس کی کتاب اس بات کی شاہد ہے۔ حدیث کے فن میں جسے کچھ بھی واقفیت ہوگی وہ اس بات کو سمجھ لیگا کہ ابن المغازی واسطی جھوٹ بولنے میں کم لوگوں کو اپنا مساوی رکھتا ہے۔ محض ناممکن ہے اور بالکل ناممکن ہے کہ شیعی علماء اس اجماع کی کوئی سند پیش کر سکیں لہذا اُن کے اجما کا دعوی بھی بالکل غلط ثابت ہوا اور منہ کے بل زمین پر آ پڑا۔ پانچویں وجہ سوال یہ ہے کہ آیت سے یہ مراد ہے کہ زکوۃ رکوع کی حالت میں دی جائے جیسا کہ شیعی علماء کا قول ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی انگوٹھی نماز میں فقیر کو دیدی تھی اگر ہم اسے تسلیم کر لیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ایسی خیرات مولاۃ میں شرط ہوا اور یہ کہ سوائے اکیلے حضرت علی کے اور کوئی مسلمان ولی نہ ہو۔ پس اس صورت میں حسن علیہ السلام حسین علیہ السلام اور تمام بنی ہاشم میں کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ بات کل مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ چھٹی وجہ آیت میں اللہ کا قول الذین جمع کا صیغہ ہے یہ اکیلے حضرت علیؓ پر ہرگز صادق نہیں آ سکتا۔ ساتویں وجہ۔ اچھی طرح جان لیجے کہ انسان کی تعریف اللہ انہیں افعال پر کی ہے جو اُسکی نظر میں محمود اور پسندیدہ ہیں اور وہ افعال یا واجب ہیں یا مستحب اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صدقہ دینا، آزاد کرنا، ہدیہ دینا، ہبہ کرنا، اجارہ کرنا، نکاح کرنا وغیرہ اس قسم کی باتیں نماز میں نہ مستحب ہیں نہ واجب بلکہ مسلمانوں میں سے اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں ایسے افعال کرنے نماز کو باطل کر دیتے ہیں اگرچہ ان کے کرنے والے نے کوئی لفظ منہ سے نہ نکالا ہو بلکہ ایسے اشارہ سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے جو کسی سے کسی کام کے لیے کیا جائے۔ سنیئے علماء کا ایک

گروہ اس بات کا قائل ہے کہ چونکہ یہ افعال خلاف شریعت ہیں (یعنی نماز میں ایسی جگہ حرکات کرنا) اس لیے ایسی حالت میں جو چیز کسی کو دیجائے وہ کسی کی ملک کبھی قرار نہیں پاسکتی. ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طرح خیرات کرنا مستحب ہوتا تو حضور انور رسول اللہ ﷺ ضرور ایسا کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت فرماتے حالانکہ کسی صحابی نے ایسا نہیں کیا صرف انگوٹھی کی ایک کہانی جو حضرت علی کے ساتھ نسبت دی گئی ہے صدہا برس سے گشت لگا رہی ہے اس کے سوا اور کوئی کہانی اس قسم کی خیرات کے متعلق حضرت علی کی نسبت شیعی کتب میں ڈھونڈ ہنے سے بھی نہیں ملتی. اب غور کرو جب یہ فعل نہ واجب میں داخل ہے نہ اس کا شمار مستحب میں ہے تو نماز میں ایسا صدقہ کرنا اعمال صالحہ میں سے نہیں ہوا. اس کے علاوہ وہ دی ہوئی چیز فقیر کی ملک بھی نہیں بن سکتی اس کے بعد بھی اگر وہ فقیر اس چیم میں جو اُسکی ملک نہیں تصرف کرے تو وہ بدنصیب اس تصرف بیجا سے نہ دین کا رہا نہ دنیا کا رہا تو پھر ایسی خیرات کو سلام ہے کہ کمبخت خیرات لینے والا برباد ہوجائے آٹھویں وجہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ فعل نماز میں جائز ہے تو پھر رکوع کی خصوصیت کیونکر ہوسکتی ہے کیونکہ رکوع سے قیام اور قعود میں ایسا کرنا اولی اور افضل ہوگا. تعجب ہے کہ ایک ناسمجھ بچہ بھی یہ سیم نہیں کرنے کا کردلی وہی لوگ ہیں جو رکوع میں صدقہ دیتے ہوں حالانکہ شیعی علماء اسی جان پر جان دئے دیتے ہیں. اگر کسی شخص نے رکوع میں صدقہ نہ دیا اور قیام یا قعود کی حالت میں میں صدقہ دے دیا تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس موالاۃ کا مستحق نہ ہوگا؟ اب اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ اس فعل سے خدا کا تو مقصود یہ تھا کہ علی کی تعریف کیجائے تو اس کا جواب یہ ہی کہ علیؓ کے وہ اوصاف جن سے اُن کی تعریف کی جاتی ہے کیا کم ہیں کہ ایک کہانی گھڑ کے اس پر اُن کی تعریف کا مدار رکھا گیا۔ یہ کہانی محض بے اصل ہے اور سوائے چند گھڑنے والوں کے اور کسی نے اپنے کانوں سے اس کہانی کو نہیں سُنا نہ وہ مسلمانوں کی معتبر کتابوں میں سے کسی کتاب میں ہے نہ صحاح میں ہی نہ سنن میں نہ جوامع میں. نہ معجزات میں اصل یہ ہے کہ یہاں ان دو امور میں سے ایک امر ضرور لازم آتا ہے یعنی اگر اس سے مقصور کسی وصف پر تعریف کرنی ہے تو یہ بھی باطل ہے اور اگر اس سے فقط تعریف ہے مقصود ہے تو یہ بھی باطل ہے نویں وجہ شیعی علماء کے قول کے مطابق اللہ کا وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (المائدہ:۵۵) فرمانا یہ چاہتا ہے کہ وہ شخص رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرنے والا ہو یعنی زکوۃ اسکے

ذمہ لازم ہو حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی اس حیثیت کے آدمی نہ تھے کہ اُن پر زکوۃ واجب ہوتی کیونکہ وہ اس وقت نہایت تنگ دست اور بہت مفلس تھے. یہ بھی سُن لو کہ چاندی کی زکوۃ اُسی آدمی پر واجب ہوتی ہے جو پورے ایک سال تک مقدار نصاب کا مالک رہا ہو مگر حضرت علی ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھے. دسویں وجہ زکوۃ میں ایک انگوٹھی دیدینا اکثر فقہا کے نزدیک کافی نہیں ہوسکتا۔ جب تک زکوۃ زیور میں ہونی فرض نہ مان لیجائے بعض کی صرف یہ راے ہے کہ زکوۃ میں زیور بھی دے سکتے ہیں مگر اس زکاتی زیور کی قیمت ضرور پہلے مقرر کر لی جائے مگر نماز میں قیمت مقرر کرنی مشکل ہے. گیارھویں وجہ یہ آیت بمنزلہ اُس آیت کے ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ:۴۳) اس میں یہ واو یا حالیہ ہے یا عطف کا ہے مگر اکثر عطف ہی کا ہوتا ہے اور ایسے خطاب میں یہی معروف بھی ہے شیعی علماء کا مطلب اس وقت بن سکتا ہے جب یہ واو حالیہ ہو مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں شیعی علما کے پاس اس واو کے خاص حالیہ ہونے کی کچھ دلیل نہیں جب کوئی دلیل نہ ہوئی تو یہ حجت آپ سے آپ باطل ہوگی بارھویں وجہ اہل تفسیر کے نزدیک حلف سے لیکے خلف تک یہ معلوم اور مشہور ہے کہ یہ آیت کفار کا ہاتھ دینے سے منع کرنے اور مسلمانوں کا ساتھ دینے کا حکم ہونیکی بابت نازل ہوئی ہے کیونکہ بعض منافقین جیسے عبد اللہ بن ابی وغیرہ یہودیوں کا ساتھ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم پریشانیوں اور مصیبتوں سے ڈرتے ہیں. اس پر ایک مسلمان یعنی عبادہ بن صامت نے یہ کہا میں تو اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ساتھ دیتا ہوں اور ان کفار سے اور ان کا ساتھ دینے سے صاف انکار کرتا ہوں یہی وجہ ہوئی کہ جب اُنکے پاس بنی قینقاع کا قافلہ آیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں عموماً مسلمانوں کے موالاۃ کے واجب ہونے کو بیان کر دیا اور عموماً کفار کی موالاۃ سے منع کر دیا اسکے علاوہ صد صحابہ اور تابعین کے اقوال پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ یہ آیت عام ہے. تیرھویں وجہ اس کے عام ہونے پر سیاق کلام بھی ولالت کرتا ہے. ہاں غور و تدبر کرنے کی بے شک ضرورت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (المائدہ:۵۱) یعنی اے ایمان والوں یہود و انصارے کو دوست نہ بناؤ وہ (باہم) ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو بے شک وہ ان ہی میں

ہوگا...... (اور) اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ پھر فرمایا فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ. (المائدہ:۵۲،۵۳) یعنی پس (اے نبی) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (انفاق) ہے ان ہی کو تم دیکھو گے کہ ان کی محبت کرنے میں جلدی کرتے ہیں (اور) اُسکی وجہ یہ) کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کوئی مصیبت ہمیں (نہ) پہنچ جائے پس عنقریب اللہ فتح لائے گا یا اور کوئی (خوشی کی) بات اپنی طرف سے (ظاہر فرمائے گا) پس یہ لوگ اس (برے خیال) پر جسے انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے پشیمان ہوں گے اور مسلمان (تعجب سے) کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی سخت (سخت) قسمیں کھائی تھیں. (اس امر پر) کہ وہ بے شک تمہارے ساتھ ہیں اُنکے تمام اعمال ضوئے ہو جائیں گے. اور یہ (سخت) نقصان اُٹھائیں گے یہ ان لوگوں کی تعریف ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جو کفار کا ساتھ دیتے ہیں اور اُن سے دوستی رکھتے ہیں جیسے منافقین پھر فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (المائدہ:۵۴) یعنی اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو ظہور میں لائے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں مسلمانوں سے تواضع کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا داتا ہے۔ اس آیت میں مرتدوں کا بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ وہ اللہ کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ پھر فرمایا إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ. (المائدہ:۵۵،۵۶) یعنی اے مسلمانو! تمہارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ مسلمان جو خشوع سے نماز پڑھا کرتے اور زکوۃ دیا

کرتے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگا اور بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب رہتا ہے۔ ان آیتوں میں اُن لوگوں کا حال ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے خواہ وہ منافق ہوں یا اس سے مرتد ہو گئے ہوں اور پھر طرز بیان جمع کے لفظ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے سب کو شامل ہونے پر یقین کو واجب کرتا ہے کوئی شخص کسی طرح بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ آیت ان سب مومنین کے حق میں ہے جن میں یہ مذکورہ صفات ہوں اسمیں کسی ایک معین شخص کی تخصیص ہرگز نہیں ہے نہ ابوبکر وعمر کی نہ عثمان وعلی کی نہ اور کسی کی ہاں یہ بات یہ بات ہم مانتے ہیں کہ یہ لوگ ساری امت سے زیادہ اس میں داخل ہونیکا حق رکھتے ہیں. چودھویں وجہ شیعی علماء نے جو حدیث پیش کی ہے اسکے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے کیونکہ حضرت علی سب نیکوں کے پشیر وہرگز نہیں ہیں بلکہ اس امت کے پیشتر و حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں نہ حضرت علی سارے کفار کو قتل کرنے والے ہیں. ہاں اُنہوں نے اگر بعض کفار کو قتل کیا بھی تو اس میں اُنکی خصوصیت کیا ہے اوروں نے ان سے بھی زیادہ کفار کی گردن ماری ہے. ایسا ہی یہ کہنا کہ جس نے علی کی مدد کی وہ منصور ہے اور جسنے انہیں چھوڑ دیا وہ ذلیل ہے. نہ صرف لغو اور بیہودہ ہے بلکہ واقع اور نفس الامر کے بالکل خلاف ہے. تمام شیعی علماء کا یہ دعوی کہ عثمان کے قتل ہونے تک علی کو ساری امت نے چھوڑے رکھا اور یہ بات روم روشن کی طرح سب کو معلوم ہے اور آنکھوں سے دکھائی دے رہی ہے کہ خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں امت مرحومہ جیسی فتح یاب رہی اس کے بعد اس مرحوم امت کو حضرت علی کے زمانہ میں ایسی فتح مندی نصیب نہیں ہوئی. اب سمجھو تو سہی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر کیسا بہتان اُٹھایا گیا ہے کہ آپ کی طرف ایسے کذب صریح کو نسبت دی گئی ہے اب سنیئے جب عثمان شہید ہو گئے تو مسلمانوں کے تین حصہ ہو گئے ایک حصہ تو وہ تھا جسنے حضرت علی کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہوئے اُن کے دشمنوں سے قتال کیا دوسرا مسلمانوں کا وہ حصہ تھا جس نے حضرت علیؓ سے قتال کیا. تیسرا وہ حصہ تھا جو نہ ادھر تھا نہ اُدھر تھا یعنی نہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا نہ اُن کے دشمنوں کے ساتھ نہیں ہوئی نہ کبھی کفار پر غالب آئی جب امیر معاویہ کے ہاتھ میں حکومت کی باگیں آئیں تو علی کے ساتھ والوں پر اُن کی ہمیشہ فتح مندی رہی حتی کہ انہیں کی حکومت ہوگئی اس کے بعد غیر اسلامی سلطنوں سے جب امیر معاویہ کی لڑائی ہوئی تو ان پر بھی امیر معاویہ ہی غالب رہے اور بہت

سے شہراُن کے قبضہ میں آ گئے ہاں حضرت علی کا منصور و فاتح ہونا خوارج کی چند بے سری جماعتوں پر محدود رہا اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں خصوصاً اُن صحابہ کے مقابلہ میں جنہوں نے کفار اور مرتدوں سے قتال کیا جن کے منصور ہونے کا چانہ بہت ہی بڑا تھا۔ اب سنئے انگوٹھی صدقہ دینے پر جو دعا حضور انور رسول اللہ ﷺ کی شیعی علما نے نقل کی ہے وہ بھی صریح کذب ہے کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ صحابہ عین ضرورت کے وقت راہ خدا میں اس قدر مال خرچ کرتے تھے کہ جو فائدہ اور مقدار میں ایک فقیر کو انگوٹھی دینے سے بدر جہا زوہ ہوتا تھا صحیح میں حضور انور رسول اللہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا **مانفعنی مال کمال ابی بکر ان امن الناس علی فی صحبتہ وذات یدہ ابو بکر ولو کنت فتخذا من اھل الارض خلیلاً لا تخذت ابا بکر خلیل** یعنی جیسا کہ ابوبکر کے مال نے مجھے فائدہ دیا ہے ایسا اور کسی کے مال نے مجھے فائدہ نہیں دیا بیشک میرا ساتھ دینے میں اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ مجھ پر ابوبکر کا احسان ہے اور اگر میں زمین پر رہنے والوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر ہی کو دوست بناتا ۔غزوہ عسرہ میں عثمان غنی نے ایک ہزار اونٹ راہ خدا میں دے دیئے تھے اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش ہوئے تھے کہ آپ کی مبارک زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا کہ آج کے دن کے بعد عثمان کا کچھ کرنا انہیں ضرر نہ دے گا ۔اس سے کون کم عقل سے کم عقل شخص بھی انکار کرسکتا ہے کہ دین اسلام کے بڑھانے میں خرچ کرنا خصوصاً اس وقت کہ جب اسلام اپنی شیر خواری کی حالت میں تھا ایک محتاج کو صدقہ دینے سے بدر جہا بڑھا ہوا نہیں ہے اس لئے حضور انور نے یہ فرمایا تھا۔ **لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احد کم مثل احد ذھبا مابلغ مدااحد ھم ولا تصیفہ** یعنی میرے صحابہ کو کبھی بُرا نہ کہنا قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو یہ اُن کے ایک مد بلکہ نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا ۔یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور پہلے بھی کسی بحث میں ہم درج کر چکے ہیں ۔پھر دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے **لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلُوا أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى** ۔(الحدید:۱۰) یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا ہے اس کا مرتبہ نسبت اس شخص کے جس نے فتح مکہ کے بعد ان کاموں کو کیا ہے

بہت بڑھا ہوا یعنی اعتبار مرتبہ کے وہی لوگ بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان میں ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے دین خدا کی اشاعت میں نہایت فیاضی سے خرچ کرنا اور اُسکے مقابل میں محض ایک سائل کے سوال کا پورا کرنا جو کچھ امتیاز رکھتا ہے وہ ایک سمجھدار بچہ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اب دیکھئے اور سمجھے اور غور کیجئے کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایسے ایسے اہم کاموں میں خرچ کرنا پر کبھی ایسی دعا نہیں کی تو پھر ایک فقیر کو ایک انگوٹھی دے دینے کی وجہ سے ایسی دعا کیونکر کر سکتے تھے. کیونکہ فقیر کے سوال میں صدق اور کذب دونوں ہیں اسکے سوال کا پورا کر دینا بہت ہی ایک معمولی بات ہے جو روز مرہ مشاہدہ میں آتی ہے. اسکے علاوہ ہجرت اور نصرت ہونے کے بعد خاص مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ یہ کیونکر دعا کر سکتے تھے. واجعل لی وزیر امن اهلی علیا اشد به ظهری حالانکہ اسوقت تو اللہ نے نہ صرف مسلمانوں کی مدد سے بلکہ اپنی مدد سے آپ کو اعزاز بخشا تھا جیسا کہ فرمایا ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اور پھر فرمایا اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (التوبہ:۴۰) پس جب کفار نے حضور کو وطن سے بے وطن کر دیا اس وقت اللہ نے آپ کی مدد کی تو آپ کے ساتھ صرف ابوبکر تھے اور تیسرا اللہ تھا اسی طرح جب بدر کے دن حضور کے لیے خیمہ قائم کیا گیا اس میں بھی سوائے ابوبکر کے اور کوئی صحابی آپ کے ساتھ نہ تھا. اس سے انکار نہیں ہوسکتا اور یہ ہم مانتے ہیں کہ حضور انور کی مدد کرنے میں ہر ایک صحابی کی کوشش لائق شکر اور قابل جزا ہے مگر آپ کی مدد کرنے میں حضرت علیؓ کی کوئی خصوصیت نہیں آپ کی تمام مبارک زندگی میں کوئی بھی ایسا موقع نہیں ملتا جہاں حضور انور رسول اللہ ﷺ کو صرف اکیلے حضرت علی ہی کی ضرورت ہوئی ہو نہ ہاتھ کی نہ زبان کی جو لوگ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی کی دعوت اسلام کا طفیل تھا. نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں کل بنی اسرائیل ہارون سے بہت محبت رکھتے تھے. اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ سے بہت ڈرتے تھے حالانکہ شیعی اللفظ اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ حضرت علی سے سب مسلمان بغض رکھتے تھے اور اسی بغض کی وجہ سے اُنہوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی پھر بھلا عقل کیونکر باور کر سکتا ہے کہ موسیٰ کو جس طرح ہارون کی ضرورت تھی اسی طرح حضور انور کو علی کی ضرورت ہو. اور ملاحظہ فرمایئے

ابوبکر صدیق وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کے ہاتھ پر عشرہ مبشرہ میں سے پانچ یا چھ آدمی مسلمان ہوئے تھے یعنی عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوعبیدہ اسکے مقابلہ میں کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت علی اور حضرت عثمان وغیرہ کے ہاتھ پر بھی سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے کوئی مسلمان ہوا ہو. ابوبکر صدیق کے علاوہ مصعب بن عمیر کو لو جنہیں حضور انور نے مدینہ منورہ بھیجا تھا. اور اُن کے ہاتھ پر بڑے بڑے روساء انصار مسلمان ہو گئے جیسے سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر وغیرہ صدیق اکبر کی برابری فی الحقیقت کوئی صحابی نہیں کرسکتا جب حضور انور رسول اللہ ﷺ حج کرنے جاتے تو صدیق اکبر آپ کے ضرور ہمراہ ہوتے اور حضور انور کے ساتھ مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے میں بے انتہا جدوجہد کرتے اسی لئے صحیح حدیث میں یہ آیا ہے حضور انور فرماتے ہیں لو کنت متخذا من اهل الارض خليلا لا تخذت ابابكر خليلا یہ التجا کی تھی کہ ہارون کو میرا اس معاملہ میں مددگار بنائیو مگر برخلاف اسکے جب محمد عربی رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ نے تن تنہا اسلام کا وعظ فرمایا بالفاظ دیگر رسالت کی تبلیغ کی اور اس معاملہ میں آپ کسی کی بھی امداد کے خواستگار نہیں ہوئے تمام روئے زمین کے باشندے اس پر متفق ہیں کہ آپ کی اس تبلیغ رسالت پر سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ چار آدمی ہیں مردوں میں ابوبکر صدیق عورتوں میں خدیجہ اکبر ہیں بچوں میں علی اور غلاموں میں زید اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تمام لوگوں کو اس دعوت میں سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے اول ابوبکر ہیں پھر خدیجہ کیونکہ مرد آزاد و بالغ ابوبکر ہی تھے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے. قریشوں میں آپ کی بہت بڑی عزت تھی اور آپ ہی تھے جنہوں نے اپنی جان اور مال سے سب سے زیادہ حضور پر احسان کیا اس پر بھی حضور نے کبھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا نہیں مانگی کہ میری قوت کو فلاں شخص کی رو سے مضبوط کردے نہ کبھی آپ ابوبکر سے متمنی ہوئے نہ کسی اور سے بلکہ آپ کا غیر معمولی توکل آپ کا عجیب وغریب صبر اور آپ کی بے ہمت اطاعت آپکو اپنے ارادہ پر قائم کئے ہوئے تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا۔ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (المدثر:۲تا۷) فرمایا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسکے خلاف جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی تھی کہ ایک خاص آدمی کیساتھ میری قوت کو مضبوط کردے تو اُسنے بے شک اور لاریب رسول اللہ تعالیٰ ﷺ پر

بہت بڑا بہتان اُٹھایا اور آپ کی کسرِ شان کی ہم ایسے شخص کو نہ صرف ازلی بدنصیب بلکہ روحانی نجات ابدی سے محروم سمجھتے ہیں۔

شیعی علماء کی دوسری برہان: شیعی علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ (المآئدہ:۶۷) اے رسول جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے تم (ان لوگوں تک) پہنچادو اور اگر ایسا نہ کروگے تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (شیعی علماء کہتے ہیں کہ) یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور جمہور میں سے حافظ ابونعیم نے سند کے ساتھ عطیہ سے راویت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی پھر شیعی علماء کہتے ہیں تفسیر ثعلبی میں یہ لکھا ہے کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد جو کچھ تمہارے طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے علی کی فضیلت میں نازل کیا گیا ہے تو اُسے تم لوگوں تک پہنچادو. جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا **مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ** یعنی جسکا میں مولا آقا ہوں اُس کا علی بھی مولا ہے شیعی علماء اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی ﷺ ابوبکر وعمر اور باقی سب صحابہ کے بالا جماع مولے ہیں پس ان سب کا علی بھی مولا ہیں اور جب یہ مولے ہوگئے تو پھر ان کے امام برحق ہونے میں کیا کلام رہا تفسیر ثعلبی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جب نبی ﷺ غدیر خم میں تھے تو آپ نے لوگوں کو پکارا اور آپ کی پکار پر سب جمع ہوگئے اس وقت آپ نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا من کنت مولا فعلی مولا جوں ہی یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلے اس کی شہرت ہوگئی حارث بن نعمان فہری نے بھی یہ بات سُنی تو وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کے. رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ ہوئے جب ابطح میں آئے تو اونٹنی سے اُترے تو اونٹنی کی دونوں گھٹنے باندھ دئے اور خود رسول اللہ خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ بہت سے صحابہ کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے حارث نے عرض کیا اے محمد تم نے اللہ کی طرف سے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں اور اس بات کی بھی شہادت دیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں آپ کا یہ فرمانا ہم نے دل وجان قبول کرلیا پھر آپ نے ہمیں پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا تو ہم نے یہ

بھی تسلیم کرلیا پھر زکوۃ کا حکم ہوا تو ہم نے یہ بھی قبول کرلیا پھر ہمیں ایک مہینہ کے روزے رکھنے حکم دیا تو ہم نے یہ بھی اپنے سر آنکھوں پر رکھ لیا پھر ہمیں بیت اللہ کے حج کرنے کا حکم دیا اس پر بھی ہم نے سر تسلیم خم کرلیا آپ نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ اپنے چچا کے بیٹے کو اسقدر بڑھایا کہ ہم سے افضل ٹھیرا دیا اور اسکی عظمت میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ یہ کہد یا کہ **من کنت مولا فعلی مولا** ۔اب یہ تو فرمایئے کہ یہ آپ کی طرف سے ہی یا اللہ کی طرف سے ہی شیعی علماء کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا ہے اس اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ اللہ ہے کا حکم ہے۔ حارث یہ سنتے ہی اپنی اونٹنی کی طرف یہ کہتا ہوا چلدیا اے خداوند عالم اگر تیری طرف سے یہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہمیں کوئی برسائے گئے ایک پتھر اُسکے سر پڑا اور پیٹ میں ہوکر نکل گیا اور وہ ہیں مرا کا مرا رہ گیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ. (المعارج:۱تا۳) یہ روایت نقاش بھی اپنی تفسیر میں علماء جمہور سے نقل کی ہے۔فقط۔

جواب: شیعی علماء کا یہ سارا بیان سراسر غلط اوّل درجہ کا جھوٹ اور بناوٹی اور انتہاء درجہ پر از بہتان ہے جسکی تفصیل آگے آئے گی۔اور پھر اس آیت کریم کو یہ سمجھنا کہ یہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔اور نہایت بے باکی سے یہ دعوی کرنا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے یہ واقعات پر ایک ایسی ڈاکہ زنی ہے جسکی نظیر نہیں مل سکتی حلیہ میں یہ خلفائے کے فضائل میں جو کچھ ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور اُس کے علاوہ نقاش ثعلبی اور واحدی نے جو کچھ اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہی کہ ان کی تفسیروں نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے یقینا اور بلا شک موضوعات میں سے ہے اور ہم اسی دلاول سے اس طرح ثابت کریں گے ہر شخص جو کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے اس بات کو مانے گا کہ قطعی یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور یقینا اس حدیث سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی اظہر واقدس ذات پر بہتان عظیم باندھا گیا ہے۔اسے بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ منقولات میں سچی روایتیں بھی ہوتی ہیں اور جھوٹی بھی مگر سچی اور جھوٹی روایت کو پرکھنے کے لیے سوائے علم حدیث کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ عرب کی نحو اور غیر عرب کی نحو میں فرق معلوم کرنے کے لیے ہم نحاۃ یعنی نحویوں کو ذریعہ بنایا اسی طرح اشعار کے متعلق شاعروں سے دریافت کیا جاتا ہے اور طب کے متعلق طبیبوں سے غرض یہ ہے کہ ہر علم

کے لیے خاص ایک جماعت ہوتی ہے جو اس علم کی اہل ہوتی ہے اور اسکی معرفت رکھتی ہے۔ اسی طرح جب کسی حدیث کے ماہر امام مالک شعبہ سفیان ۔یحیٰ ابن سعید عبدالرحمٰن بن مہدی ابن المبارک وکیع شافعی ،احمد ،اسحاق بن راہویہ، ابوعبیدہ ،ابن معین ،ابن المدینی ،بخری مسلم ،ابوداؤد ،ابوزرعہ، ابوحاتم ،نسائی ،عجلی ،ابواحمد بن عدی ،ابوحامد البستی ،وارقطنی اوران جیسے اور بہت سے علماء ہیں جن کا اس وقت شمار نہیں ہوسکتا اگر چہ ان میں جرح اور تعدیل کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں **فضلنا بعضهم علے** بعض اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا ہے۔حدیثوں کے نقل کرنے میں ان علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں لیکن خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی جیسے ابن سعد کے طبقات کی تاریخیں امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین وغیرہ کی کتابیں ہیں۔حدیث کی کتابوں کچھ تو بطور مسانید کے تصنیف کی گئی ہیں اوران میں وہی حدیثیں بیان ہوئی ہیں جنہیں راویوں نے حضور انور سے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔امام احمد ،ابوداؤد الموصلی ،ابوبکر بزار بصری۔ وغیرہ کی مسندیں ہیں اور کچھ کتابیں بطور ابواب کے تصنیف کی گئی ہیں۔بعض نے صرف صحیح حدیثوں کا انتخاب کیا ہے مثلاً بخاری مسلم وغیرہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث کا علم مذہبی علوم میں سب سے بڑھا ہوا ہے اوراس میں کچھ بھی شک نہیں کہ شیعی علما اس علم میں ایک حد تک بالکل کورے ہیں۔خوارج کا علم حدیث شیعی علماء سے کہیں زیادہ ہے وہ کبھی جان بوجھ کے جھوٹ نہیں بولتے اپنے خیال میں جب تک وہ ایک بات کو سچ نہ سمجھ لیں گے کبھی منہ سے نہ نکالیں گے رہے معتزلہ اُن میں جھوٹے سچے دونوں ہوتے ہیں مگر اُن کی توجہ حدیث کی طرف نہیں ہے اب رہے بدعتی یہ لوگ اپنے اس طریقہ پر چلتے ہیں جسے اُنہوں نے خود ہی ایجاد کیا ہے اور وہ حدیث کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اپنے اصول کے آگے بعض اوقات قرآن مجید کی آیت کی بھی پروانہیں کرتے۔شیعی علماء کو اوّل تو حدیث میں معرفت اتنی کم ہے کہ بالکل صفر کی طرح ہے اسکے علاوہ اُن کی بے توجہی یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ نہ اسناد میں نظر کرتے ہیں اور نہ اور نہ شرعیہ اور عقلیہ میں کہ آیا یہ اسکے موافق ہیں یا مخالف اسی وجہ سے ان میں صحیح متصل اسناد کہیں نہیں ملتیں بلکہ اسناد کا سلسلہ ان ہی کے تشخص پر جاکر ختم ہوجاتا ہے اسلیے اُنکی روایت میں سراسر جھوٹ اور بہتان بھرا ہوا ہوتا ہے جس گروہ میں اسناد کا سلسلہ ہی نہ ہو کیونکر اپنی نقل کردہ روایت کو صحیح صابت کرسکتا ہے۔یادرکھو اسناد کا ہونا امت مرحومہ کے خصائص میں داخل ہے اور اسی میں اسلام کی بہت بڑی

خصوصیت ہے مگر شیعی علما بالکل اِس طرف آج تک متوجہ نہیں ہوئے کیونکہ وہ ان ہی حدیثوں کو سچا سمجھتے ہیں جواُن کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جواُن کی خواہش کے خلاف ہےاُن کے نزدیک بس یہی وجہ اس روایت کے غلط ہونے کی ہے سچ ہے عبدالرحمان بن مہدی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہی جو کہتا ہے کہ اہل علم موافق اور مخالف حدیثوں کو نقل کرتے اور لکھتے ہیں مگر اہل ہوا انھیں کو نقل کرتے اور لکھتے ہیں جو ان کے موافق ہوں اب شیعی علماء سے ہمارا یہ سوال ہے کہ جب وہ بار بار ابونعیم ثعلبی اور نقاش کو پیش کرتے ہیں تو آیا وہ ان کی کل روایتوں کا مانتے ہیں یا سب ہی سے انکار کرتے ہیں یا ان کی جو روایتیں اپنے موافق ہیں اُن ہی کو مانتے ہیں اور جو موافق نہیں ہیں اُنہیں نہیں مانتے اور اگر ان علماء کی سب روایتوں کو مانتے ہیں تو ان کی بہت سی ایسی روایتیں بھی ہیں جو نہ صرف حضرت علی بلکہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی کے فضائل میں ہیں اور وہ آپ کے مفروضہ مذہبی اصول کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ ابونعیم نے حلیہ کے شروع میں صحابہ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جنکا بڑا حصہ ابوبکر، عمر اور عثمان کے ناقب میں ہی جن میں بعض صحیح ہیں بعض ضعیف ہیں بعض منکر ہیں۔ ابونعیم وغیرہ آنکھ بند کر کے صحیح وضعیف کل روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور صحیح وغیرہ صحیح کی مطلق تمیز نہیں کرتے ان کی مثال بالکل اُس مفسر کی سی ہے جو اندھا دھند اپنی تفسیر میں لوگوں کے اقوال نقل کیا کرتا ہے یہ اس فقیہ کی سی ہے جو فقہ میں مختلف اقوال ذکر کر دیتا ہے یا اُس مصنف کی سے ہے جو اور لوگوں کی دلیلیں بیان کرتا ہے اگرچہ اُن میں سے اکثر امور کے صحیح ہونے کا خود معتقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ کہہ کے اپنا پہلو بچا لیتا ہے کہ ہم نے تو دوسروں کے قول اوقات وغیرہ میں بہت سی تصنیفات ہیں جن میں ان کے مصنفین نے بکثرت حدیثیں ضعیف بلکہ باتفاق اہل علم کے موضوع نقل کر دی ہیں۔ جیسا کہ رجب کے روزوں اور فضائل عاشورہ وغیرہ میں ایسی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں خدا جانتا ہے اور اس میں ہرگز شک نہیں کہ یہ سب حدیثیں حضور انور اللہ ﷺ پر بہتان عظیم ہیں اور آپ پر نہایت بے دردی اور بے باکی سے جھوٹ باندھا گیا ہے۔ جرب کرمانی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ یہ حدیث کہ جو شخص اپنے گھر والوں پر عاشورہ کے دن فراخی دے تو اللہ تعالی تمام سال اس پر فراخی رکھے گا آیا ٹھیک ہے یا نہیں فرمایا نہیں نہیں اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسی طرح تواریخ کے مصنفین جیسے ابن عساکر کی تاریخ دمشق ہے جب یہ خلفائے اربعہ یا اور کسی کی فضیلت کا کوئی باب باندھتے ہیں تو الم

علم سب روایتیں نقل کر دیتے ہیں حضرت علی اور امیر معاویہ کی فضیلت میں جو روایتیں انہوں نے بیان کی ہیں محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ جھوٹ ہیں۔ اب شیعی علما ان سب حدیثوں کو تسلیم کریں جو ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں تو ان میں حدیثوں کی ایک بڑی تعداد ایسی دے گی جو شیعہ مذہب کے بالکل خلاف ہوگی اور اگر شیعی علما ان کل حدیثوں کے رد کرتے ہیں تو ان میں سے بعض کا بطور دلیل کے پیش کرنا قطعی باطل ہو جائے گا۔ اور اگر شیعی علما اس کا یہ جواب دیں کہ جو حدیثیں ہمارے مطلب کی ہیں انہیں تو ہم مانتے ہیں جو مطلب کی نہیں ہیں اُنہیں مانتے تو ان کا یہ تخیل بھی بالکل ہوگا ایسی مذہب حدیث سے مذہب کی صحت میں حجت لانا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر موافق حدیث کی صحت تم نے معلوم کر لی ہے تو وہ وجہ بیان کرو جو اسکی صحت پر دلالت کرے حالانکہ یہ محال ہے اور اگر اس حدیث کو محض اس وجہ سے صحیح سمجھ لیا ہے کہ وہ ہمارے مذہب کے موافق ہے تو یاد رکھو کہ مذہب سے حدیث کو صحیح ثابت کرنا ممتنع ہے کیونکہ جس وقت مذہب کا صحیح ہونا حدیث کے صحیح ہونے پر موقوف ہوگا اور حدیث کا صحیح ہونا مذہب کے صحیح ہونے پر موقوف ہوگا تو اس سے دور ممتنع لازم آئے گا۔ دوسری وجہ اس نفس حدیث میں ایک ایسا امر ہے جو کئی وجوہ سے اسکے جھوٹ ہونے پر صاف دلالت کرتا ہے یعنی اس کا یہ مضمون ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غدیر خم میں تھے تو آپ نے لوگوں کو آواز دی آپ کی آواز پر سب لوگ جمع ہو گئے پھر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا میں مولی ہوں اس کا علی بھی مولی ہے الی آخرہ ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اور بالکل جھوٹ ہے اور دنیا میں کل شیعی علماء مل کے بھی سے سچا ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ غدیر خم میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت حضور غدیر خم میں ٹھیرے تھے اور اسے شیعی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں اور وہ اسے روز عید سمجھتے ہیں اور یہ ماہ ذالحجہ کی اٹھارہویں تاریخ کا وقوعہ ہے اس کے بعد حضور انور پھر مکہ معظمہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ حجۃ الوداع کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اسکے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر صرف تین مہینے آپ حیات رہے اور ربیع الاول کے شروع میں آپ کی وفات ہوگئی۔ اب اس سفید جھوٹ کی کیفیت سنئے کہ کس طرح بے باکی سے حارث کا قصہ گھڑا گیا کہ وہ حضور کی حدیث میں ابطح میں آیا ابطح مکہ میں ہے اور حضرت علمائے شیعی کو یہ بھی خبر نہیں کہ غدیر خم کا قصہ کب ہوا تھا کیونکہ یہ سورۃ سائل سائل باتفاق تمام اہل علم کے

مکی ہے جو ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں نازل ہو چکی تھی پھر بھلا یہ غدیر خم کے بعد کیونکر نازل ہوتی پھر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ملاحظہ ہو وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ (الانفال:۳۲) سورۂ انفال میں ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کی یہ سورۃ غدیر خم سے بہت برسوں پہلے جنگ بدر میں ناز ہو چکی تھی اور کل مفسر اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ ہجرت سے پہلے مشرکین یعنی ابوجہل وغیرہ نے حضور انور سے یہ کہا تھا۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (انفال:۳۲) گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی کو یاد دلایا ہے جو مشرکین کہا کرتے تھے کہ اے محمد تم ان کے قول کو یاد کرو یہ پہلے اس طرح کہا کرتے تھے اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَۃِ اور وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ. ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو گزشتہ امور کے یاد کرنے کا حکم دیتا ہے. اس سے معلوم ہو گیا کہ پتھر برسنے کی خواہش کرنا اور حضور انور سے عرض کرنا سورۃ کے نازل ہونے سے کہیں پہلے تھا. یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جب مشرکین نے عذاب وغیرہ کی درخواست کی تو اُسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے تم پر ہم عذاب نازل نہ کرینگے. چنانچہ فرمایا وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِئْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. پھر فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال:۳۲،۳۳) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب اہل مکہ ن ے یہ کہا تو ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے. ان روشن اور بدیہی برہانوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حارث پر پتھر برسنے کی کہانی کیسی بے جوڑ اور لغو ہے. اس کا ذکر نہ کہیں مسند میں ہے نہ صحیح میں نہ فضائل میں نہ تفسیر میں اور نہ سیر وغیرہ میں سوائے شیعی دستاویزات کے جو منکر اسناد سے روایت کرتے ہیں. اچھا اور ایک تماشا کی بات ملاحظہ فرمائے شیعی علما اس بات کے قائل ہیں کہ حارث اسلام کے پانچوں رکن تسلیم کرتا تھا اس صورت میں اسکے مسلمان ہونے میں کسے شک ہو سکتا ہے. مسلمان پر تو حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کبھی عذاب نازل نہیں ہوا کسی کتاب میں اسکا ذکر نہیں ملتا. پھر حارث پر باوجود مسلمان ہونے کے پتھروں کی بارش کیسی. دوسرے یہ کہ صحابہ میں ہم نے کسی کتاب میں حراث کا نام نہیں دیکھا خدا معلوم شیعی علما نے اسے کہاں سے پیدا کر لی. ایسے بکثرت مصنف گزرے ہیں جنہوں نے صرف

صحابہ کے ناموں میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور ضعیف سے ضعیف حدیث جو کسی صحابی کے نام سے اُنہیں ملی وہ اُنہوں نے اپنی کتاب میں صحابی کے نام کے ساتھ درج کردی مثلاً ابن عبداللہ کی کتاب الاستیعاب ہی کہ ضعیف سے ضعیف حدیثیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں. اسی طرح ابن مندہ ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابوموسی وغیرہ کی کتابیں ہیں. ان کتابوں میں بھی کہیں حارث کا پتہ نہیں لگتا اس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ روایت میں ہیں اس کا ذکر نہیں ہے. تیسرے شیعی علماء کا یہ دعوی ہے کہ حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے حالانکہ جو آیت پیش کی گئی ہے اس میں حضرت علی کا کہیں کسی لفظ سے کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ میں کونسا لفظ ہے جو حضرت علی پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اُسے تم لوگوں تک پہنچا دو جو کچھ عام ہی اور ہر چیز نازل ہوئی اس میں شامل ہے. اس سے کیونکر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی کی امامت پر کی طرف اشارہ ہے. اب اگر یہ کہو کہ یہ نقل سے ثابت ہوتا ہی تو پھر یہ کیوں دعویٰ کرتے ہو کہ قرآن مجید حضرت علی کی امامت کی شہادت دیتا ہے اس سے یہ بہتر ہے کہ حضرت علی کی امامت نقل ہے کے دائرہ میں رہنے دی جائے قرآن مجید کا عموم پر دلالت کرنا اس ادعا کی تردید کرتا ہے کہ علم کی امامت پہنچانے کا حکم حضور انور رسول اللہ ﷺ ہوا تھا چوتھی وجہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے حالات اور آپ کے صحابہ کے تعلقات سے جو شخص واقف ہے وہ اس کہانی کی بہت زور سے تردید کرے گا. صحابہ کا تعشق مسلم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر صحابی اپنے نجات دہندہ کے ایک ایک لفظ کو بمنزلہ ایک زبردست قانون کے سمجھتا تھا حضور کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب آپ ہدایتیں فرما چکتے تو اخیر میں حاضرین سے بہ اصرار یہ فرماتے تھے کہ جو کچھ تم نے سنا ہے ان لوگوں سے جو یہاں موجود نہیں ہیں کہہ دینا اور انہیں تاکید کر دینا کہ وہ اپنے ملنے والوں میں میرے احکام پہنچادیں یاد رکھو اگر اللہ تعالی نبی کو یہ حکم دیتا کہ تم علی کی امامت کا اعلان کر دو تو رسول اللہ ﷺ اس پیغام کو چھپا کے کس طرح اللہ تعالی کی نافرمانی کرتے اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور نے کبھی ایسا کیا تو ہم اسے ہرگز مسلمان نہیں سمجھنے کے حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ قول موجود ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد ﷺ نے وحی کی کوئی بات چھپالی تو وہ یقیناً جھوٹ ہے. تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کی امامت کے بارے میں حضور انور رسول اللہ نے کبھی کچھ تبلیغ نہیں کی

اہل علم کے پاس اسکی بہت سی دلیلیں ہیں جن سے وہ اس امر کی یقینی طور پر ثابت کر چکے ہیں. خیال تو کرو کہ اگر اس کی کچھ بھی اصل ہوتی تو یہ بات آندھی اور مینہ کی طرح تمام اسلامی دنیا پر چھا جاتی جبکہ لوگوں نے حضرت علی کی فرضی فضیلت کرنے کے لیے سینکڑوں جھوٹی حدیثیں بنالیں پھر بھلا اس حق بات کو وہ کیسے چھپا سکتے ہیں اتنی بڑی بات کہ ہزاروں صحابہ میں حضور انور یہ اعلان دیں کہ علیؓ میرے بعد میرا وصی اور جانشین ہوگا اور وہی امام برحق ہے اور ایک صحابی بھی ایسے زبردست حکم کو نہ سنے اور اس کا بعد ازاں کچھ بھی چرچا نہ ہو اور خلفائے ثلاثہ بلکہ خود حضرت علی کی خلافت میں ایک شخص بھی یہ آواز بلند نہ کرے کہ خدا کے حکم سے رسول اللہ نے علی کو امام بنا دیا ہے پھر علی کو امام یا جانشین کیوں نہیں مقرر کیا جاتا نہ حضرت علی خود ہوں ہاں کریں ورنہ اس آیت کا شانِ نزول لوگوں کو یاد دلاویں نہ غدیر خم کا واقعہ کسی کے آگے دوہرائیں اب دیکھو اور واقعات پر نظر کرو کہ جب حضور انور کا وصال باری تعالی یہ ہوا یعنی آپ نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لئے رخصت کیا تو بعض انصار نے یہ چاہا کہ ایک امام ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے لوگوں نے اس کا انکار کیا اور یہ کہا کہ امامت یعنی خلافت تو قریش ہی میں رہے گی ایسی متفرق احادیث موجود ہیں جن میں بہت سے صحابہ نے حضور انور سے یہ روایت کی ہے کہ الامامۃ فی قریش یہ بات زیادہ غور طلب ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی نہ اس موقع پر نہ کسی اور دوسرے موقع پر ایسی کوئی حدیث روایت کی جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی اور دیکھو جس وقت صدیق اکبر ایسی کوئی حدیث روایت کی جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی اور دیکھو جس وقت صدیق اکبر سے مسلمان بیعت کر رہے تھے اکثر بنی عبد مناف امیہ اور بنی ہاشم وغیرہ کا میلان حضرت علی کی طرف تھا وہ سب ان کی ولایت کو پسند کرتے تھے باوجود اس میلان کے کسی نے بھی اس نص کا ذکر نہیں کیا نہ حضرت عثمان کے زمانہ میں اس نص کا ذکر آیا خود حضرت علی بھی اخیر تک بالکل خاموش رہے. اور دیکھئے وہ علما بالحدیث دانستہ جو حضرت علی کی ولایت کے قاول ہیں وہ سب متفق اللفظ ہیں کہ خلیفہ ہونے میں علی کا درجہ عثمان غنی کے بعد تھا جیسا کہ ائمہ میں سے امام احمد حنبل وغیرہ کا قول ہے علی کا زمانہ تو فتنے کا اور امت میں اختلاف ہونے کا تھا ان کے زمانہ میں نہ بامت کا اُن پر اتفاق ہوا نہ اور کسی پر ہوا بعض فرقے یعنی کرامیہ کا یہ قول ہے کہ علی بھی امام تھے اور امیر معاویہ بھی امام تھے اور اس فرقے کے اصول کے مطابق ایک ہی وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں ہے اسی طرح یہ

لوگ ابن زبیر اور یزید کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ اس وقت بھی ایک شخص پر مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے مگر انہوں نے بھی حضرت علی کی امامت پر اسی حدیث سے حجت کی ہے جو سُنن میں ہے کہ نبوت کی خلافت تیس برس رہے گی پھر سلطنت ہو جائیگی بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف بھی کہا ہے لیکن امام احمد وغیرہ اسے ثابت مانتے ہیں پس نصوص میں حضرت علی کی امامت پر انکا معتمد علیہ یہی ہے اور اگر کوئی اور سند یا مُرسل حدیث انہیں اسکے موافق ملجاتی تو وہ اُس سے بڑے خوش ہوتے اب خیال تو کرو کہ جس نص کا شیعی دنیا دعوی کرتی ہے اہل علم میں سے کسی نے بھی اسے حضور انور کا قول بیان نہیں کیا نہ متقدمین میں سے نہ متاخرین میں سے اسی واسطے اس نقل کے جھوٹ ہونے کو محدثین یقینی اور بدہی طور پر جانتے ہیں جیسا کہ اسکے سوا نہیں اور چھوٹی روایتوں کا علم ہے اور سب باتوں کو جانے دو اس پر غور کرو کہ اگر یہ نص حضرت علی کے شیعہ معلوم ہوتی تو عادت معروفہ یہ چاہتی ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہ ضرور کہتا جب علی خلافت پر رسول اللہ کی یہ نص موجود ہی تو کیوں نہیں معاویہ پر علی کو مقدم رکھا جاتا. ابوموسی کے مسلمان اور دیندار ہونے میں کسی کو بھی کلام اگر ان ہی اگر ان ہیں معلوم ہوتا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی خلافت کو منصوص کر چکے ہیں تو حضرت علی کے معزول کرنے کو کبھی جائز نہ سمجھتے اور بغرض محال وہ معزول کر بھی دیتے تو اور لوگ اُنکی اس تجویم کا صاف انکار کر دیتے اور کہہ دیتے کہ تم ایسے شخص کو کیوں معزول کرتے ہو جسکی خلافت پر حضور انور نص کر چکے ہیں اس کا ذکر اں لوگوں نے کبھی نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے حجت بھی کی تو اس حدیث سے کہ عمار کو باغی لوگ قتل کرینگے یہ حدیث خبر واحد کا مرتبہ رکھتی ہے یا ممکن ہے کہ اس کے دو یا تین راوی ہوں مگر یہ متواتر تو کسی طرح بھی نہیں ہے اور یہ نص جس پر اوپر سے بحث چلی آتی ہے اسکے قائلین کے نزدیک متواتر ہے پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ خبر واحد سے تو شیعہ علی نے لوگوں کے سامنے حجت کرنا اختیار کر لیا مگر اس نص سے جسے وہ متواتر کا مرتبہ دے چکے تھے انہوں نے اپنا دعوے پیش نہیں کیا۔ اور ہوں ہاں کچھ نہیں. شیعی علماء کی تیسری برہان کل شیعی مجتہد اور علماء متفق اللفظ قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (المائدہ:۳) یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا.

(بقول شیعی علماء) ابو نعیم نے ابو سعید خدری سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ہم سب لوگوں کو غدیر خم میں طلب کیا اور وہاں ایک درخت کے نیچے سے کانٹے وغیرہ صاف کر دینے کا ہمیں حکم دیا اور جب یہ سب ہو گیا تو حضور انور کھڑے ہوئے اور علی کو اپنے پاس بلا لیا پھر ان کے دونوں بازو پکڑ کے اتنا اونچا اُٹھایا کہ لوگوں نے نبی ﷺ کی دونوں بغلیں تک دیکھ لیں اور ابھی لوگ وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اُس پر نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ نے دین کو کامل کرنے اپنی نعمت کو پوری کرنے میری رسالت پر راضی ہونے اور میرے بعد علی کی ولایت ہونے کے ساتھ مجھ پر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے پھر فرمایا (بقول شیعی علماء) مَنْ كُنْتُ مَوْلَا فَعَلِيٌّ مَوْلَا. اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله.

جواب: اس کا جواب چند طرح سے ہے اول یہ کہ استدلال کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت بیان کرنی لازمی ہے محض ابو نعیم کی روایت کی طرف اسے منسوب کر دینا باتفاق تمام علماء کے خواہ سنی ہوں یا شیعہ اسکی صحت کے لیے مفید نہیں ہو سکتا ابو نعیم نے تو اکثر ایسی حدیثیں بھی روایت کر دی ہیں جنکے ضعیف اور موضوع ہونے پر سنی اور شیعہ دنوں کا اتفاق ہے ابو نعیم اگرچہ حافظ. ثقہ، کثیر الحدیث اور واسع الروایت تھا لیکن اسنے اور محدثین کے موافق اناپ شناپ جتنی اسے حدیثیں انہیں نقل کر دیں مثل اسکے اور لوگ بھی اسبات کے عادی ہیں کہ ایک باب کی جتنی حدیثیں انہیں ملیں وہ بے کم وکاست انہیں نقل کر دیں اگرچہ حجت کے قابل ان کی جس روای کا جھوٹا ہونا انہیں معلوم ہو جاتا ہے وہ اسکی روایت ہرگز نہیں لیتے جیسے امام مالک شعبہ. یحییٰ بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی امام احمد بن حنبل یہ لوگ ایسے شخص سے کبھی رایت نہیں کرتے جو ان کے نزدیک ثقہ نہ ہو اور نہ یہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں جسکے راوی کا کذاب ہونا انہیں معلوم ہو جاتا ہے مگر تو بھی کبھی کبھی ان کی جمع کردہ روایتوں میں ایسی روایت ہے ملکم آتی ہے کہ اس کا راوی علانیہ اس میں غلطی کر دیتا ہے. امام احمد اور اسحٰق وغیرہ کبھی ایسی حدیثیں بھی روایت کر دیتے ہیں جو خود ان کے نزدیک بھی ضعیف ہوئی ہیں اس وجہ سے کہ ان کے راوی کم حافظہ وغیرہ ہونے کے ساتھ بدنام ہوتے ہیں اکا خیال ہے کہ ان حدیثوں کو معتبر سمجھائے اور اُن سے استشہاد کیا کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی حدیث کی کوئی ایسی سند بھی نکل آتی ہے جو اُسکے محفوظ ہونے کی شاہد ہوتی ہے. کبھی اس کا راوی در پردہ کذاب ہوتا ہے اور اپنی خوش قسمتی سے کذب

میں مشہور نہیں ہوتا اور کبھی وہ سچی حدیثیں بھی روایت کر دیتا ہے غرض یہ لازم نہیں ہے کہ فاسق جس حدیث کو روایت کرے وہ جھوٹ ہی ہو بلکہ فاسق جس حدیث کو روایت کرے اسکی جانچ پرتال کر لیجاوے یہی حکم خداوند تعالی کا بھی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لاوے تو اسے جانچ لیا کرو غرض ایسی روایت کے درج کرنے کا یہ مقصود ہے کہ اسکی تمام سندوں کو دیکھا جائے کہ وہ اسکے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں یا سچ ہونے پر مگر مشکل یہ ہے کہ اکثر مصنفوں کو اسکی پوری پوری تمیز نہیں ہوتی اور وہ اُسکے جانچ کرنے میں بالکل عاجز ہیں مگر اہل علم کے آگے جب کوئی روایت پیش ہوتی ہے تو ہواُسکے راویوں اور اسکی اسناد میں غور کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث جو شیعی علما و نے ابونعیم کے نام کے ساتھ روایت کی ہے اور جو اوپر درج ہو چکی ہے بالکل جھوٹ اور موضوع ہے جو علما موضوعات سے واقف ہیں ان کا اس حدیث کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے تمام محدثین اسے خوب جانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث کی اُن کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جنکی طرف اہل علم رجوع کرتے اور معتبر سمجھتے ہیں تیسری وجہ صحاح مسانید اور تفسیر تینوں جگہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ آیت حضور انور پر اس وقت نازل ہوئی تھی کہ آپ عرفات میں قیام پذیر تھے ایک دن ایک یہودی نے فاروق اعظم سے یہ کہا کہ آپ کی کتاب (یعنی قرآن مجید میں) ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے یعنی عید کی سی خوشی کرتے فاروق اعظم نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے یہودی نے کہا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ فاروق اعظم نے فرمایا کہ جس دن اور جس جگہ یہ آیت نازل ہوئی تھی مجھے خوب یاد ہے عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی تھی اور حضور انور اس وقت عرفات میں ٹھیرے ہوئے تھے مسلمانوں کی تمام کتابوں میں یہ بات منقول ہے صحاح میں مسانید میں جوامع میں، سیر میں اور تفسیری وغیرہ میں اور یہ دن جب یہ آیت نازل ہوئی عذیر خم کے دن سے نو دن پہلے تھا کیونکہ آیۃ جمعہ کے روز ذی الحجہ کو نازل ہوئی عذیر خم کا واقعہ اٹھا ہوئیں ذی الحجہ کو ہوا ہی جیسا کہ دوسری برہان کے جواب میں ہم بیان کر چکے ہیں ان تمام واقعات مشاہدا اور حجتوں کو سنکے کون کم عقل سے کم عقل شخص بھی یہ کہے گا یہ آیت عذیر خم کے دن نازل ہوئی تھی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں نہ حضرت علی کا کچھ ذکر ہے اور نہ اُن کی امامت کے لیے کوئی دلیل ہے بلکہ جو کچھ اس آیۃ کا مضمون ہے بالکل صاف ہے

کہ اللہ نے دین کے کامل کرنے مسلمانوں پر اپنی نعمت پوری کر دینے اور دین اسلام سے اپنے راضی ہونے کو بیان فرمایا ہے نادان سے نادان شخص بھی اس روشن آیت سے اشارتاً یا کنایتاً بھی حضرت علیؓ کی امامت کی طرف خیال نہیں کرسکتا اب رہا یہ کہ کسی جھوٹی روایت سے اس آیۂ شریفہ میں زبردستی اپنے مدعٰا کا اظہار کرانا ایک ایسا لغو اور مہمل استدلال ہے جسکی وقعت سچ مچ ایک جاہل کی صداوے بے ہنگام سے زیادہ نہیں ہوسکتی. پانچویں وجہ جو حدیث پیش کی گئی ہے اور جس پر ہم گزشتہ صفحات میں کافی طور پر بحث کر چکے ہیں اسکے یہ الفاظ اَللّٰھم وال ومن والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ باتفاق تمام محدثین کے کذب صریح اور بہتان عظیم ہیں باقی یہ مشہور جملہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اسکے بارے میں علماء کے دوقول ہیں جس کا بیان ہم موقع پر کرینگے. چھٹی وجہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی دعا کا مقبول ہونا یقینی امر ہے کوئی مسلمان کسی فرقے کا شاید ایسا نہ ہوجسکا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور وہ مقبول نہ ہوئی مگر شیعی علماء کے اعتقاد کے بموجب وہ دعا جو حضور انور نے حضرت علی کے لئے کی تھی بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچی. مردود اور جھوٹی روایتوں کے تسلیم کرنے کا آخری یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ حضور انور کو معاذ اللہ غیر مستجاب الدعوات ماننا پڑتا ہے مثلاً آپ نے جو حضرت علی کی نسبت دعا کی وہ قبول نہیں ہوئی کیونکہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو صحابہ اور مسلمانوں کی تین جماعتیں ہوگئیں ایک جماعت تو وہ تھی جس نے حضرت علی کے ساتھ ہو کے قتال کیا دوسری جماعت وہ تھی جس نے حضرت علی سے مقابلہ کیا. تیسری جماعت وہ تھی جس نے نہ انہیں مدد دی نہ ان کا مقابلہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر بھی کر آئے ہیں. یہ لوگ جو نیوٹرل تھے یعنی نہ حضرت علی کے ساتھ تھے نہ ان کے مخالف وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے ابن حزم نے لکھا کہ عمار بن یاسر کو ابوالعادیہ نے قتل کر دیا تھا اور یہ ابوالعادیہ ان سابقین میں سے ہے جو مشہور درخت کے نیچے بیعت کر چکے ہیں اور ان سب کے لئے یہ حکم ہوچکا ہے لا یدخل النار منھم احد یعنی ان میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا (یہ بات صحیحین سے ثابت ہو چکی ہے) صحیح مسلم وغیرہ میں جابر سے مروی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا لا یدخل النار احد بایع تحت الشجرۃ ی عنی ان میں سے جو درخت کے نیچے بیعت کر چکے ہیں کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا. حاطب بن بلتعہ کا واقعہ ہم پہلے اپنی کتاب میں ذکر کر چکے ہیں کہ جب اُنکے غلام نے

حضور سے عرض کیا کہ حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا تو حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے جب وہ جنگ بدر اور حدیبیہ دونوں میں حاضر ہو چکا ہے پھر بھلا کیونکر دوزخ میں جاسکتا ہے یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ یہ وہی حاطب ہے جس نے حضور انور کی مخبری مشرکین مکہ سے کی تھی غلام اپنے آقا حاطب سے سخت ناراض تھا اسی لیے اس نے حضور سے جل کے یہ کہا تھا کہ حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا. درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے نہ صرف حضرت علی بلکہ طلحہ اور زبیر سے بھی قتال کیا ہے ان ہی لوگوں میں عمار کا بھی قاتل ہے. درخت کے نیچے بیعت کرتے والوں کی تعداد چودہ سو تھی انہیں کے ہاتھوں پر خداوند تعالی نے خیبر کو فتح کیا تھا جیسا کہ سورۂ فتح میں اسکا وعدہ فرمایا تھا حضور نے خیبر کے غنیمت کے اٹھارہ سو حصے کر کے ان سب میں تقسیم کر دیئے تھے اس فوج میں دو سو سوار اور بارہ سو پیدل تھے ہر سوار کو حضور نے تین حصے دیئے دو اسکے گھوڑے کے اور ایک اس کا حساب سے چھ سو حصے ہو گئے تھے اور باقی بارہ سو حصے پیادوں کو دئے گئے تھے یہ تقسیم صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اکثر اہل علم مثلاً امام مالک امام شافعی اور امام احمد وغیرہ اسی کے قائل ہیں بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ سوار کے حضور نے صرف دو ہی حصے لگا رہے تھے امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں بعض کا قول ہی بلاشک یہ بات ہم مانتے ہیں کہ سابقین اولین میں سے حضرت علی کے ساتھ بہت سے لوگوں نے ہو کر قتال کیا جیسے سہل بن حنیف اور عمار بن یاسر مگر جن لوگوں نے حضرت علی کا ساتھ نہیں دیا وہ ان کے ساتھ دینے والوں سے بدر جہا افضل تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص حضرت علی کے ساتھ ہو کے نہیں لڑے تھے اور یہ بات مسلم اور ثابت شدہ ہے کہ سوائے حضرت علی کے وہ ان کے کل ساتھیوں سے افضل تھے. اور اسی طرح انصار میں سے محمد بن مسلمہ حضرت علی کے ساتھیوں پر فضیلت رکھتے تھے جنکی نسب حضور انور کا یہ قول موجود ہے. ان الفتنہ لا تضرہ یعنی فتنہ انہیں ضرر نہ دیگا اسی وجہ سے انہوں نے یکسوئی اختیار کر لی تھی اور اپنا زمانہ نہ نشینی میں گزار دیا اس حدیث سے خود حضرت علی نے بھی استدلال کیا ہے اور صاف طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ واقعی یہ قتال فسادی قتال تھا اور نہ اسے جہاد کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ مستحب امر میں سے تھا. اب یہ بات دیکھنی ہے کہ اگر امیر معاویہ اور حضرت علی کی لڑائیاں صحیح تسلیم کی لیجاویں تو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ حضرت علی کا لشکر فتح یاب نہیں ہوا بلکہ معاویہ کی فوجوں نے کئی دفعہ فتح پائی انکا نام بلند ہوا اور انہوں نے بڑے بڑے

نصرانی ممالک کو بھی فتح کیا شامی سپاہ کا غلغلہ اور نیک نامی تمام دنیا میں مسلم کی صحیح حدیث میں حضورانور سے مروی ہے آپ نے فرمایا لا نزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق تضرهم من الفهم ولا من خذلهم حتى تقوم الساعة . یعنی قیامت کے قائم ہونے تک میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہیگی مخالف اسے ضرر نہ دے سکے گا اور نہ وہ شخص اس کا ساتھ چھوڑ دے اسے کوئی ضرر پہنچا سکے گا. اس پر معاذ بن جبل نے کہا اس حدیث شریف میں جس طائفے کا ذکر ہے وہ شامی گروہ ہے پھر دیکھو مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضورانور نے فرمایا لا یزال اھل العرب ظاہرین حتی تقوم الساعۃ امام احمد وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اہل عرب سے مراد اہل شام ہیں شامیوں کا پہلا لشکر وہی تھا جس نے امیر معاویہ کی سرگردگی میں قتال کیا وہ کبھی رسوا نہیں ہوا اور اسکی کسی قسم کی رسوائی حضرت علی کے ساتھ قتال کرنے میں بھی نہیں ہوئی پھر شیعی نقطہ خیال سے نبی ﷺ کی یہ دعا کس طرح ہوسکتی ہے کہ اُسے رسوا کر جو علی کو رسوا کرے اور اُسکی مدد کر جو علی کی مدد کرے اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی کو مدد دی تھی خداوند تعالی نے کیوں نہ اُن کی مدد کی اور جن لوگوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا تھا وہ کیوں نہیں رسوا اور ذلیل وخوار ہوئے بس یہ امور ہیں جن سے شیعی علماء کی پیش کردہ حدیث صریح جھوٹی قرار پائی ہے.

شیعی علماء کی چوتھی برہان: (بقول شیعی علماء) قرآن مجید کی آگے آنے والی آیت سے حضرت علیؓ کی امامت ثابت ہوتی ہے اور وہ آیت یہ ہے وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى. (النجم:۱) یعنی قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے کہ تمہارے صاحب (یعنی محمد ﷺ) نہ گمراہ ہیں نہ کرو (بقول شیعی علماء) فقیہ ابن علی مغازی شافعی نے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں اور بنی ہاشم کے چند نوجوان لڑکے نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک ایک ستارہ ٹوٹا تو آنحضرت نے فرمایا جسکے مکان پر یہ ستارہ رک جاے میرے بعد وہی میرا وہی میرا وصی ہے وہ ہاشمی نوجوان سب کھڑے ہو کے دیکھنے لگے تو وہ ستارہ علیؓ کے مکان پر پہنچ کے رک گیا یہ دیکھ کے ہاشمی نوجوان کہنے لگے یارسول اللہ یہ ستارہ تو علی کی محبت میں ڈوگ گیا. اسی وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی گئی ہے.

جواب: اس بہتان عظیم کا جواب کئی طرح سے ہے جو زیادہ غور سے سننے کے قابل ہے. اول نفس آیت کے مضمون کو پیش کردہ روایت کے مضمون سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے روایت کا گھڑنے والا حقیقت میں ایسا بیوقوف تھا کہ اس نے تمام قراون اور ممکنات سے چشم پوشی کر کے آنکھ بند کر کے جو چاہا لکھ مارا اور یہ خیال نہ کیا کہ اس قسم کی جانڈو خانہ کی باتیں کسی صورت سے بھی دائرہ امکان میں نہیں آسکتیں یہ تو ظاہر ہے کہ شب کا وقت ہوگا کیونکہ رات ہی کو ستارے ٹوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی قرینے سے پایا جاتا ہے کہ حضور انور غالبًا میں تشریف رکھتے تھے اور قرینہ اس کا بھی شاہد ہے کہ یہ واقعہ مکہ کا ہو. کتنے غضب کی بات ہے جبکہ مکہ کی آبادی اس وقت جبکہ حضور انور وہاں تشریف رکھتے تھے اسی بے ترتیب تھی کہ بیت حرام یا مسکن نبوی کے بیٹھنے والے کھڑے ہو کے کسی صورت سے بھی کسی کے مکان کا بھی تشخص نہیں کر سکتے تھے اسکے علاوہ مسکن نبی ایسے بلند قطعے پر نہیں بنا ہوا تھا جہاں سے شہر کی تمام آبادی کا نظارہ بخوبی نظر آئے پھر کس طرح ممکن ہے کہ چند نوجوان اٹھیں اور انہیں اندھیرے میں یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ مکان حضرت علی کا ہے اور اسی پر ستارہ ٹوٹا. شیعی علماء اس کا ثبوت دینگے کہ حضرت علی کے مکان پر کوئی بڑا جھنڈا لہلہاتا تھا یا کوئی بجلی کا ہنڈا کسی ستون پر اس طرح آویزاں تھا کہ باقی مکانات میں وہ ممتاز معلوم دیتا تھا جس سے نوجوان یہ سمجھ گے کہ یہ ستارہ حضرت علی کے مکان پر گرا ہے اسکے علاوہ وہ یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ جس وقت ستارہ ٹوٹ کے گرتا ہے تو لوگوں کو دکھاوی تو یہ دیتا ہے کہ وہ فلاں مقام پر گرا مگر یہ صرف جس وقت ستارہ ٹوٹ کے گرتا ہے تو لوگوں کو دکھائی تو یہ دیتا ہے کہ وہ فلاں مقام پر گرا مگر یہ صرف نظری دھوکا ہے وہ اس حد نظر سے جو اس کے گرنے کی قائم کی گئی ہے اس سے ہمیشہ کئی میل ہٹا ہوا ہوتا ہے اتنا بڑا اولوالعزم اور علی شان نبی اور سچ مچ ایک بڑا جلیل القدر حکیم کس طرح ایسی دور از کار باتیں نوجوانوں میں بیٹھ کے کرے گا کہ فلانا ستارہ ٹوٹ رہا ہے جسکے مکان پر گرے وہی میرا وصی ہی عقل کسی طرح بھی باور نہیں کرتی کہ ایسا عظیم الشان مصلح اس قسم کی کیک باتیں کرے اگر فی الحقیقت سہنشاہ عرب وعجم کو اپنا وصی اور خلیفہ حضرت علیؑ کو مقرر کرنا تھا تو آپ صاف طور پر فرما سکتے تھے کہ چاہے ان کے مکان پر ستارہ گرے یا نہ گرے میں نے علی کو اپنا خلیفہ اور وصی بنایا امامت اور خلافت کا منصب اعلان باقاعدہ امت میں نہ کیا جاوے. یہ کام واقعی سب سے بڑا اور سب سے اہم تھا کیا اسکی تکمیل اور سرانجام اس صورت سے ہو سکتا تھا کہ چند

نوجوان لڑکے حضور کی خدمت میں حاضر ہیں کہ اتنے میں ستارہ ٹوٹا اس پر حضور نے یہ ارشاد کیا کہ جسکے مکان پر یہ گرے گا وہی میرا وصی ہوگا. ان بچوں نے سنا ستارہ گرتا ہوا دیکھا اور خاموش اپنے گھر چلے گئے نہ انہوں نے اپنے والدین سے ذکر کیا کہ آج علیؓ وصی قرار پائے ہیں. نہ حضرت علیؓ نے اس بات کو سنا کہ میں ستارہ ٹوٹنے سے وصی قرار پایا ہوں نہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے نہ اُسکی تصدیق کی نہ مکہ میں کچھ غل مچا کہ آج علی وصی قرار پائے ہیں ان باتوں پر رواتیں گھڑنے والے نے ذرا بھی توجہ نہیں کی اور جب آیت اور اس گھڑی ہوئی روایت کا مضمون ملایا جاوے گا تو بعد المشر قین معلوم ہوگا. وہاں تو خداوند تعالی دینا کے مقابلہ میں اپنے محترم نبی پر سے کجروی اور گمراہی کا الزام اُٹھاتا ہے اور یہاں حضرت علی کو وصی قرار دینے کا ایک عجیب ڈھکنسلا بنایا ہے. کوئی شک نہیں کہ ہٹ دھرمی اور جہالت انسان کو نہ صرف دنیا میں ذلیل وخوار کرتی ہے بلکہ خداوند تعالی کی عالی بارگاہ سے بھی سرکش اور بغاوت کے جرم میں نکال دیا جاتا ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ بلا علم کے کوئی بات کسی نص اور اجماع دونوں سے قطعی حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ (الاسراء:۳۶) یعنی ایسی چیز کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (الاعراف:۳۳) یعنی کہہ دو میری پروردگار نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں اور گناہ کو تا اور ناحق سرکشی کو بھی حرام فرمایا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جسکی اللہ نے کوئی سند نہیں اُتاری اور یہ کہ تم اللہ پر اقرار کر کے وہ بات کہو جس تم نہیں جانتے پھر خالق مطلق فرماتا ہے۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (آل عمران:۶۶) یعنی دیکھو تمہیں وہ ہو جسمیں تمہیں کچھ علم تھا اس میں تو تم جھگڑ ہی چکے اور جسکی تمہیں خبر نہیں اس میں تم کیوں جھگڑتے ہو. پھر فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المؤمن:۳۵) یعنی جو لوگ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جو انہیں پہنچی ہو جھگڑتے ہیں تو ان کا یہ جھگڑتے ہیں تو ان کا یہ جھگڑنا اللہ کے نزدیک اور ایمان داروں کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ

(الروم:۳۵) یعنی کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے اور وہ اسے بیان کرتی ہے جسے یہ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں پھر فرمایا۔ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ o فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الصّٰفّٰت:۱۵۶، ۱۵۷)) اور فرمایا اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ. (النجم:۲۳) اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ پیغمبر لائے ہیں سلطان یعنی سند ہے، ہم قرآن کو بھی سلطان کہتے ہیں اور حدیث کو بھی مگر حدیث کے متعلق ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جب تک نقل صادق سے صاف طور پر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ پیغمبر کا پیغمبر کا ارشاد ہے ہم اسے کبھی سلطان نہیں کہنے کے جو شخص اس چیز سے حجت کرے جسکی نسبت اسے حضور انور رسول اللہ ﷺ سے کی ہے تو یہ اس پر فرض ہے کہ حجت لانے سے پہلے وہ اُسکی صحت معلوم کرے ورنہ قائل بلا علم اور مستدل بلا علم ہوگا۔ جب یہ بات صاف طور پر ثابت ہو چکی کہ فضائل میں جتنی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں جھوٹ اور سچ دونوں گڈمڈ ہو رہے ہیں تو پھر ایسی کتابوں کی روایتوں پر اعتبار کر لینا کتنا بڑا نا قابل معافی جرم ہے جسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم میں اور حضور انور رسول اللہ تعالیٰ میں سینکڑوں مسلمانوں کا واسطہ ہے اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آپ سے یا صحابہ سے نقل کرنے میں سچ اور جھوٹ کی ضرور آمیزش ہو جاتی ہے اسی خیال سے حضور انور نے ایک دن صاف طور پر یہ فرمایا تھا۔ سیکذب علی۔ یعنی مجھ پر عنقریب جھوٹ بولا جائیگا جب یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی تو اب کسی فرعی یا جزوی مسئلے میں حدیث سے حجت لانا کسی کو بھی جائز نہیں ہے جب تک کہ حدیث کی صحت پورے طور سے ثابت نہ ہو جائے جب فرعی اور جزوی مسائل کی یہ کیفیت ہی تو اصولی مسائل میں ایسی غیر روایت سے حجت لانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ جس سے خیر القرون کے جمہور مسلمان سادات اولیاء اللہ اور مقربین پر اعتراض ہوتا ہو۔ دوسری وجہ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے فقیہ ابن علی مغازی شافعی جو اس جھوٹی حدیث کا روائی ہے وہ مثل ابونعیم کے مغازی اہل حدیث میں سے نہیں ہے نہ وہ محدث ہے اسکا شیوہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے فضائل میں جتنی روایتیں جن جن کتابوں میں اسے ملیں آنکھ بند کر کے وہ انہیں نقل کر دے اسی طرح اخطب خوارزم نے بھی یہی کیا یہ دونوں حدیث سے محض نابلد رہتے ان میں سے ہر ایک شخص کی جمع کردہ روایتوں میں قریب قریب سب ہی موضوع، غلط اور جھوٹی روایتیں ہیں۔ حدیث میں معمولی معرفت

رکھنے والا بی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے. اب رہی یہ بات کہ ان دونوں نے عمداً یہ سمجھ کے یہ جھوٹی روایتیں ہیں جمع کر لیں یا انہیں غلط صحیح کے پہچاننے کی تمیز نہیں تھی اس لیے یہ غلط روایتیں ہو گئیں غرض کچھ ہو کیا انہوں نے بڑا غضب کہ ہزاروں جاہل مسلمانوں کو گمراہ کر دیا. اس روایت کو شیخ ابوالفرج نے موضوعات میں ذکر کیا ہے یہی روایت ایک دوسرے طریق سے شیعی کتابوں میں بڑے طم طراق کے ساتھ درج کی گئی ہی یعنی محمد بن مروان نے کلبی سے انہوں نے ابوصالح سے اُنہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ ساتویں آسمان پر پہنچے اور اللہ نے ہر آسمان پر اپنے محبوب کو بڑے بڑے عجائبات دکھائے تو صبح کو وہ عجائبات آپ اپنے ہم نشینوں میں بیان فرمانے لگے اہل مکہ میں سے بعض نے آپ کی تصدیق کے آنحضرت نے فرمایا دیکھو یہ کس کے گھر میں پڑتا ہے جسکے گھر میں پڑے گا میرے بعد ہی میرا خلیفہ ہو گا لوگوں نے اس ستارہ کو ڈھونڈا تو وہ علی بن ابوطالب کے گھر میں گرا اس پر اہل بیت کی محبت میں پڑ گئے ہیں اور اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی کی طرف جھک گئی ہیں اسوقت مذکورہ بالا سورۃ نازل ہوئی. اس دوسرے طریقے کی روایت کی کیفیت سنئے یہ بھی اپنی پہلی روایت کے موجب موضوع اور جھوٹ ہی اسکی اسناد پر تاریکیوں کے پروے پڑے ہوئے ہیں مثلاً اسکے راویوں میں ایک شخص ابوصالح ہے دوسرا کلبی تیسرا محمد بن مروان کلبی کی حقیقت سنئے بقول ابن حبان کے کلبی کا یہ مذہب تھا کہ علی مرے نہیں کہیں چھپ گئے ہیں وہ پھر دنیا میں ایک دفعہ ظاہر ہوں گے. ایک دن یہی کلبی اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا بادل کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا کلبی کہنے لگا دیکھو علی اس بادل میں پوشیدہ ہیں لہذا ایسے شخص کی روایت سے دلیل بیان کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے اس کلبی اور اُس کے ساتھ دوسرے دوست راویوں کی بیوقوفی دیکھئے کہ روایت کا سارا بار ان لوگوں نے ابن عباس پر ڈالا ہے گویا یہ سب ملکے ابن عباس سے روایت کرتے ہیں. کتاب شہادت کا ناظر مارے ہنسی کے لوٹ جائیگا جب یہ سنے گا کہ معراج کے وقت ابن عباس صرف دو برس کے تھے اس حدیث کے راویوں نے اس حدیث کو صحیح بنانے کے لیے بڑی بڑی چالاکیاں اور کرتب کیے ہیں یاروں نے چالاکی سے اسکی سند کو بدل دیا ہی اور ابوبکر عطار اور ابوقضاعہ ربیعہ بن محمد کے طریق سے ایک غریب اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے مثلاً ابوبکر اور ابقضاعہ کہتے ہیں کہ ہم سے ثوبان ابن ابراہیم نے مالک بن غسان نہشلی نے ان سے انس نے یہ بیان کیا کہ نبی

ﷺ کے زمانہ میں ایک ستارہ ٹوٹا تھا تو اس وقت آپ نے فرمایا اس ستارے کو دیکھو جسکے گھر میں یہ گرے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہے۔ انس کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا وہ علی کے گھر میں گر گیا اسی بات پر بہت سے لوگ کہنے لگے کہ محمد ﷺ تو علی کی محبت میں گمراہ ہو گئے اس پر یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی اوپر کی روایت میں تو ابن عباس پر سارا بارڈالا گیا تھا یہاں انس کو پکڑا وہی تماشہ یہاں بھی موجود ہے۔ انس معراج کے وقت مکہ میں تھے ہی نہیں انہیں اس آیۃ کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے اس لئے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی حضور انور نے مدینہ منورہ آنے سے پہلے انس کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی اس کے علاوہ اسکی اسناد میں بہت سی خرابیاں ہیں یہ ثقات سے ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جو صحیح نہیں ہوتیں پھر ثوبان کو لو اگر چہ یہ ذی النون مصری کا بھائی ہے لیکن حدیث بیان کرنے میں ضعیف راویں کا سرتاج ہے پھر ابو قضاعہ کو لو یہ شخص منکر الحدیث اور متروک الحدیث ہے اب رہی ابو بکر عکطار وہ مجہول ہے ان زٹلیات سے غضب خدا کا کلام خدا کی آیتوں کی تفسیر کی جاتی ہے **لاحول ولاقوہ**۔ تیسری وجہ سورۂ نجم کا نزول ابتدائے اسلام میں ہوا ہی علی اسوقت بچے تھے اور بالغ بھی نہ ہوئے تے نہ ابھی خاتون محشر سے ان کی شادی ہوئی تھی نہ نماز کے فرائض نہ زکوۃ جاری ہوئے تھے نہ بیت اللہ کا حج نہ رمضان کے روزے اور نہ اسلام کے عام قواعد تلقین کئے گئے تھے پھر یہ امامت کی وصیت کرنے کا امر قبل از وقت کس طرح سے پیدا ہو گیا ادھر تو شیعی علماء اسپر گرے پڑتے ہیں غدیر خم میں حضرت علی کا امامت بابت پیغمبر خدا نے وصیت کی یا اعلان دیا اُدھر یہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے ہی ایسا ہو چکا تھا۔ ''بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا'' چوتھی وجہ تمام مفسروں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ستارہ جسکی یہاں قسم کھائی گئی ہے اس سے یا تو آسمان کے ستارے مراد ہیں یا قرآن کے ستارے اسکے خلاف یہ کسی نے نہیں کہا کہ اس ستارہ سے وہ ستارہ مراد ہی جو مکہ میں کسی کے گھر میں آپڑا تھا۔ پانچویں وجہ اگر ستارہ عذابی ستارہ تھا تو اس کا کسی شخص کے گھر میں نازل ہونا گھر والے کے لیے باعث امامت یا کرامت ہرگز نہیں ہو سکتا اور اگر یہ آسمانی ستارہ تھا تو آسمانی ستارے جو عظیم الشان کرے ہیں اور جو ہمارے اس کرۂ ارض سے لاکھوں درج بڑے ہیں اپنے نظام سے علیحدہ ہو کے زمین پر نہیں گر سکتے اور اگر یہ ستارہ شہاب ثاقب میں سے تھا تو شہاب ثاقب شیاطین کو مارنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں ان کا زمین پر گرنے کا کوئی کام نہیں ہے اور اگر بطور تفنن اس بات کو مان لیں کہ جس شیطان

کے وہ مارا تھا وہ شیطان حضرت علیؓ کے گھر میں گھس گیا تھا تو اسمیں حضرت علیؓ کی کرامت کیا ہے حالانکہ یہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اور ایک تعلیم یافتہ انسان کبھی ایسے مزخرفات پر توجہ نہیں کرسکتا۔

شیعی علما کی پانچویں برہان: شیعی علماء حضرت علی وغیرہ کی عصمت اور امامت کے بارے میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:۳۳) یعنی اے نبی کے گھر والو سوائے اسکے نہیں کہ اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے۔ (بقول شیعی علما) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ علی کو میں اُن کے گھر ڈھونڈنے گیا تو فاطمہ زہرا نے یہ جواب دیا کہ وہ رسول اللہ کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ میں یہ سن کے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ اور علی آ رہے ہیں چنانچہ وہ مکان میں چلے آرہے اور میں بھی اُن کے ساتھ چلا آیا رسول اللہ نے علی کو اپنے بائیں طرف بٹھایا فاطمہ زہرا کو دائیں طرف اور حسینؓ کو اپنے آگے پھر انہیں اپنا کپڑا اڑھا دیا اور مذکورہ آیۃ پڑھی (بقول شیعی علماء) ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ میرے گھر تھے کہ فاطمہ زہرا ایک پتیلی لیے ہوئے میرے پاس آئیں اس پتیلی میں حریرہ تھا حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے میاں اور دونوں بچوں کو بلالاؤ وہ گئیں اور تینوں کو بلالائیں یہ سب اندر آکے بیٹھ گئے اور حریرہ کھانے لگے ان کے نیچے ایک چادر بچھی ہوئی تھی میں اپنی کوٹھری میں نماز پڑھ رہی تھی کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ آیت نازل فرمائی رسول اللہ نے اسی چادر کا ایک چلہ جو زیادہ نکلا ہوا تھا ان سب کو اُڑھا دیا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ باہر نکال کے آسمان کی طرف اُٹھائے اور فرمایا هٰؤُلَاءِ اَهْلِ بَيْتِيْ فَاَذْهَبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔ یعنی میرے اہل بیت یہی ہیں پس راوے اللہ تو ان کی ناپاکی دور کردے اور انہیں خوب پاک کردے یہ الفاظ آپ نے کئی دفعہ فرماوے پھر میں نے بھی اپنا سر اس چادر میں کرلیا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا ہاں تو بھی بہتر اوی کی طرف ہے۔ (بقول شیعی علماء) اس آیت میں چند تاکیدوں کے ساتھ عصمت کی دلیل ہے اوّل تو تاکید کے لیے انما کا لفظ ہے دوسرے خبر میں لام داخل ہے اور تَطْهِيْرًا۔ کے ساتھ خطاب کرنے میں ایک قسم کی خصوصیت ہے کہ انہیں ولایت ہونی چاہیے جس کا انہوں نے اپنے

چند اقوال میں دعوے بھی کیا تھا خود بھی جانتا ہے چنانچہ ایک موقع پر فرمایا کہ ابن ابی قحافہ نے امامت زبردستی دبالی ہے حالانکہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ امامت میں میرا مرتبہ ایسا ہے جیسا چکی میں کیلی کا مرتبہ ہوتا ہے بس اس دلیل سے علی ہی امام ہوئے۔

جواب: مسلم نے حضرت علی عائشہ صدیقہ سے اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیث شیعی علماء کی وہ فی الجملہ صحیح ہے مسلم کی یہ حدیث ہے جسکی ناقل حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں کہ ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ باہر تشریف لے گئے آپ ایک سیاہ خط والی اونی چادر اوڑھے ہوئے تھے اتنے میں علی اور حسن آپ کے پاس آ گئے آپ نے انہیں اپنی چادر میں کر لیا پھر حسین آئے انہیں بھی چادر میں لے لیا پھر فاطمہ زہرا آئیں انہیں بھی وہی چادر اُڑھا دی اور پھر مذکورہ آیت پڑھی۔ یہ واقعہ امام احمد اور ترمذی کی روایت میں ام سلمہ سے مشہور ہے لیکن اس میں نہ اہل بیت کے معصوم ہونے کی کوئی دلیل ہے نہ ان کی امامت کی کوئی دلیل اسی مضمون کی جس سے اللہ تعالیٰ کا ایک چیز کے لیے ارادہ پایا جائے دوسرے اس کی راضی ہونے کا اظہار ہو قرآن مجید میں اور بہت سی آیتیں موجود ہیں جن میں سے ہم چند یہاں نقل کرتے ہیں۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ اور يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ:۱۸۵) اور يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (النساء:۲۶،۲۷)

ان سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ مراد کی محبت اور اس کا راضی ہونا پایا جاتا ہے۔ اور یہی اس نے کل مسلمانوں کے لئے مشروع کیا اور انہیں اسی کا حکم دیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ اس اپنی مراد کو اسنے پیدا بھی کر دیا اور نہ اس کا ذکر ہے کہ اسے وہ لکھ چکا اور مقدر چکا نہ اس کا کہیں جو یہ دعا کی تھی کہ الٰہی تو پلیدی دور کر کے انہیں خوب پاک کر دے اگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا کہ اسنے ان کی پلیدی دور کر دی ہے اور انہیں خوب پاک کر دیا ہے تو پھر رسو اللہ کو اس دعا مانگنے کی ضرورت نہ ہوتی آپ کا دعا کرنا اس امر کی صاف دلیل کہ نہ ابھی اللہ نے ان کی پلیدی دور کی نہ انہیں پاک کیا۔ قدریہ کا عقیدہ بالکل اس مطلب ہمزبان ہے ان کے نزدیک اللہ کے ارادے میں مراد کے پورا ہونے

کا ذکر نہیں ہوتا یعنی ان کے نزدیک ضرور نہیں ہے کہ جس کام کا اللہ نے ارادہ کیا وہ ہو ہی جائے بلکہ وہ کبھی ایسے کام بھی ارادہ کرتا ہے جو نہیں ہوتا اور کبھی ایسا کام ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا غرض ان کے نزدیک اللہ تعالی کا کسی کام کے ارادہ کر لینے میں اس کام کے ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اب تماشہ دیکھئے کہ شیعی علما اور ان کے ہم خیال سب قدریہ ہیں مگر اس آیت پر بحث کرنے میں اُنہوں نے اپنے اصول عقاود کو بالائے طاق رکھ دیا ہے انہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ارادے میں تکمیل کو بھی شریک کر لیں ان کے عقیدے کے بموجب تو اللہ تعالی نے روئے زمین کے تمام مخلوق کے ایمان لے آنے کا ارادہ کیا تھا مگر اسکی یہ مراد پوری نہیں ہوئی۔ یہ تو قدریہ اور شیعہ کے عقائد اور اصول سے بحث کی گئی ہی اب اہل اثبات کے عقائد سنئے وہ کہتے ہیں اللہ کی کتاب میں ارادے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارادہ شرعیہ دینیہ جس میں اللہ کی محبت اور اس کی رضا مندی شامل ہے۔ دوسرا ارادہ کونیہ قدریہ جس میں کام کا پیدا کرنا اور اسے مقدر کرنا شامل ہی پہلے قسم کے ارادے کی مثالیں وہ آیتیں ہیں جو ابھی ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ دوسری قسم کے ارادے کی مثال اللہ کے اس قول میں پائی جاتی ہے فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (الانعام:۱۲۵) یعنی اللہ جسے ہدایت کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو سلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے۔ اس طرح حضرت نوح کا قول قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ نقل کیا ہے۔ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ. (ہود:۳۴) یعنی اگر میں چاہوں تمہاری خیر خواہی کروں تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گی اگر اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے۔ اکثر قدریہ اور اہل اثبات ارادے کی ایک ہی قسم قرار دیتے ہیں جیسا انہوں نے ارادے اور محبت کو ایک ہی چیز ٹھہرایا ہے پھر بعض قدریہ محبت سے ارادے کو علیحدہ کرتے ہیں ان کے نزدیک جسے یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کی مراد ہے یعنی اس کا اسنے ارادہ کر لیا ہے تو اس کا ہونا لازم نہیں ہے مثلاً اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ مومنین کی توبہ قبول کر لینے اور انہیں پاک کر دینے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے توبہ نہیں کی ہے اسی طرح بعض ایسے ہیں جو پاک نہیں ہوئے اس آیت میں تو

صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے اور پلیدی دور کر دینے کا ارادہ کیا ہے اس سے کیونکہ اس ارادے کے عملی صورت میں آنے کی شہادت پائی جاتی ہے. مسلم کی اس چادر والی حدیث نے جسے ہم صحیح تسلیم کر چکے ہیں اس آیت کا پورا مطلب سمجھتے ہیں ایک انتشار سا پیدا کر دیا ہے ممکن ہے کہ اس حدیث کا وہ ٹکڑا جس میں آیۂ تطہیر مذکور ہی الحاقی ہو حضرت علی خاتون محشر اور حسنین کو چادر اُڑھائی تو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر چادر اُڑھانے کے بعد خصوصیت کے ساتھ آیت تطہیر پڑھنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا جبکہ اس آیت کو اوّل سے دیکھنے کے بعد صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ ازواج کے لیے نازل ہوئی تھی چنانچہ آیت شروع سے یہ ہے یٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:۳۲ تا ۳۳) اے نبی کی بیبیو! اگر تم پرہیز گاری کرو تو تم مثل کسی (معمولی دیہاتی) عورت کے نہیں ہو بلکہ تمھارا بڑا مرتبہ ہے) پس تم (اجنبی مردوں سے) بات کرنے میں نرمی نہ کرو (اگر ایسا کروگی) تو جسکے دل میں بیماری ہے وہ (کچھ اور) آرزو کرے گا اور تم اچھی بات کاہ کرو اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو اور اگلی جاہلیت کے ظاہر کرنے کی مثل تم (اپنی زینت) ظاہر نہ کرو اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو سوا اسکے نہیں کہ اے (نبی کے) گھر والو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کی دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے. یہاں سارا خطاب رسول اللہ کا ازواج پاک سے ہے اور امر ونہی اور وعدے وعید بھی انہیں سے کئے گئے ہیں اخیر آیت میں میں جو اہل بیت کا لفظ آیا ہے اس سے یہ صاف طور پر پایا وہی مخاطب ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ سوا وے ازواج کے کسی دوسرے کو آل اور اہل بیت میں شریک نہ کیا جائے بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آیت تطہیر کس کے لیے نازل ہوئی ہے اور اسکا کیا مقصد ہے. آل محمد میں علماء کا اختلاف ہی کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں بعض کا قول یہ ہی کہ آپ کی اُمت مراد ہے اور یہ قول اصحاب محمد اور امام مالک وغیرہ کا ہی بعض کہتے ہیں کہ آپ کی امت کے متقی لوگ مراد ہیں اور اُنہوں نے اپنے قول کی تائید میں ایک حدیث روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ال محمد کل مومن تقی. یعنی ہر مومن متقی آل محمد

ہے اس حدیث کو خلال نے نقل کیا ہے اور امام احمد وغیرہ کے اصحب نے اس حجت کی ہے اگر یہ حدیث موضوع ہے۔ صوفیوں کا ایک فرقہ اسہات کا قاول ہی کہ آل محمد میں خواص الاولیاء داخل ہیں جسکا ذکر حکیم ترمذی نے کیا ہے ہمارے خیال میں آل محمد میں آپ کے اہل بیت شامل ہیں۔ امام احمد اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہی تشریف ابو جعفر نے بھی اسکے ساتھ اتفاق کیا ہے اب بحث یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ قرآن مجید صاف طور پر کر چکا ہے بلکہ مذکورہ آیت سے تو یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اہل بیت میں سوائے ازواج پاک کے اور کوئی شریک نہیں ہے مگر علماء کی جودت طبع نے اس پر خوب خوب بحث کی ہی لہذا اس معاملہ میں کہ ازواج اہل بیت ہیں یا نہیں علماء کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ازاوج اہل بیت میں سے نہیں ہیں اور یہ قول فقط زید بن ارقم کا سمجھنا چاہیے جو زیادہ قابل وقعت نہیں ہے دوسرا قول ییہ ہے کہ حضور انور کی ازاوج آپکی آل اور اہل بیت میں داخل ہیں اور اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے صحیحین سے یہ بات ثابت ہے ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کو یہ درود سکھائی تھی اللھم صلی علی محمد وازواجہ وذریتہ دوسری دلیل یہ ہی کہ اللہ تعالی نے ابراہیم اور لوط علیہ السلام کی بی بیوں کو ان ی آل اور اہل بیت کہہ کے پکارا ہی جو قرآن مجید سے ثابت ہی پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی بی بیاں ان کی آل اور اہل بیت سے کیوں نہ ہونگی۔ تیسری دلیل وہی ہے جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں کہ مذکور آیت میں اہل بیت ہونا ازواج ہی کے لیے مخصوص کر دیا اب رہی یہ بحث کہ آپکے اولیا کون ہیں تو یہ صاف طور سے ثابت ہوگئی کہ آپ کی اُمت کے متقی آپ کے اولیاء ہیں جیسے صحیح میں ثابت ہے حضور نے فرمایا ہے ان آل بنی فلان لیسی الی باولیاء وانما ولی اللہ وصالح المومنین ۔ یعنی فلاں کے گھر والے میرے اولیاء نہیں ہیں بلکہ میرا اولی اللہ اور صالح (مسلمان) مومن ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کے اولیاء نیک بخت مسلمان ہیں اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے ان اولیائی المتقون حیث کانوا واین کانوا اس کے علاوہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (التحریم:۴) پھر صحاح میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں یہ آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہ نے عرض کیا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں حضور انور نے ارشاد کیا نہیں میرا یہ مطلب نہیں تم بھی میرے بھائی ہو اور میرے صحابہ ہو

ایک وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور بلا مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے. لہذا وہ بھی میرے بھائی ہوئے. جب یہ بات ثابت ہوگئی تو آپ کے اولیا و پرہیزگار مسلمان ہوئے آپ میں اور اُن میں دین کی. ایمان کی اور تقوی کی قرابت ہے اور یہ قرابت دینیہ قرابت طبعیہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو قرب ہے دلوں اور روحوں کے درمیان ہے وہ اس قرب سے بدر جہا بڑھ کے ہے جو اجسام کے درمیان ہے اس لیے ساری خلقت سے افضل آپ کے اولیاء پرہیزگار مسلمان ہیں اب رہی آپ کے قرابت داروں میں مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں نیک بھی فاجر بھی ہیں غرض سب طرح کے ہیں ان قرابت داروں کی فضیلت اگر ہو سکتی ہے تو ایمان اور تقوے کی وجہ سے اور اسی وسیلے سے وہ حضور اولیا بن سکتے ہیں اس کے مقابلہ میں نسب یا قرابت کی وجہ سے وہ حضور کے اولیا نہیں ہو سکتے. یقیناً اور بلاشک ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہوگی کہ آپ کے اولیاء مرتبہ آپ کی آل سے زیادہ ہیں اب رہا پر درود بھیجنا تو اس درود سے یہ لازم نہیں بھیجی گئی ہے حضور انور کے اُن اولیا سے افضل ہو جائیں جن پر درود نہیں بیجی جاتی اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ تمام اور مرسلین آپ کے سارے اہل بیت سے افضل ہیں اگر چہ وہ تابع ہو کے آپ کے ساتھ درود میں داخل نہ ہوں . خلاصہ یہ ہے کہ مفضول میں کبھی کوئی امر مخوص بھی ہوا کرتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس خاص امر سے یا اس خصوصیت سے وہ مفضول فاضل سے افضل ہو جائے. اب سوال یہ ہے کہ اگر شیعی علما یا اور لوگ ان کے ہم خیال بنکے یہ کہنے لگیں کہ قرآن مجید اس ارادے کے ہو جانے پر دلالت نہیں کرتا جو اہل بیت کو پاک کرنے اور انکی پلیدی کو دور کرنے کی بابت کیا گیا ہے لیکن یہ بات تو تسلیم کرنی پڑے گی کہ نبی ﷺ کا دعا کرنا اسکے ہو جانے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ کی دعا مقبول ہوتی ہے. اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف اس دعوے کے ثبوت ہرگز دلالت نہیں کرتا اور یہاں ہمارا مقصود فقط یہی ظاہر کرنا ہی شیعی علماء نے جو دعوے پاکیزگی ثابت کرنے اور پلیدی رفع کرنے کی بابت کیا تھا وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسا دعوی عصمت اور امامت پر دلالت کرتا ہے اب رہا حدیث سے استدلال کرنا یہ علیحدہ بحث ہے. اس کے علاوہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اہل بیت کے پاک ہونے اور اُنکی پلیدی دور کرنے پر قرآن شریف دلالت کرتا ہے جیسے کہ مقبول دعا کا مقتضا یہ ہے کہ جن کے حق میں وہ دعا کی گئی ہو وہ اس کے مستحق ہوں تو بھی اس میں کوئی ایسا امر نہیں

ہے جوان کی خطا سے معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہو وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی بی بیوں کو اللہ نے جو حکم دیا ہے کہ ان میں کسی سے کوئی خطا سرزد نہ ہو تو اس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ اس لیے کرتا ہے تا کہ ان کا وہ رجس دور کردے جو پلیدی ہے جیسے فواحش اور انہیں اس عیب سے خوب پاک کر نا دو طرح ہے۔ اوّل یہ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. دوم اس قول اللہ میں ہی إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ. ازواج کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَنْ يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ. (الاحزاب:۳۰) گناہ سے پاک ہونا یا تو یہ ہی کہ بندہ اسے کرے ہی نہیں یا یہ ہی کہ کر کے توبہ کرے اصل یہ ہے کہ وہ پاکیزگی جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے اور جسکی حضور انور رسول ﷺ نے دعا کی تھی وہ باتفاق عصمت نہیں ہی کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک تو سوائے نبی ﷺ کے کوئی معصوم نہیں ہے مگر شیعوں کا قول یہ ہے کہ سوائے نبی ﷺ اور امام کے کوئی معصوم نہیں ہے پھر اس قول کے بموجب حضور کی ازواج اور صاحبزادیوں وغیرہ خواتین میں عصمت تسلیم نہیں کی گئی وہ عصمت جو نبی ﷺ اور امام کے لیے مختص ہی اور جب اسکی یہ صورت ہی تو اس پاکیزگی میں جسکی فاطمہ زہراء علی حسن اور حسین کے حق میں دعا کی گئی ہے اس عصمت کی دائرے میں نہیں آتی جو حضور انور کیساتھ مختص ہے اور بقول شیعی علماء امام کے ساتھ بھی۔ پس حضور انور کی اس دعا کرنے میں کسی کیلیئے عصمت ہونیکی دلیل نہیں ہے نہ حضرت علی کے لیے نہ اور کسی کے لئے کیونکہ یہ دعا پاکیزہ کرنے کی ہے جس میں یہ چاروں برابر ہیں اس میں کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے۔ پھر ملاحظہ فرمایئے کہ قدریہ کے قاعدے کے مطابق گناہوں سے معصوم ہونے کی دعا کرنا بالکل ممتنع ہے بلکہ پاکیزہ کرنے کی دعا بھی ان کے خیال کے بموجب ممتنعات میں شامل ہے کیونکہ وہ افعال اختیار یہ جو فعل واجبات اور ترکِ محترکات ہیں ان کے نزدیک اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ بندے کو مطیع کرسکتا ہے۔ نہ عاصی اور نہ وہ کسی کو گناہوں سے پاک یا ناپاک کرسکتا ہے غرضکہ ان کے قاعدے کے بموجب کسی کے حق میں بھی یہ دعا کرنا متمنع ہے اللہ تعالےٰ کسی شخص کو واجبات ادا کرنے والا اور محرمات ترک کرنیوالا کردے اس کے مقابلہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ مقدور قدرتی طور پر خیر وشبہ کرنے کی قابلیت رکھتا ہی جیسا کہ تلوار مسلمان اور کافروں کی گردن کاٹنے کی قابلیت رکھتی ہے اور جیسا کہ مال طاعت اور معصیت دونوں میں خرچ ہوسکتا ہی ان کا عقیدہ

ہے کہ اس قدرت کی وجہ سے بندہ سب کچھ اختیار سے کرتا ہی خواہ نیکی کرے یا بدی قدریہ کا یہ قاعدہ
شیعی علماء کی حجت کو بالکل باطل کر دیتا ہی اور جو حدیث شیعی علماء اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اُلٹا
انہیں کے حق میں وہ مضر ٹھیرتی ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے صرف پاک کر دینی کی دعا کی تھی۔
اب اگر یہ کہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی اہل بعیت کی مغفرت کر دے اور ان سے مواخدہ نہ
کرے اس سے بھی عصمت کی دلیل نہیں نکلتی ہر پہلو سے دیکھو ثبوت عصمت کے لیے کسی طرح بطی
یہ حدیث دلیل نہیں ہوسکتی۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ خود حضرت علی نے بھی اس کا دعوے کیا تھا اور جب
اُن سے رجس کی نفی یعنی پلیدی دور ہونی ثابت ہوگئی تو وہ سچے ہوئے اس کا جواب بھی چند طرح
سے ہے۔ اول یہ کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علیؓ نے ایسا دعوی کیا تھا بلکہ ہم یقیناً اور صراحتاً
جانتے ہیں کہ عثمان غنی کہ شہید ہونے تک کبھی حضرت علی کی زبان سے امامت کے دعوے کا ایک لفظ
بھی نہیں نکلا ممکن ہے کہ ان کے دل میں امام بنے کی آواز ہو لیکن اپنی زبان سے انہوں نے کبھی یہ
نہیں کہا کہ میں امام ہوں معصوم ہوں یا مجھے رسول اللہ ﷺ نے امام مقرر کر دیا تھا۔ نہ حضرت علی نے کبھی
یہ کھا کہ میری مقابعت لوگوں پر واجب تھی اور نہ اس قسم کے اور کچھ الفاظ منہ سے نکالے ہم یقینی طور
جانتے ہیں کہ جس نے یہ الفاظ یا ایسے ہی اور الفاظ حضرت علی کی طرف سے نقل کیے ہیں بیشک اس
شخص نے ان پر بہتان عظیم اُٹھایا اور ان کے ذمے جھوٹ رکھا ہمیں پورا پورا یقین ہے کہ حضرت علی
متقی اور سچے تھے وہ ایسا چھوٹا دعوی جسکے جھوٹ ہونے کا سارے صحابہ یقین جانتے ہوں کبھی نہیں
کر سکتے تھے باقی حضرت علی کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ انہوں نے خود فرمایا تھا کہ ابن ابی قحافہ نے
امامت زبردستی دبالی ہے حالانکہ یہ میرا حق ہے میں ایسا ہوں جیسے چکی میں قطر یہ بھی محض غلط ہے
حضرت علی نے کبھی ایسا دعوی نہیں کیا اس نقل کی ایسی اسناد کہاں ہیں کہ ثقہ راویوں سے مسلسل حضرت
علی تک انہیں نقل کیا ہو یہ اسناد کبھی کسی طرح قیامت تک نہیں مل سکتیں ہاں اس قسم کی باتیں نہج البلاغۃ
وغیرہ کتابوں میں درج کر دی گئی ہیں جنکی حالت اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کون نہیں جانتا کہ نہج
البلاغۃ کے اکثر خطبے حضرت علی پر افترا اور محض بہتان ہیں کیونکہ وہ پہلی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے
نہ ان کی کوئی معروف سند ہے پھر شیعی علماء حضرت علی کا یہ قول کہاں سے نقل کرتے ہیں نہج البلاغۃ کے
خطبوں کی مثال تو ایسی ہے کہ اسکے بزرگوں میں سے کسی نے یہ دعوی نہیں کیا نہ پہلے سے اس کا یہ

دعوی تھا تو پھر اسے چھوٹا سمجھنے میں کونسا امر مانع ہے اسی طرح منقولات کا حال ہی کیونکہ جو روایت نقل کیجائے اس کا معروف اور ثابت ہونا اس شخص سے جس سے وہ نقل کی گئی ہے ضروری ہے یہاں تک کہ اس کا سلسلہ ہم تک پہنچ جائے اور جب یہ کیفیت نہیں ہے اور اسکے خلاف ہم اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، اور حضرت علی کے خطبے نقل کردئے مگر اس نقل کرنے والے سے پہلے معروف اسناد کے ساتھ ان خطبوں کو علماء میں سے کسی نے نقل نہیں کیا اسوقت ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ بے شک یہ جھوٹ ہے۔ نہج البلاغہ کے خطبوں میں ایسے امور بہت سے درج ہیں۔ جو حضرت علی کے صحیح اقوال کے بالکل متناقض ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ نہج البلاغتہ کے اکثر خطبوں ہونے کی ہم وجوہات بیان کریں بلکہ ہمیں تو یہ حق حاصل ہے کہ ہم ان کی صحت نقل کا مطالبہ کریں اللہ تعالی نے مخلوق پر یہ واجب نہیں کیا کہ جس امر کے حق ہونی کی کوئی دلیل نہ ہوا کرے تو وہ اسے بھی حق مان لیا کرے بلکہ یہ اتفاق منع ہے خاص کر ان علماء کے نزدیک جو تکلیف مالا یطاق کی ممتنع ہونے کے قائل ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ اعلی درجہ کی تکلیف مالا یطاق ہی لہذا اخلاف کے بارے میں ایسی حکایتوں سے حضرت علی کا دعوی کوئی انسان کیونکر ثابت کرسکتا ہے۔ ۴۰۰ھ ہجری میں جبکہ جھوٹ بولنے میں جبکہ جھوٹ بولنے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہو چکا تھا۔ ایسی حکایتوں کا غلغلہ اٹھا وہ کہانیاں اور قصے ایجاد ہوئے کہ پناہ بخدا انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا اور عوام کی طبایع کا رجحان دیکھ کے اس قسم کی حکایتوں کے موجدوں نے ایسی کامیابی حاصل کی کہ اب تک ایک فرقہ میں ان کا کامیابی اسی طرح سے دائم و قائم ہے کسی نے ان سے صحتِ نقل کا مطالبہ نہیں کیا جو بات اپنے دل میں آ گئی یا اپنے خیالات کے موافق ہوئی اسے بے چون و چرا مان لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مخلوق خدا کا ایک معقول حصہ اوہام باطلہ اور فاسد خیالات کی بھول بھلیوں میں بے ٹوئیاں مار رہا ہے۔ دوم ہم تھوڑی دی کے لئے مانے لیتے ہیں کہ حضرت علی نے ایسا ہی کہا تھا لیکن شیعی علماء یہ بات کیونکر ثابت کر سکتے ہیں کہ اس کہنے سے حضرت علی کی یہ مراد تھی کہ میں امام معصوم ہوں مجھ نص ہو چکی ہے۔ ہم شیعی علماء سے پوچھتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت علی نے اپنے اس خیال کیوجہ سے کہ سب سے افضل اور سب زیادہ امامت کا حقدار میں ہی ہوں یہ ارادہ وہ کرلیا ہو کہ میں ہی مستحق تھا اور سوائے میرے کوئی مستحق نہ تھا مگر اس وقت انہوں نے اپنے اس کہنے میں عمداً جھوٹ بولنے کا قصد نہ کیا ہو اور صرف اپنے اجتہاد سے کہ دیا ہو۔

اجتہاد کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط جس کی نفی کے باعث وہ خطا سے باتفاق معصوم نہیں ہوئے اس لیے کہ اہل بیت سے خطا دور کر دینے کا اللہ تعالی نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ شیعی عقیدے کے بموجب یہ ارادہ کرنا اسکی قدرت ہی میں نہیں ہے شیعی علماء رسول ﷺ کے علاوہ ائمہ کو بھی معصوم مانتے ہیں مگران کے معصوم ہونے کی کوئی حجت اور دلیل وہ پیش نہیں کرتے .اب خیال تو کیجئے کہ خواہ مخواہ آیۂ تطہیر کو عصمت اور امامت کے ثابت کرنے کے لیے کس بے تکے اور جھونڈے پن سے حُجت اور دلیل بنائی مگر اس امر کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی جھوٹ بولنا بھی پلیدی میں داخل ہے یا نہیں تا کہ اللہ کی پلیدی دور کرنے سے جھوٹ بولنا بھی دور ہو جاتا اور اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ پلیدی دور ہو گئی تھی تو اس پلیدی کے دور ہونے سے کسی جھوٹ کا دور ہونا لازم نہیں آتا.سب سے زیادہ تماشے کی یہ بات ہی شیعی علماء اور ادھر تو یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم قرآن سے اپنی حجت بیان کرینگے مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی حجت کو قوی کرینکے لئے ایک غلط اور موضوع روایت پیش کر دیتے ہیں اخیر تک اسی پر زور دوئے چلے جاتے ہیں قرآن شریف میں تو کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو امامت اور عصمت تو ایک طرف اس پلیدی ہی کے دور کئے پر دلالت کرتا ہو نہ اُسکی کوئی دلیل ہے کہ جھوٹ اور خطا اس پلیدی میں داخل ہے جسکے دور کرنے کا اللہ نے ارادہ کیا تھا اور نہ کہیں اسکی کوئی دلیل ہے کہ حضرت علی نے یہ بات کہی لیکن یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی صحیح بھی ہو تو وہ بھی بغیر چند مقدمات کے صحیح نہیں ہو سکتی جو قرآن مجید میں نہیں ہیں پھر بھلا امامت پر دلالت کرنے والی براہنیں قرآن مجید میں کہاں سے آئیں اس پر بھی اگر کوئی مخبوط نہ دعوی کرے کہ قرآن مجید میں امامت پر دلالت کرنے والی براہنیں موجود ہیں تو اس شخص کو سوا فاترالعقل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں.

شیعی علماء کی چھٹی برہان: اول قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے. فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَفِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ٥ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور:۳۶،۳۷) یعنی جن مکانوں میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کیجائے اور ان میں اس کا م پڑھا جائے ان (مکانوں) میں صبح شام اسکی پاکی بیان کرتے ہیں وہ لوگ

کہ اُنہیں اللہ کی یاد کرنے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گے۔ فقط۔ (بقول شیعی علماء) ثعلبی نے اسناد کے ساتھ انس اور بریدہ سے روایت کی ہے وہ دونوں کہتے ہیں رسول ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کے پوچھا یا رسول اللہ وہ مکانات کونسے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا انبیاء کے مکانات پھر ابوبکر کھڑے ہو کے کہا یا رسول اللہ یہ گھر بھی ان ہی میں سے ہی یعنی علیؓ اور فاطمہ زہرا کا گھر فرمایا ہاں یہ ان سے بھی افضل ہے۔ پس اس آیۃ سے اس گھر کے مردوں کی ایسی تعریف کی گئی ہے۔ جو اُن کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے لہذا اس دلیل سے علی ہی امام ہوئے ورنہ مفضول کا مقدم کرنا اور افضل کا مؤخر کرنا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

جواب: لاحول ولا قوة الا بالله

گر ہمیں مکتب است ایں ملا

ار طفلان تمام خواہد شد۔

ہمارے خیال میں اس قسم کی بے ربطی اور لغویت کسی جاہل کے استنباط مسائل میں بھی نہ ہوگی نفس آیت کو تو امامت وغیرہ سے کچھ سروکار ہی نہیں مگر جو فرضی روایت پیش کی گئی ہے وہ بھی کچھ ایسی بے سروپا اور اٹکل پچو ہے کہ الہی توبہ۔ تماشہ تو یہ ہے کہ بیچارا ایک ثعلبی ہاتھ لگ گیا ہی بس جو روایت اُسنے گھڑ دی وہی آنکھوں پر رکھ لی گئی اور اس سے سروکار نہ کھا گیا کہ یہ صحیح ہی یا غلط ایسی ہی باتوں سے اس مذہب کی پوری شان پائی جاتی ہے اور شیعی مذہب کی صداقت پر بھی اس سے پوری روشنی پڑتی ہے خیال تو کیجئے کہ اس روایت کی صحت ہو سکتا ہے۔ اور نہ یہ درست ہے کہ اگر جمہور میں سے کسی نے نقل کر دیا ہو وہ جمہور کے نزدیک ضرور ہی حجت ہو بلکہ علمائے جمہور سب اس پر متفق ہیں کہ جو حدیث ثعلبی اور اس جیسے اور روایت کریں وہ کبھی حجت نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ ابوبکر و عمر کی فضیلت میں احکام میں سے کسی حکم کے ثابت کرنے میں ہو ہاں اس وقت قابل توجہ ہو سکتی ہے کہ اس کا ثبوت کسی طریقہ سے بخوبی ہو جائے۔ یہ پہلے بھی لکھا جا چکا کہ ثعلبی وغیرہ صحیح وضعیف دونوں طرح کی حدیثیں روایت کرتے ہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ محض ثعلبی کا روایت کر دینا اس کے اتباع کرنے کو واجب

نہیں کرتا. اسے حاطب لیل کہتے ہیں اس کا بھی ذکر اوپر ہو چکا ہے چونکہ اس کی بغوی نے بہت کچھ بڑے پایہ کا شخص انہیں ہے اسے تو مفسرین اور نحویوں اور نحویوں کے اقوال اور انبیاء علیہ السلام کے قصے خوب یاد تھے. ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابو محمد حسین نے جن صحیح حدیثوں کو ثعلبی سے لیا ہے انہیں بھی ثعلبی کی طرف منسوب نہیں کیا اس خیال سے کہ علماء ثعلبی کا نام دیکھ کے چونکتے ہیں اس لیے اُس نے ان احادیث کو صحیح بخاری سے منسوب کر دیا ہے. دوسرے یہ کہ ماہرین حدیث کے نزدیک یہ حدیث بالکل موضوع ہے. یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث نے اسے اپنی ان کتابوں میں ذکر نہیں کیا جن کا حدیث میں اعتبار کیا جاتا ہے جیسے صحاح، سنن، مسانید باوجودیکہ ان کتابوں میں کبھی کبھی کوئی ضعیف حدیث بھی نکل آتی ہے بلکہ صریح جھوٹی بھی لیکن ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی نکلتی ہیں. باقی یہ حدیث جس پر بحث ہو رہی ہے ایسی ظاہر باہر غلط ہے جس کا ذکر ان کتابوں میں آ ہی نہیں سکتا تیسرے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسجدوں کے بارے میں ہی کیونکہ اللہ نے فرمایا فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ بھلا خیال تو کیجئے کہ حضرت علی کا گھر اس صفت کے ساتھ کیونکر موصوف ہو سکتا ہے. چوتھے سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کا گھر علی کے گھر سے بدرجہا افضل ہے اور باوجود اس فضیلت کے وہ اس آیۃ میں داخل نہیں ہے. نبی ﷺ کے گھر کی بابت تو اللہ تعالی یہ فرماتا ہے. لَا تَدْخُلُوْا فِيْ بُيُوْتِ النَّبِيِّ اور فرمایا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ . پانچویں یہ کہنا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے گھر ہیں بالکل جھوٹ ہی کیونکہ اگر یہ اس طرح مان لیا طرح مان لیا جائے تو باقی مسلمانوں کا تو اس میں کوئی حق اور حصہ نہ رہے گا حالانکہ اللہ کا یہ فرمانا يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ ان پر عائد ہوتا ہے جو اس صفت کے ہوں. چھٹے فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ میں نکرہ موصوفہ ہے کوئی معین نہیں ہی نکرہ کے بعد اللہ کے اس قول ان تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ. سے اگر وہ ذکر اور نماز مراد لیجائے جو مسجدوں کے ساتھ داخل ہو جائیں گے جو اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اسوقت انبیاء علیہ السلام کے گھروں کی کچھ خصوصیت نہیں رہنے کی. اور اگر اس سے اس ذکر کا ہونا مراد ہے جو پانچوں وقت کی نمازوں میں ہوتا ہے اور جو مساجد ہی سے خصوصیت رکھتا ہے تو پھر یہ آیت مسجدوں ہی کے ساتھ مخصوص رہے گی. اب رہے انبیاء کے گھر اور مساجد ان میں کس کو کس پر فضیلت ہے اس کا فیصلہ آسان ہے ایک معمولی شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ خدا اور رسول میں جتنا

فرق ہی اتنا ہی فرق خانہ اور خانہ اور خانہ رسول میں ہے ساتویں اگر انبیاء کے گھروں میں سے وہ گھر مراد ہیں جس میں نبی ﷺ رہتے تھے تو مدینہ میں سوائے حضور انور کی پاک ازواج کے اور کسی کا گھر نہیں تھا۔ پھر اس آیت میں حضرت علی کا گھر کیونکر داخل ہوسکتا ہے۔ اور اگر اس سے وہ مراد ہیں جن میں ایک آدھ دفعہ انبیاء دفعہ انبیاء کا گزر ہو چکا ہے اس طرح حضور انور رسول اللہ اپنے اکثر اصحاب کے گھر گئے ہیں۔ غرض اس حدیث میں جونسی بھی صورت مراد لیجائے یہ تخصیص ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی کہ انبیاء کے گھروں میں صرف ایک علی ہی کا گھر ہے باقی ابوبکر، عمر اور عثمان وغیرہ کے گھر ان میں نہیں ہیں جب یہ خصوصیت ثابت نہ ہوتی تو رجال کے لفظ میں جو آیت میں آیا ہے علی وغیرہ سب برابر ہیں۔

آٹھواں جواب: جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ اُنہیں اللہ کے ذکر سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید وفروخت باقی اس آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ ایک دوسرے پر فضیلت ہے نہ اس میں اللہ کے اس وعدہ کا ذکر ہے جو اس نے اسکی جزا دینے کا اُن سے کیا بلکہ اس میں فقط ان کی تعریف ہے مگر اس تعریف سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہ جسکی اللہ تعریف کرے اور جنت دینے کا اس سے وعدہ کرے تو وہ اوروں سے افضل ہوجائے۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے جیسا کہ شیعی علماء کہتے ہیں کہ جناب امیر یعنی حضرت علی اور صحابہ سے افضل ہیں۔

نواں جواب: بفرض محال ہم تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جنکی تعریف کی گئی ہے وہ محض اسی تعریف کی حیثیت سے اُن لوگوں سے افضل ہیں جن میں یہ صفت نہیں پائی جاتی لیکن شیعی علماء نے یہ کیونکر تسلیم کرلیا کہ یہ صفت علی ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ نہیں نہیں یہ ہرگز درست نہیں ہے یاد رکھو اس میں کسی کی خصوصیت کبھی نہیں ہوسکتی ہر شخص جو اللہ کے ذکر سے نماز پڑھنے سے، زکوۃ ادا کرنے سے اُسے نہ کوئی تجارت غافل کرے نہ کوئی خرید وفروخت غفلت میں ڈالے ساتھ ہی وہ روز قیامت سے بھی ڈرتا رہے وہی اس صفت کے ساتھ موصوف ہوسکتا ہے۔ شیعی علماء کیونکر اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ صفت سوائے حضرت علیؓ کے اور کسی میں نہیں تھی۔ دیکھو آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ

جنکی یہ صفت بیان کی گئی ہے وہ بہت سے آدمی ہیں نہ کہ ایک آدمی پس یہ آیت اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہی بلکہ اس میں علیؓ وغیرہ سب برابر ہیں اور سب برابر ہوئے تو اُن میں ایک دوسرے کو افضل قرار دینا محال بلکہ ناممکنات سے ہے۔

دسواں جواب: اس کے بعد ہم شیعی علماء کی خاطر سے یہ بھی تسلیم لیتے ہیں کہ اس صفت میں حضرت علی اوروں سے افضل ہیں مگہ یہ افضل ہونا امامت کو کیونکر ثابت کرسکتا ہی باقی مفضول کو فاضل سے مقدم ہونے کا متناع اگر تسلیم کرلیا جائے تو وہ اُن مجموعی صفات میں ہے جو امامت کے مناسب ہوں ورنہ یہ بات نہیں ہوسکتی کہ جو شخص کسی عمدہ خصلت میں افضل ہوجائے وہ ہی امام ہونے کا بھی مستحق ہو اور اگر اس بات کو قرار دے لیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ میں ایسے بہت سے موجود ہیں جنھوں نے دین خادکی حمایت میں سرکش، عہد شکن اور باغی مشرکوں کو زیادہ قتل کیا ہی اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ سے کہیں زیادہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہے اور بعض ایسے ہیں جو نماز روز میں حضرت علیؓ سے کہیں زیادہ تھے۔ بعض ایسے ہیں جسکا علم حضرت علیؓ سے بہت بڑھا یادرکھو جسطرح انبیاء میں سے ایک نبی میں وہ تمام اوصاف نہیں ہوسکتے جو کل انبیاء میں ہوں اسی طرح صحابہ میں بھی ایک صحابی میں وہ اوصاف نہیں ہوسکتے جو کل صحابہ میں ہوں بلکہ خود مفصول میں ان امور کی ایک قسم ہوسکتی ہے جسکی وجہ سے وہ فاضل سے ممتاز ہوجاتا ہوجاتا ہے لیکن تفصیل میں ہمیشہ مجموعی صفات کا اعتبار ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی بالغ نظر انکار نہیں کرسکتا۔

شیعی علماء کی ساتویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالی فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۳) یعنی (اے نبی) کہہ دو کہ میں تم سے اس (دین کی تبلیغ) پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر (میرے ساتھ) قرابت داروں کی سی محبت کرو۔ شیعی علما کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون لوگ ہیں ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے؟ حضور نے فرمایا علی اور فاطمہ اسی طرح ثعلبی کی تفسیر میں ہے اور ایسے ہی صحیحین میں بقول شیعی علما اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ علی کے سوا اور صحابہ سے محبت کرنا واجب نہیں ہے

لہذا علی ہی افضل ہوئے اور وہ ہی امام ہوئے پھر شیعی علماء دوسری دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرنا محبت کرنے کے منافی ہے اور ان کے حکموں کی اطاعت اور پیروی کرنا اُن سے محبت کرنا ہے پس انکی اطاعت واجب ہوئی اور یہی معنی امامت کے ہیں. فقط

جواب: ''چہ دلا ور است دز دے کہ بکف چراغ دارد'' لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس قدر جھوٹ تو ہمارے خیال میں ایسے صاف اور کھلے الفاظ میں کسی نے بھی نہیں بولا ہوگا سب سے پہلے تو ہم اس حدیث کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ تمام شیعی دنیا مل کے بھی اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتی. اسکے علاوہ اس سفید جھوٹ اور طوفان عظیم کو دیکھے جو امام احمد کی بمسند میں کہیں بھی یہ روایت نہیں ہے مگر اس سے بھی زیادہ طوفان عظیم اور دلخراش جھوٹ اور غلیظ بہتان صحیحین پر باندھا گیا ہے حالانکہ صحیحین میں اس روایت کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہی بلکہ لطف یہ ہے کہ تینوں کتابوں یعنی مسند اور صحیحین میں اس کے منافی حدیث موجود ہی اس سے زیادہ ناواقفیت مسلمانوں کی کتابوں سے اور کیا ہوسکتی ہی ایسی بہت سی کتابیں شیعی علما کی ہماری سے گزری ہیں جن میں نہایت ہی غلط طور پر جس حدیث کو چاہا اسکے سر منڈھ دیا کبھی صحیحین کی طرف سے حدیثوں کو منسوب کر دیا کبھی مسند امام احمد کی طرف کبھی مغازی کی طرف کبھی موفق خطیب خوارزم کی طرف کبھی ثعلبی وغیرہ کی طرف سب بڑی چوٹی کی کتاب شیعوں میں اس قسم کی نام کی طرائف الرد علے الطوائف. یہ کتاب عجیب تماشے کی ہے جو شخص اسے دیکھے وہ سناٹے میں رہ جائے کہ کتنا دلیر مصنفی کہ اُس نے چند روایتیں خود گھڑیں یا اپنی کسی دوستوں سے عاریتاً لے لیں اور پھر صاف طور پر لکھ دیا کہ یہ مسلمانوں کی فلاں فلاں کتاب میں ہیں اس کے علاوہ اور دوسری کتاب لیجئے وہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کے ہے اور اس کا نام عمدہ رکھا گیا ہے اس کے مصنف کا نام ابن البطریق ہے اس سے زیادہ اور تماشے کی بات سنئے ابو جعفر محمد بن علی اس صفت میں سب سے بڑھا چڑھا ہے کہ اسکی بھی کئی کتابیں تصنیف سے ہیں اسکی اور اسکے احباب کی اکثر روایتیں جو مسند اور صحیحین وغیرہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں ہم نے خود ایک ایک روایت کو اچھی طرح ان کتابوں میں دیکھا جن سے وہ نسبت دی گئی ہیں. معلوم ہوا کہ بڑی سخت چالاکی کی گئی. ہے اور نسبت سراسر باطل اور جھوٹ ہے. امام احمد نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی چاروں کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کتاب میں وہ ایسی حدیث بھی روایت کرتے

ہیں جو اُن کی مسند میں نہیں ہی مگر یہ یاد رکھیئے کہ اگر امام احمد اپنی مسند میں کوئی حدیث روایت کریں تو اُس سے یہ کبھی لازم نہیں آ سکتا. کہ وہ حدیث امام احمد کے نزدیک ضروری حجت ہو امام احمد کے حالات سے جو شخص واقف ہے وہ اُسے اچھی طرح جانتا ہے کہ امام احمد وہ حدیثیں روایت کر دیتے ہیں. جو اہل علم نے روایت کی ہیں ہاں یہ بات ضروری ہی کہ اُنہوں نے مسند میں ایک شرط کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ اُن کے نزدیک جھوٹ میں مشہور ہوں گے اُن کی کوئی حدیث روایت نہ کریں گے اور یہ ہم علے الاعلان کہتے ہیں کہ مسند میں بہت سی ضعیف حدیثیں موجود ہیں. اسی طرح ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں یہی شرط لگائی ہے. اب رہی فضائل کی کتابیں ان میں وہ حدیثین روایت کر دیتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے استادوں سے سُنی ہیں خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف کیونکہ اس میں اُنہوں نے مثل مسند کے یہ قصد اور التزام نہیں کیا تھا کہ جو حدیث میرے نزدیک ثابت ہوگی وہ راویت کروں گا. سب سے زیدہ آفت یہ نازل ہوئی ہے کہ امام احمد کے صاحب صاحبزادے نے اس میں بہت سی زیادتیاں کر دی اور جو کچھ اس نیک نصیب سے کسر رہ گئی تھی وہ ابوبکر قطیعی نے پوری کر دی جتنی حدیثیں ابوبکر قطیعی نے بڑھائی ہیں اُن میں بہت سی موضوع ہیں پس فاضل شیعی علماء نے اس ہاتھ چھانٹی سے فائدہ اُٹھا کے اہل علم کی آنکھوں میں خاک ڈالنی چاہی اور اُنہوں نے ایک حد تک جہلا کو گمراہ کر دیا علماء نے اس پردہ کا تار تار الگ کر کے دکھا دیا جس سے دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوگی. بزیر جامہ نہاں کردہ برص لیکن بختشم اہل بصیرت برہنہ میں آئی اہل علم سے کوئی بات نہیں چھپی رہ سکتی ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے بے علم اس سے دھوکہ کھائیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ امام احمد نے صحابہ کے فضائل میں جو کتاب لکھی ہے اس میں سب طرح کی حدیثیں موجود ہیں. کیونکہ اس میں امام موصوف نے کسی طرح کا التزام نہیں کیا. پھر قطیعی کی زیادتیوں نے اور بھی غضب ڈھا دیا کیونکہ وہ ان لوگوں سے نقل کرتا ہے جو امام در حقیقت یہ ہی کمال کر سکتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ امام احمد سے روایت کرتا مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہی کہ امام موصوف نے اپنے اخیر زمانہ میں حدیث کا روایت کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا. خلیفہ وقت نے جب امام سے حدیث بڑھنی چاہی تو امام ڈر گئے اور اُنہیں یہ خوف ہوا کہ میں کہیں فتنہ میں نہ پھنس جاؤں اس خوف سے اُنہوں نے حدیث کا توغل چھوڑ دیا تا کہ اس بلائے عظیم سے جان بچ جائے آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ اپنے اُستادوں کی کوئی حدیث سند کے ساتھ

ذکر کر دیتے تھے مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم سے فلاں نے یہ حدیث بیان کی اب جو لوگ اس قسم کی حدیث کو اُن سے سنتے تھے وہ اُن کی طرف سے اُسے روایت کر دیتے پر خوش ہوتے تھے اور پھر عام طور پر وہ حدیث اُن ہی کی روایت کردہ قرار پاجاتی تھی. قطیعی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جب اس نے اندھا دھند روائتیں ذکر کرنا شروع کیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ یہ سب امام احمد کی روایتیں ہیں حالانکہ بالکل غلط ہے ایسی موضوع روایتوں کو اُن سے کبھی نسبت نہیں دے سکتے وجہ یہ ہی کہ ان جھوٹی روایتوں کے راوی نہ تو طبقات کی کچھ خبر رکھتے ہیں اور نہ اُنہیں یہ معلوم ہی کہ قطیعی یا اُس کے اُستادوں سے روایت کرنے کو امام احمد اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر جہالت کا بُرا ہو کہ اُس نے کم علم لوگوں کی نظروں میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ نہ کرنے دیا ہر ایک بات یا ہر ایک روایت کی نسب بے تامل سند سے دیدی اور یہ خیال نہ کیا کہ جب مسند ٹٹولی جائے گی تو اس میں یہ روایت نہیں ملنے کی قطیعی اور اُس کے اُستادوں کی روایتیں بدقسمتی سے امام احمد کی طرف نسبت دے دی گئیں. جب یہ غلط سلسلہ قطیعی اور اُس کے استادوں کی وجہ سے نکل آیا تو کتاب طرائف اور عمدہ کے مصنفوں نے موضوع حدیثوں کو آنکھ بند کر کے امام احمد کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ وہ روایتیں امام احمد نے کبھی کہیں ذکر کیں نہ مسند میں نہ اور کسی کتاب میں نہ اُنہیں کبھی سُنا فقط قطیعی کی مہربانی سے وے کم علم لوگوں کی نظروں میں بدنام ہو گئے کیونکہ اس بے باک شخص نے جس قدر روایتیں جمع کی ہیں اُن میں صدی پچانویں بالکل جھوٹ اور موضوع ہیں جسے اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں. شیعی علما حسب عادت کتاب العمدہ اور طرائف جیسی پراز موضوعات کتابوں سے روایتیں نقل کیا کرتے ہیں. اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ حدیث جس پر بحث ہو رہی ہے اور جسے امام احمد کی مسند کی طرف نسب دیا گیا ہے آیا کتاب العمدہ سے لی گئی ہی یا طرائف سے جبکہ مسند اور صحیحین سے اسلامی دنیا کا گوشہ گوشہ پر ہے پھر یہ دلیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس جھوٹی حدیث کو کیوں ایسی مشہور کتابوں کی طرف نسب دے دی ایسی جھوٹی حدیث تو وہی روایت کرتا ہے جو حاطب الیل ہو اور یہ صفت ثعلبی وغیرہ میں ہے جو بلا تمیز کھوٹی کھری سب کو نقل کر دیتے ہیں.

دوسری وجہ: تمام محدثوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور موضوع ہے حدیث کے پرکھنے میں اہل علم ہی کیطرف رجوع کیا جاتا ہے اور اُن ہی کا فیصلہ معتبر ہوتا ہے یہ حدیث ان

کتابوں میں جن کے معتبر ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے نہیں پائی جاتی.

تیسری وجہ: یہ آیت سورۂ شوریٰ میں ہے اور تمام علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے بلکہ تمام حوامیم مکی ہیں اسی طرح الراطس بھی مکی ہیں یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شادی حضرت خاتون محشر یعنی فاطمۃ الزاہر سے غزوہ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور حسنین جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ۳ یا ۴ ہجری میں پیدا ہوئے تو اس شادی اور اُن کے پیدا ہونے سے کئی برس پہلے یہ آیت نازل ہو چکی تھی پھر بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے. اس آیت کی تفسیر حضور انور رسول اللہ ﷺ اُن قرابت داروں کی محبت سے کرتے جو ابھی عالم ظہور میں نہیں آئے تھے.

چوتھی وجہ: صحیحین میں اسی آیت کی تفسیر کی تفسیر ابن عباس سے مروی ہے جو شیعی علما کی گھڑی ہوئی تفسیر کے بالکل خلاف اور متناقض ہے. سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس سے کسی نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ محمد ﷺ کو ان کی قرابت داری کے بارے میں تم کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ. پھر ابن عباس نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے جواب کے دینے میں جلدی کر دی اصل بات یہ ہے کہ قریش میں کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس سے محمد ﷺ کی قرابت داری نہ ہو اس لیے آپ نے فرمایا تھا کہ اس دین کی تبلیغ پر میں تم سے کچھ نہیں مانگتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو اور اسی کی وجہ سے سلوک سے رہو جو مجھ میں اور تم میں ہے. فقط

یہ سمجھ لو کہ ابن عباس ترجمان اور مفسر قرآن ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی کے سوا تمام اہلبیت کا یہ قول تھا کہ اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرابت داروں سے محبت رکھو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے اہل عرب اور اے قریشی خاندانو! اس دین پر تم سے میں کسی طرح کی مزدوری نہیں مانگتا لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت کا خیال رکھو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے. غرض یہ ہے کہ آپ نے اس خیال کے رکھنے اور صلہ رحمی کرنے کا سوال اُن سب لوگوں سے کیا تھا جن کی طرف آپ اول مبعوث ہوئے تھے کہ وہ لوگ آپ پر کسی طرح کی زیادتی نہ کریں تاکہ آپ اپنے پروردگار کی رسالت کی تبلیغ پورے طور پر آسانی سے کر سکیں.

پانچویں وجہ: قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۳) اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر قرابت داروں ہی سے محبت

رکھنے کی مراد ہوتی تو الا اِلَّا الْمَوَدَّةَ ذِی الْقُرْبٰی فرمایا جاتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور جگہ فرمایا ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی (الانفال:۴۱) پھر فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی اور اسی طرح یہ آیت فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ اسی طرح اور کئی جگہ قرآن مجید میں موجود ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں اور دوسرے شخص کو اپنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کی بات قرآن شریف میں جہاں کچھ ذکر کیا گیا ہے وہاں سب جگہ ذوی القربیٰ کہا گیا ہے فی القربیٰ کہیں نہیں کہا گیا جب اللہ نے یہاں اسم یعنی عنی ذی القربیٰ کو چھوڑ کے مصدر معنی القربیٰ فرمایا ہے تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ کی نزدیک یہاں ذوی القربیٰ مراد نہیں ہے.

چھٹی وجہ: حضور انور رسول ﷺ نے اپنے پروردگار کی رسالت کی انجام دہی پر کبھی کسی سے اُجرت نہیں مانگی بلکہ آپ کی مزدوری یا اُجرت اللہ پر تھی (اس کا ذکر اور بھی کہیں آپ کا ہے اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اسکی نسبت فرمایا قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ اور اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مُّثْقَلُوْنَ اور فرمایا قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ اس میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا کہ حضور انور کے اہل بیت سے ہر مسلمان کو محبت رکھنی واجب ہے لیکن اس کا واجب ہونا اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان سے محبت رکھنا حضور انور کی مزدوری یا اُجرت ہے. سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے اللہ کی لوگ جنت میں نہ جائیں گے جب تک اللہ سے اور میرے قرابت داروں سے محبت نہ رکھیں اب جس نے اہلبیت سے محبت رکھنے کو حضور کی مزدوری ٹھیرا دیا ہے اور اپنے خیال میں آپ کی مزدوری آپ کو ادا کر چکا تو اسنے بہت بڑی غلطی کی کیونکہ اگر یہ محبت کرنی آپ کی مزدوری ہے ہوتی تو ہمیں اس پر کیا ثواب ملتا اس لیے کہ ہم نے آپ کی وہی مزدوری دی ہے جس کے رسالت کی وجہ سے آپ مستحق تھے کبھی کوئی مسلمان ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا.

ساتویں وجہ: القربےٰ معرف باللام ہے جن لوگوں کے بارے میں حضور انور ﷺ کو یہ حکم ہوا

ہے کہ تم اُن سے یہ کہ دو میں اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا اس وقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے نہ حضرت علیؓ کا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا نہ حسنین پیدا ہوئے تھے پس ایسی حالت میں وہ قرابت جسے اس آیت کے مخاطب لوگ جانتے تھے۔ وہ یہ قرابت یعنی حسنین اور علی وغیرہ کی ہرگز نہیں ہوسکتی برخلاف اس قرابت کے جو حضور انور اور ان لوگوں میں تھی اور اس سے وہ خوب واقف تھے۔

آٹھویں وجہ: اگر بفرض محال یہ مان لیں کہ اس آیت میں بغیر استدلال کے حضرت علی سے محبت رکھنا اور اُن کی موالاۃ کا قائل ہونا واجب ہے تو بھی یہ کیونکر پایا گیا کہ اس محبت اور اس موالاۃ کے واجب ہونے میں ایسا کوئی امر موجود ہے جس سے ان کی امامت کی خصوصیت نکل آئے کہ وہی امام ہوں اور اُن کے سوا کوئی دوسرا امام نہ ہو اور نہ یہ صفات ان کی فضیلت کی دلیل ہوسکتے ہیں۔ اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ خلفائے ثلاثہ کی موالاۃ واجب نہیں ہے محض لغو اور بیہودہ ہے مثل حضرت علیؓ کے اُن سے بھی محبت رکھنا اور اُن کی بھی موالاۃ کا قائل ہونا یقیناً واجب ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ اُن سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ محبت رکھے اُس سے محبت رکھنا ہم پر واجب ہے اس لیے کہ محبت اور عداوت اللہ کی رضامندی کی ہونی چاہیں اور یہی اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے۔ قرآن مجید صاف طور پر شہادت دے چکا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور جس سے اللہ راضی ہوا اس سے وہ محبت ضرور رکھتا ہے۔ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا آپس میں محبت رکھنے اور تراحم اور تعاطف سے پیش آنے میں سارے مسلمان مثل ایک جسم کے ہیں اگر جسم کے ایک حصہ میں کچھ درد ہو جائے تو سارے اعضا مضمحل ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ ہے جیسا کہ حضور انور نے ہمیں صاف طور پر بتا دیا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور تراحم و تعاطف سے پیش آتے ہیں لہٰذا جس طرح حضرت علی کا ایمان ثابت ہوا ہے اسی طرح راشدین صحابہ کا ایمان ثابت ہو چکا ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جو شخص ان لوگوں کے ایمان میں قدح کرے وہ علیؓ کے ایمان کو ثابت کر سکے۔ یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ جو دلیل علیؓ کے ایمان پر دو گے وہی دلیل راشدین خلفاء کے ایمان پر اور بھی زیادہ قوی ہوگی اور جس طریقہ سے تم ان صحابہ میں قدح کرو گے اُسی طریقہ پر اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا تمام شیعی دنیا ملک بھی راشدین صحابہ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کرسکتی جو حضرت علیؓ پر وارد نہ ہوتا ہو کسی کی مجال نہیں کہ جن باتوں سے راشدین صحابہ

پر قدح ہوسکتا ہے اس سے حضرت علیؓ علیحدہ کر دئے جائیں. اب اس بات کو سمجھئے کہ جو فرقے حضرت علی سے بغض و عداوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سرے سے اُن کے مسلمان ہی ہونے کے قائل نہیں ہیں اُن پر شیعی علماء کسی طرح بھی حجت قائم نہیں کر سکتے اگر خارجی شیعی علماء سے یہ دریافت کریں کہ تمہیں علی کا مسلمان اور نیک ہونا کسی طرح معلوم ہوگا اگر وہ یہ جواب دیں کہ ان کا مسلمان اور نیک ہونا نقل متواتر سے معلوم ہوا ہے تو اُن سے یہ کہا جائے گا کہ یہی نقل ابوبکر، عمر، عثمان اور ان کے علاوہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سب کے بارے میں موجود ہے بلکہ ان بزرگان دین کی نیکیاں کرنے کی متواتر نقلیں معارضہ سے سالم اور اُس متواتر نقل سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں کہ جو علیؓ کے بارے میں ہے. اور اگر شیعی علماء زبردستی کر کے یہ بات پیش کریں کہ حضرت علیؓ کے ایمان لانے پر قرآن دلالت کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید تو کسی خاص نام پر کبھی دلالت نہیں کرتا بلکہ عام ناموں پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اللہ کا یہ قول لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اب رہا حدیثوں کے متعلق حجب پیش کرنی حدیثوں سے حضرت علی کا ایمان اور فضیلت ہوتی ہے یا نزول قرآن سے جو اُن کی شان میں ہے ان کی اعلی درجہ کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ راشدین صحابہ کے فضائل کی حدیثیں حضرت علی حضرت کے فضائل کی حدیثیں حضرت علی کے فضائل کی حدیثوں سے بہت زیادہ اور صحیح ہیں اس کے علاوہ دوسری یہ بات ہے کہ یہ حدیثیں جو حضرت علی کے فضائل ہیں ہیں اُنہیں فقط اُنہیں صحابہ نے نقل کیا ہے. جن کی مشتبہ حالت ہے پس اگر اُن پر شبہ کرنا صحیح ہے تو اُن کا نقل قابل اعتبار اور اگر فرض کیجئے کہ شبہ غلط ہے تو اُن کی روایت کردہ اُن حدیثوں کو بی لیا جاوے گا جو صحابائے ثلاثہ کے فضائل میں ہیں مطلب یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ سوائے علی کے صحابائے ثلاثہ سے محبت کرنا واجب نہیں. ایسا قول یا قیاس جمہور کے نزدیک بالکل باطل ہے. صحیحین میں حضور انور سے مروی ہے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے فرمایا عائشہ سے اُس نے عرض کیا مردوں میں فرمایا عائشہ کے باپ سے صحیح میں یہ بھی روایت ہے کہ فاروق اعظم نے ثقیفہ کے دن ابوبکر سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور حضور انور سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے فاروق اعظم کے قول کی تصدیق اس سے ہوتی ہے جو صحاح میں متعدد طریقوں سے آیا ہے کہ حضور انور نے فرمایا لَوْ كُنْتُ متخذ من اهل الا

رض تخليلا لا تخذ ت ابابكر خليل ولكن مودة الا سلام یہ حدیث اس امر کو صاف ظاہر کرتی ہے کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں میں حضور کی محبت اور دوستی کا حقدار ابوبکر سے زیادہ کوئی نہ تھا جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کو ابوبکرؓ سے محبت ہوئی تو پھر اس میں کیا کلام رہا کہ اللہ تعالی کو بھی ابوبکر سے ایسی ہی محبت تھی پس جس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو سب سے زیادہ محبت ہو وہی اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ مسلمان بھی زیادہ اس سے محبت کریں ایمان کی شان یہی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے پسندیدہ کو پسند کیا جائے۔ وہ دلیلیں جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ محبت کرنے میں ابوبکر سب سے زیادہ حقدار ہیں اس کثرت سے ہیں اور ساتھ ہی صحیح بھی ہیں کہ دوسرے شخص کے دلائل ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اب کوئی یہ کہے کہ مفضول سے محبت کرنی واجب ہے اور فضائل سے محبت کرنی واجب نہیں باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علیؓ کی مخالفت کرنا محبت کرنے کے منافی ہے اور اُن کے حکموں کی پیروی کرنا اُن سے محبت رکھنا ہے لہذا ان کی اطاعت واجب ہوئی اور یہی امامت کے معنی ہیں۔ اس کا جواب بھی کئی طرح سے ہے اول یہ کہ اگر محبت اطاعت کو واجب کرتی ہے تو محبت ذوی القربی کی بھی واجب ہے اس صورت سے اُن کی اطاعت بھی واجت ہوگئی تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ خاتون محشر حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا ضرور امام ہوں کیونکہ ان سے بھی محبت رکھنی واجب ہے اور اگ ان کا امام ہونا باطل ہے تو علیؓ کا امام ہونا اور بھی زیادہ باطل ہوا۔ دوسرے یہ کہ محبت و امامت لازم و ملزم نہیں فرض کرو کہ جس شخص کی محبت واجب ہو یہ کیونکہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت اس کا امام ہونا یہی ضروری ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ حسنین سے اُن کے امام ہونے سے پہلے محبت رکھنی واجب تھی اسی طرح حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی سے محبت رکھنی واجب تھی حالانکہ وہ امام نہیں تھے اسی طرح اخیر زمانہ ان کی محبت واجب رہی یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی کے شہید ہونے کے بعد اُنہیں امامت ملی۔ تیسرے یہ کہ محبت واجب ہونے کے لیے امام ہونا واجب ہے تو اس میں یہ قباحت ہے کہ اس لازم کے نہ ہونے سے اس ملزوم کا بھی نہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ شیعی قاعدہ کے مطابق اسکی محبت واجب ہے کہ جو امام معصوم ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلمانوں میں کوئی ایک دوسرے سے محبت نہ کرے کیونکہ وہ امام ہے نہ علی کے شیعہ نہ اور کوئی مگر یاد رکھو کہ یہ گورکھ دھندا اجماع کے خلاف ہے نہیں ہے بلکہ دین اسلام کے بھی بالکل مخالف ہے۔ چوتھے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ مخالفت محبت کے منافی ہوا کرتی ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ ہم دریافت کرتے ہیں کہ مخالفت محبت کی کس صورت میں منافی ہوتی ہے آیا اس وقت جب اس نے خود اپنی اطاعت کا حکم دیا ہوا اور کسی نے اسکی مخالفت کی ہو یا اُسکے بغیر حکم دئے بھی اسکی مخالفت کی ہو. دوسری صورت تو صریح باطل ہے کیونکہ اس کے بغیر حکم دئے اسکی مخالفت کسی طرح سے ظاہر نہیں ہوسکتی. اب رہی پہلی صورت اس کا ہمیں یقین ہے اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافت میں علیؓ اپنی اطاعت کرنے کا کسی کو حکم نہیں دیا پھر وہ امام کس طرح ہوسکتے ہیں. پانچویں یہ کہ یہی بات بعینہ خلفائے ثلاثہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اُن سے محبت اور دوستی رکھنی اور اُن کی موالاۃ ماننی واجب تھی جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس بارے میں اُنکی مخالفت کرنی قباحت پیدا کرتی ہے. چھٹے یہ کہ اس حدیث سے خلفاے ثلاثہ کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ اُنکی ولایت اور اطاعت کی طرف اوروں کو بلاتے تھے اور انہوں نے خود بھی امامت کا دعوی کیا تھا اور اللہ نے ان کی اطاعت کرنی واجب کردی تھی لہذا انکا مخالف اللہ کا دشمن ہے فقط. شیعی علماء کی آٹھویں برہان (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ یعنی اور آدمیوں میں سے کوئی ایسا (بھی) ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتا ہو. (بقول شیعی علماء) ثعلبی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے علی بن ابی طالب کو اپنا جانشین کردیا اس غرض سے کہ وہ آپ کا قرضہ ادا کردیں اور جو امانتیں آپ کے پاس رکھی تھیں وہ واپس دے دیں اس کے علاوہ جس شب کو آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تھے اور مشرکوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ اس غرض سے کرلیا کہ آپ کو قتل کر ڈالا جائے اور آپ زندہ نکلنے نہ پائیں تو پیغمبر خدا نے علی سے کہا کہ اے علی تم میری یہ سبز چادر اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو جاؤ تمہیں انشاء اللہ نے جبرئیل اور میکائیل کی طرف یہ وحی بھیجی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کردیا ہے آج سے تم دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہو اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر میں نے بہت زیادہ کردی ہے پس تم میں ایسا کونسا ہے جو زندہ رہنے میں اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دے ان میں سے کسی نے بھی دوسری کو ترجیح نہ دی بلکہ دونوں نے اپنا ہی زندہ رہنا پسند کیا اس پر اللہ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں کو دیکھو کہ علی بن ابی طالب سے بھی مقابلہ نہیں کرسکتے کہ میں نے ان میں اور محمد ﷺ میں مواخاہ کردی تھی پھر علی اپنی جان سپر بنا کے محمد ﷺ کے

بستر ے پر سو گئے اور اُنکے زندہ رہنے کو اپنے پر ترجیح دی اب تم دونوں زمین اُترو اور علی کی اُن کے دشمن سے حفاظت کرو. یہ دونوں زمین پر اُترے جبریل تو علی کے سرہانے کھڑ ے ہو گئے اور میکائیل جانب پائیں جبریل نے علی سے کہا اے ابن ابو طالب شاباش تمہاری حالت پر اللہ بھی فخر کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے علی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی جا چکی ہے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ مدینہ منورہ کو جا رہے تھے ابن عباس کہتے ہیں کہ جب رسول خدا غار کی طرف چلے اس وقت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی یہ فضیلت ایسی ہے کہ علی کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی. اسی فضیلت سے علی تمام صحابہ سے افضل ہیں وہی امام ہوئے.

جواب: اول سے آخر تک وہی ثعلبی کا پیٹنا چلا آتا ہے اس مردے خدا کے متعلق ہم گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں وہی کافی ہے. جس طرح ہم نے اور روایتوں کی صحت کا مطالبہ کیا ہے اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں ثعلبی کی یہ روایت کردہ حدیث کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی. یہ روایت مرسل متاخر ہے اور ثعلبی نے اسکی اسناد ذکر نہیں کی ممکن ہے کہ ثعلبی نے خود یہ روایت نہ گھڑی ہو بلکہ دوسروں کی گھڑی ہوئی روایت بغیر جانچے اس نے نقل کر دی ہو. دوسرے یہ روایت باتفاق تمام علماء حدیث اور علماء سیر کے جھوٹی ہے. تیسرے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مکہ کے قریش صرف حضور انور رسول اللہ ﷺ کے اور ابو بر صدیق کے دشمن تھے باقی ان دونوں کے قرابت داروں سے انہیں کوئی تعرض نہ تھا کیونکہ جب ان سب صحابہ نے مکہ سے ہجرت کی ہے تو ان کے بال بچے مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور قریشیوں نے کسی قسم کی تکلیف اُن کی نہیں دی حضرت علی اگرچہ کم سن تھے مگر اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قریشوں کی کوئی مخالفت میرے ساتھ نہیں ہے جبکہ حضور ایک عرصہ تک محصور رہے تو حضرت علی برابر شہر میں آیا جایا کرتے تھے اور کوئی شخص اُن سے کچھ تعرض نہ کرتا تھا خود حضور انور کو بھی اس کا یقین تھا کہ اگر میں علی کو اپنے بستر ے پر سُلاؤنگا تو علی کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا اگر حضور کو بھی اس میں شک ہوتا کہ قریش مجھے نہ پا کے علی پر حملہ کر دیں گے تو آپ کی حمیت ہرگز اسکی مقتضی نہ ہوتی کہ صرف اپنی جان بچانے کے لیے وہ اپنے چچا زاد بھائی کو اپنے پر قربان کر دیتے کوئی شخص کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا کہ محمد ﷺ جیسا الوالعزم نبی محض اپنی جان بچانے کے لئے چھوٹے سے بھائی کو قربان کرے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ شیعی علما نے

کس لحاظ سے اس روایت پر اعتبار کرلیا کہ حضرت علی آپ پر جان دینے کے لیے تیار ہوئے. جان دینے کا تو وہاں کوئی موقع ہی نہ تھا جبکہ پورا یقین تھا کہ قریش کو ان سے کچھ مزاحمت نہیں ہے پھر جان دینے کا قیاس کس طرح ہو سکتا تھا. ہاں اگر ابوبکر کی طرف خیال کریں تو بے شک اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ابوبکر نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کے اپنی نبی کا ساتھ دیا انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر نبی پر کوئی آنچ آئیگی تو میں نہیں بچ سکتا کیونکہ قریشوں نے دو انعام جاری کئے تھے ایک نبی کی گرفتاری کا اور ایک ابوبکر کی گرفتاری کا. قریشوں نے ڈھنڈورا پٹوا دیا تھا کہ اگر کوئی محمد ﷺ کو پکڑ کے لائے گا تو اُسے یہ انعام ملے گا اور ابوبکر کو پکڑ کے لائے گا تو اسے یہ انعام ملے گا یہ ایسی حدیث سے ثابت ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی اہل علم شک نہیں کرسکتا جس صورت سے ابوبکر اپنے نبی ﷺ کے ساتھ غار تک پہنچے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور کی جان بچانے کے لیے اور پوری حفاظت کرنے کے لیے آپ کو کس قدر تلاملی اور گھبراہٹ تھی کبھی آپ آگے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے پیچھے اور کبھی چکر کھا کے. غرض ان حکمتوں کے ساتھ اپنے نبی کو لیکے غار تک پہنچے اس کے علاوہ اور بہت سے صحابہ ایسے ہیں جنھوں نے لڑائیوں کے موقعوں پر حضور انور پر واقعی اپنی جان قربان کردی تھی. ان میں ایسے ہیں جو آپ کے سامنے سینہ پر ہو کر قتل ہوگئے اور آپ پر آنچ نہ آنے دی طلحہ بن عبداللہ کا حال کس سے پوشیدہ ہے جنھوں نے دشمنوں کے تیروں کی بوچھاڑ کی صرف حضور انور کے بچانے کے لیے اپنے ہاتھ پیروں پر روکا اور اُن کا سارا جسم چھلنی ہوگیا مگر اُن کا قدم نہیں ڈگمگایا اور وہ برابر سینہ سپر رہے. اس میں حضرت علی کی کچھ خصوصیت نہیں کیونکہ اگر ہم اسے فضیلت گردانتے ہیں تو نہ صرف علی بلکہ اور بھی صحابہ کے ساتھ اس امر میں برابر ہیں اس لے کے حضور انور کا سینہ سپر ہونا ہر مسلمان پر واجب ہے مگر صحیح واقعات پر نظر کر کے بلا رعایت یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت علی کو اس وقت کچھ بھی خوف نہ تھا لہذا وہ ان صحابہ کی برابر نہیں ہوسکتے جنھوں نے علانیہ تلواروں کے سایہ میں حضور انور پر اپنی جان تصدق کردی اور قدم پیچھے نہیں ہٹایا. ابن اسحٰق باوجودیکہ حضرت علی ہی کی طرف مائل ہیں اور حمایت کرنے میں ان کا درجہ اوروں سے بڑھا ہوا ہے انھوں نے بھی اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ جس شب کو کفار نے آپس میں کے قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبریل آپ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آج آپ اپنے بستر پر نہ سوئیے یہ کہ کر جبریل چلے گئے جب اندھیرا ہوگیا تو مشرکین جمع ہو کر دروازہ پر آپ کی گھات میں بیٹھ گئے

تا کہ محمد ﷺ سو جائیں تو وہ آپ پر حملہ کریں جب نبی نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے علی سے کہا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یہ سبز چادر اوڑھ لو کیونکہ تمہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی. معمر بن کعب قرظی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کے مکان کے دروازہ پر آ کر کھڑے ہوئے اُن میں ابو جہل بھی تھا وہ ان لوگوں سے کہنے لگا کہ محمد ﷺ یہ کہتا ہے کہ اگر تم اسکے حکم پر چلو گے اور اُسکی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے تم ہی بادشاہ ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد تم اُٹھائے جاؤ گے اور تمہیں باغات ملیں گے اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمیں ذبح کر دیا جائے گا اور مرنے کے بعد جب تمہیں اُٹھایا جائے گا تو تمہیں آگ میں ڈال دیا جائیگا ابو جہل یہ ذکر کر رہا تھا کہ حضور انور دروازہ پر آئے اور اُن کے بیچ میں سے ہو کر نکل گئے مگر آپ کو کسی نے نہ دیکھا. پھر ان کے پاس ایک شخص آیا اُس نے کہا تم کس کا انتظار کر رہے ہو بولے محمد کا وہ شخص بولا تم بھی عجیب بے وقوف ہو اللہ کی قسم محمد تو ابھی تم میں سے ہو کر گئے ہیں تم سب کے مونہوں پر خاک پڑ گئی وہ اپنا کام پورا کر کے چلے گئے اور تم اُنہیں نہ دیکھ سکے مگر قریش شبہ میں رہے اُنہوں نے کواڑوں کی داڑاڑوں میں سے جھانکا تو بسترہ خالی نہ پایا خوش ہوئے کہ یہ شخص غلط کہتا ہے محمد اپنی چادر اوڑھے ہوئے سو رہے ہیں قریش رات بھر اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ محمد بستر پر سے اُٹھیں تو انہیں قتل کریں مگر صبح کو اُنہوں نے بجائے محمد ﷺ کے علی کو اٹھا ہوا دیکھا تو سخت مایوس ہو گئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص سچ کہتا تھا واقعی محمد نکل گئے اپنا منہ نوچتے اور دانت پیستے رہ گئے. پھر قرآن شریف کی یہ آیت ملاحظہ ہو وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (الانفال:۳۰) یعنی (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب کافر تم سے فریب کرتے تھے تا کہ تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں (مکہ سے) نکال دیں اور وہ (اپنی) تدبیر کرتے تھے اور اللہ (بھی اپنی) تدبیر کرتا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے فقط. اس آیت پر غور کرو اور اس کا مطلب سمجھو کہ رسول کا بچانے والا سوائے اللہ پاک کے اور کوئی نہیں ہے اُسی نے اپنے پیارے نبی کو مدد دی اور وہی مشرکوں ترغہ سے بچا کے لیے گیا. اس کے علاوہ خداوند تعالی نے اپنے برحق نبی کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی. حضور انور نے چلتے وقت حضرت علی سے صاف طور پر یہ فرما دیا تھا میری یہ سبز چادر اوڑھ کے تم سو رہو کیونکہ تمیں مشرکین مکہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی. گویا حضور کا علی کے

ساتھ یہ وعدہ تھا اور آپ کا وعدہ یقیناً سچا ہوتا تھا. حضرت علی پر کیا مقرر ہے کوئی کیسا ہی مسلمان کیوں نہ ہوتا وہ حضور کے علم کی تعمیل کرتا اور حضور کے وعدہ پر اُسے پورا بھروسہ ہوتا علیؓ کو چونکہ اپنی جان کا پورا اطمینان ہوگیا تھا اسلیے وہ بلا تامل آپ کی سبز چادر اوڑھ کر آپ کے پلنگ پر سو رہے. چوتھے شیعی علماء کا فرشتوں والی حدیث کا گھڑ لینا ایک پُرانی مشق ہے جو آغاز زمانہ سے چلی آتی ہے. جبریل اور میکائیل میں مواخاۃ کا قیام کرنا اور پھر زیادہ زندہ رہنے پر دونوں فرشتوں کی باہم گلخپ یہ ایسا افسانہ ہے جو خود اپنی آپ تردید کرتا ہے. فرشتوں میں کہیں مواخاۃ ہونے کی کوئی اصل نہیں ہے اسکی بابت ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے غضب خدا کا فرشتوں کی ضد بحث پھر اُن میں عداوت کا ہونا. پھر اُنہیں حضرت علی کے پاس سبق سیکھنے کے لئے بھیجنا ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جو بلا ضرورت اللہ تعالی پر بولا گیا ہے اور جس کی لغویت عیاں ہے. پانچویں یہ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے نہ تو کبھی حضرت علی سے مواخاۃ کی نہ اور کسی سے اس بارے میں جتنی روایتیں آئیں ہیں. سب جھوٹی ہیں اور مواخاۃ کی وہ حدیث جس میں یہ چڑے چڑیا کی کہانی روایت کی گئی ہے نہ صرف ضعیف ہے بلکہ یقیناً باطل ہے اس کے علاوہ مواخاۃ کا فرضی قصہ مدینہ منورہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مکے سے اسی طرح اسے ترمذی نے روایت کیا ہے باقی مکہ میں علی سے مواختہ رکھتا ہے نہ کہ مکہ سے اسی طرح اسے ترمذی نے روایت کیا ہے باقی مکہ علی سے مواخاۃ ہونی ہر صورت سے باطل اور غلط ہے اس کے علاوہ تمام محدثوں کا اس پر اتفاق ہے......اور اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ نہ وہاں حضرت علی کو اپنی جان کا قربان کرنا مقصود تھا نہ حضور انور کے زندہ رہنے کو ترجیح دینا تھا. چھٹے یہ کہ یہ آیت سورۂ البقرہ میں ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ سورۂ بقرہ اُس وقت نازل ہوئی کہ جب حضور انور مدینہ منورہ میں تشریف لا چکے تھے. بعض کا یہ قول ہے کہ یہ اسوقت نازل ہوئی تھی جب صہیب نے ہرجت کی اور مشرک قریشوں نے اُن کا پیچھا کیا تو اُنہوں نے اپنا سارا مال قریشوں کے حوالہ کر دیا اور.........خود مدینہ آگئے اس پر حضور نے فرمایا تھا کہ ابو یحییٰ کی یہ تجارت بہت ہی نفع کی ہوئی. اکثر تفسیروں میں یہ قصہ لکھا ہوا ہے اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوا ہو.....کیونکہ صہیب نے مکہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کر لی تھی. ابن جریر کا قول ہے کے اہل تاویل کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی اور اس سے کون مراد ہے بعض کہتے ہیں مہاجرین وانصار کے حق میں نازل ہوئی تھی اور بعض کہتے

ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد کرتے ہیں. اس قول کو اسناد کے ساتھ قتادہ نے نقل کیا ہے بعض یہ کہتے ہیں یہ آیت خاص لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے قاسم نے سند کیساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں یہ آیت صہیب. اور ابوذر جندب کے حق میں ہے ابوذر کو اُن کے خاندان کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا. یہ اُن سے چھوٹ کر حضور انور کی خدمت میں آ گئے مگر وہ دوبارہ اُنہیں پھر لے گئے مگر جس وقت یہ مرا ظہران میں پہنچے تو پھر چھوٹ کر چلے آئے اسی طرح صہیب کو بھی اُن کے خاندان کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا اُنہوں نے اپنے عوض میں اپنا سارا مال اُنہیں دے دیا اور خود مہاجر ہو کر وہاں سے نکل آئے. پھر اُنہیں منفذ بن عمیر بن جدعان نے پکڑ لیا اُنہوں نے باقیماندہ مال اُسکے حوالہ کر دیا اُس نے مال لیکر اُنہیں چھوڑ دیا. بعض کا یہ قول ہے کہ اس سے ہر ایسا شخص مراد ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنا جان و مال وقف کر دے اور امر بالمعروف کرنے میں اُسے ذرا پس و پیش نہ ہو یہ قول حضرت فاروق اعظم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ابن عباس کی طرف بھی اِس قول کی نسبت دیجاتی ہے اور اخیر میں صہیب ہی کو اِس آیت کا باعث نزول قرار دیا گیا ہے. ساتویں یہ کہ اس آیت کے الفاظ مطلق اور عام ہیں ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں. جس نے اللہ کو خوشنودی حاصل کرنے کے لی اپنی جان کو بیچ دیا یا وہ یقیناً اِس آیت کے حکم میں داخل ہو گیا اور اُن داخل ہونے والوں میں سب سے زیادہ حقدار خود حضور انور اور آپ کے صدیق ابوبکر ہیں کیونکہ اوّل انہیں دو پاک نفوس نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جانوں کو بیچا اور انہیں دونوں نے خدا کے رستہ میں ہجرت کی تھی اور انہیں دونوں کی فکر میں دشمن لگے ہوئے تھے. ان ہی کی گرفتاری کے لیے قریشوں نے انعام شادع کیا تھا وغیرہ وغیرہا آٹھویں شیعی علما کا یہ کہنا کہ یہ فضیلت علی کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی لہذٰا وہی امام ہوئے محض غلط اور لغو ہے. اس میں کون شک کرسکتا ہے کہ ہجرت کے بارے میں جو فضیلت ابوبکر کو حاصل ہوئی تھی وہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے لیے ہوئی قرآن احادیث صحیحہ اور اجماع سے کہیں ثابت نہیں ہوتی یہ فضیلت تو ابوبکر ہی کے لیے ثابت ہے نہ عمرؓ کے لئے نہ عثمانؓ کے لیے نہ صحابہ میں اور کسی کے لیے لہذا ابوبکرؓ ہی امام ہوئے اللہ تعالی نے فرماتا ہے. اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (التوبہ:۴۰) اگر تم نبی کی مدد نہ کرو گے تو بیشک اللہ نے ان کی خود مدد کی جب انہیں کافروں

نے (مکہ سے) نکالا (ان کے ہمراہ صرف ایک آدمی تھا اور وہ) دو میں کے دوسرے (تھے) جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہتے تھے. رنج نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے. ایسی فضیلت سواوے ابوبکر کے یقیناً اور بلا شک کسی کو نصیب نہیں ہوئی. اب رہی یہ فضیلت کہ کوئی شخص حضور کو بچانے کے لئے اپنی جان آرے کردے تو اسمیں علیؓ کی کچھ خصوصیت نہیں ہے. بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ علی نے ایسا کیا تھا یہ فضیلت تو اور بھی بہت سے صحابہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی جان سپر کر کے حضور انور کو مختلف موقعوں پر بچایا. ہر مسلمان پر یہی واجب ہے لہذا یہ فضیلت اُن فضیلتوں میں سے نہیں ہے جو اکابر صحابہ ہی کے ساتھ مخصوص ہو حالانکہ افضلیت خاص ہی خاص امور سے ہوتی ہے نہ کہ ایسے امور سے جو سب میں مشترک اور برابر ہوں اب یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ علی کو نبی کے بستر ے پر سونے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑی. کسی کاتب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے اُن کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کو دیکھو جنہیں حضور کے بچانے میں بڑے بڑے صدمے اُٹھانے پڑے ہیں کسی پر لاٹھیاں پڑیں اور پتھر برسے، کوئی نیزوں اور برچھیوں سے گھائل کیا گیا. کوئی تلواروں سے قتل کیا گیا. یاد رکھو جس نے نبی پر اپنی جان قربان کی اور اُس میں اُسے تکلیف بھی پہنچی تو وہ اس شخص سے درجہ میں بہت بڑھا ہوا ہے جس نے اپنی جان تو قربان کی لیکن اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچی جیسے علی اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ جو فضائل علی کے ثابت ہوتے ہیں وہ سب مشترک ہیں اِن میں بہت سے صحابہ اُن کے برابر ہیں. اسکے مقابلہ میں ابوبکر کو لو اول تو اُن کے فضائل بے حد ہیں. پھر اکثر فضیلتیں ایسی ہیں جو اُن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اور کسی میں نہیں پائی جاتیں اور اس سے دنیا میں کوئی انکار نہیں کرسکتا.

شیعی علماء کی نویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ .

(آلِ عمران:۶۱) یعنی پھر اگر کوئی اس بارے میں تم سے جھگڑے تو تم کہہ دو آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو (بلاؤ) اور ہم اپنی بی بیوں کو (بلائیں) اور تم اپنی بی بیوں کو اور خود ہم بھی ہوں

اور تم بھی ہو پھر یوں التجا کریں۔ کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو فقط شیعی علماء اس پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں ابنانا کا اشارہ حسن اور حسین کی طرف ہے اور نساء نا کا اشارہ فاطمہ زہرا کی طرف ہے اور انفسنا کا اشارہ علیؓ کی طرف ہے۔ اس آیت سے حضرت علی کی امامت پورے طور ثابت ہوتی ہے کیونکہ علی کو اللہ نے رسول اللہ کا نفس ٹھہرادیا ہے دونوں کا ایک ہونا تو محال ہے مگر آنحضرت سے علی کی ایسی مساوات قائم کردی ہے جس سے ولایت مراد ہے۔ اسکے علاوہ اگر اور لوگ بھی اُن کے برابر ہوتے یا اس دعا کے مستجاب کرانے میں وہ اُن سے افضل ہوتے تو اللہ تعالے اپنے رسول کو اُنہیں لوگوں کی معیت کا حکم دیتا کیونکہ یہ موقع بہت ہی اہم اور نازک تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ حسنین، علی اور فاطمہ ہی کو بلایا گیا۔ لہٰذا علی کا افضل ہونا اس سے لازم ہو گیا جب وہ افصل ہوے تو امامت بھی اُن کے لیے مقرر ہو جائیگی شیعی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت کی دلالت ایس نہیں ہے جو کسی پر بھی پوشیدہ رہے۔ سوائے ایسے شخص کے جس پر شیطان نے اپنا پورا پورا تسلط کر رکھا ہو اور اُس کے دل پر شیطان نے ہر طرح قابو پالیا ہو یا اُس کے دل میں دنیا کی ایسی محبت شیطان نے بھر دی ہو جو کسی طرح نکل ہی نہ سکتی ہو اور اُسکی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا ہو کہ حقداروں کا حق اسے نہ سوجھتا ہو شیعی علماء کی گوہر افشانی ہوگئی۔

جواب: مباہلہ میں علی اور حسنین کا ساتھ لینا تو بے شک صحیح حدیث سے ثابت ہے جو مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے مگر ایک طویل حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوی تو حضور انور رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ زہرا، حسن اور حسین چاروں کو اپنے پاس بلایا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ میرے گھر کے تو یہ آدمی ہیں۔ بس سوا اسکے کوئی لفظ آپ نے ایسا نہیں فرمایا جس سے حضرت علی کف نفس بنانا اور اُن کو حضور انور کا مساوی قرار دینا ایسا لغو اور مہمل ہے کہ معمولی واقفتی کا آدمی بھی اسے نہیں مان سکتا اس حدیث میں نہ اُن کے مساوی ہوے کی کوئی صورت ہے جس سے ولایت مراد لیجاوے اور نہ یہاں اس پر کوئی دلیل ہے اس حدیث کو اس مطلب پر حمل کرنا اور اسکے یہ معنی لینا ہر گز جائز نہیں کیونکہ انور رسول اللہ ﷺ کے کوئی برابر نہیں ہو سکتا نہ علی نہ اور کوئی۔ اس لفظ کا مفہوم لغت میں مساوات نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگنے کے قصہ میں اللہ تعالی نے فرمایا نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگنے کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور:۱۲) یعنی جب تم نے اِس (تہمت) کو سُنا تھا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا فقط انفسھم سے یہاں ہرگز یہ مراد نہیں ہوسکتی نہ اللہ تعالےٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں سب برابر ہو جائیں پھر بنی اسرائیل والے قصہ کی آیت کو دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَتُوْبُوْآ اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ (البقرہ:۵۴) اس آیت میں بھی اُن کے مساوی ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے. بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ شخص جس نے گوسالہ پرستی کی اُس شخص کے برابر ہو جائے جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی بعض مفسروں نے بھی اِس آیت کی وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ تم میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرے اگرچہ وہ مساوی نہ ہو یہ تفسری کی ہے. پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے, وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. یعنی ایک دوسرے کی بُرائی میں نہ رہے. کہ اُس پر طعن اور اُسکی عیب جوئی کرے یاد رکھو یہ نہیں سب مسلمانوں کے لیے ہے کہ اس قسم کا کام نہ کیا کریں باوجودیکہ وہ سب مساوی نہیں ہیں نہ احکام میں اور نہ فضیلت میں نہ ظالم مثل مظلوم کے ہوسکتا ہے اور نہ امام مثل موم کے. اب خیال کرنے کی بات ہے کہ مذکورہ آیت اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ بعد میں لکھی ہوئی آیتوں کے اَنْفُسَكُمْ کے الفاظ کے مثل ہیں جب اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ان آیتوں میں مساوات ہونی ضرور نہیں بلکہ منع ہے تو پھر شیعی علماء کی پیش کردہ آیت میں کیونکر انفسنا سے مساوات قائم ہوسکتی ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اَنْفُسَكُمْ کا لفظ مجانست اور مشابہت پر دلالت کرتا ہے مشابہت تو ایمان میں شریک ہوجانے کی وجہ سے ہوجاتی ہے اگرچہ ان میں منافق بھی ہوں جیسا کہ ظاہری اسلام میں سب مسلمان شریک اور برابر ہیں اسکے علاوہ اگر نسب میں بھی اشتراک ہو تو اُس کی اور زیادہ پختگی ہوجاتی ہے پس اللہ تعالیٰ کے اس قول نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ سے یہ مراد ہے کہ ہمارے مرد اور تمہارے مرد وہ مرد جو دین میں اور نسب میں ہماری جنس سے ہوں اور وہ مرد جو تمہاری جنس سے ہوں. یہ مجانست فقط قرابت میں ہونی مراد ہے کیونکہ اس آیت اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ سے صاف ثابت ہے کہ اولاد اور مردوں کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی مرد اور عورتیں اور اولاد مراد ہے جس سے بہت

زیادہ ہماری قرابت داری ہو اسی وجہ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اولاد میں سے حسن اور حسین کو عورتوں میں سے فاطمہ زہرا کو اور اپنے مردوں میں سے حضرت علی کو بلایا تھا کیونکہ نسب کی رُو سے آپ کا قرابت دار کوئی اُن سے زیادہ نہ تھا اُن ہی کو آپ نے چادر اُڑھائی تھی. مباہلہ اُنہیں لوگوں کے ذریعہ سے مباہلہ کرتے اگر چہ وہ اللہ بھی اسی طرح اپنے قرابت داروں کو بلائیں اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسے قسم اقسمی کے موقعوں پر دوسرے فریق کے یقین دلانے کے لیے بال بچوں ہی کو پیش کرتے ہیں یہ ایک پرانی مشرقی رسم ہے اور جواب تک یوں ہی چلی آتی ہے کوئی شخص اپنے دور کے رشتہ دار کی بھی قسم نہیں کھاتا اور اگر مباہلہ ہو تو اُسے شریک نہیں مخالف یہ جانتے تھے کہ حضور انور خداوند تعالے کے رسول ہیں اور اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر ہم اُن سے مباہلہ کریں گے تو ہم پر اور ہمارے قرابت داروں پر تباہی آجائیگی اس لیے اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر ہم اُن سے مباہلہ کرینگے تو ہم پر اور ہمار قرابت داروں پر تباہی آجائیگی اس لیے اُنہیں اپنے سے زیادہ اپنے بال بچوں کا ڈر ہو گیا ہلاکت کے خطرناک موقعوں پر انسان اپنے بچوں پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح سے میرے بچے بچ جائیں. اسی لیے حضور نے اُن سے مباہلہ کی درخواست کی جس میں دونوں فریق کی طرف کے مرد اور عورتیں بھی ہوں بچے اور قرابت بھی ہوں غرض اِس سامان سے آپ اُن سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوئے تھے. یہ مباہلہ کی ۱۰ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی اُس وقت کہ جب نجران کا وقت آیا تھا حضور انور کے چچاؤں میں سے سوائے عباس کے کوئی باقی نہ تھا مگر عباس کے کوئی باقی نہ تھا مگر عباس سابقین اولین میں نہ تھے نہ علی سے زیادہ عباس کو حضور انور سے اتنی خصوصیت تھی نہ آپ کے چچا کی اولاد میں مثل حضرت علی کے کوئی تھا. جعفر اس واقعہ سے پہلے ہی جنگ مؤتہ میں ۸ھ ہجری میں شہید ہو چکے تھے. اس لیے اس مباہلہ میں علی ہے کی بُلایا گیا. ایسی صورت میں اِن کا مباہلہ کے لیے مقرر ہونا جبکہ حضور انور کے قریب تر رشتہ داروں میں اور کوئی نہ تھا کسی طرح اُنہیں حضور انور کا مساوی نہیں بناتا نہ اِس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ سب صحابہ سے افضل تھے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس مباہلہ کے ذریعہ سے ایک طرح کی فضیلت حضرت علی کو حاصل ہوگئی. مگر وہ فضیلت حضرت علی فاطمۃ الزہرا، حسن اور حسین چاروں پر مشترک اور برابر ہے مگر اس فضیل کو امامت کے خصائص سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ امامت کے خصائص عورتوں کے لیے نہیں ہوا

کرتے نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص کے ذریعہ سے حضور انور نے مباہلہ کیا وہ تمام صحابہ سے افضل ہو جیسا کہ اُس سے فاطمۃ الزہرا،حسنؓ اور حسینؓ کا تمام صحابہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر اس دعا کے قبول کرانے میں اور لوگ ان کے مساوی یا اُنسے افضل ہوتے تو اللہ تعالیٰ آنحضرت کے لیے اُن ہی کو اپنے ساتھ لینے کا حکم دیتا کیونکہ یہ ضرورت کا موقع تھا.

جواب: یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں دعا قبول کرانا مقصود نہ تھا اور اگر یہ مقصود ہوتا تو اُسکے لیے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی دعا ہی کافی تھی. اس کے علاوہ اگر حضور انور کا مقصود کسی کو اپنے پاس بلانے سے اُسکی دعا کا مقبول ہو جانا ہوتا تو آپ سارے مسلمانوں کو بلا لیتے اور اُن سب کے ذریعہ سے دعا کرتے جیسا کہ بارش ہونے کی دعا کرنے میں آپ ایسا کیا کرتا تھے اور جیسا کہ اکثر تنگدست فقرائے مہاجرین کے ریعے آپ اپنے فتح یاب ہونے کی دعا مانگا کرتا تھے اور مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری مدد تمہارے اِن ضعیف لوگوں کی وجہ سے کیجاتی ہے اور اُن کی دعا، نماز اور اخلاص کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے. یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ مثل اور مسلمانوں کے اہل بیت بھی مستجاب الدعوات تھے لیکن قبول ہونے میں کثرت سے دعاؤں کے ہونے کا اور زیادہ اثر ہوتا ہے. اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں اہل بیت کے بلانے سے حضور انور کا مقصد اپنی دعا کا قبول کرانا ہرگز منع تھا بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دونوں طرف کے قرابت داروں کا مقابلہ کرانے کی غرض سے تھا اور ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اگر مباہلہ میں حضور انور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، ابن مسعود، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل وغیرہ کو بلاتے تو آپ کے حکم کی بجا آوری میں یہ سب سے بڑھ جاتے اور دعا کے قبول ہونے میں اِن لوگوں کی دعا کا سب سے زیادہ اثر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور کو حکم نہیں دیا کہ اُنہیں اپنے ساتھ لے لو کیوں کہ اُن کے ساتھ لیجانے سے اصلی مقصد خبط ہوتا تھا مطلب یہ تھا کہ مخالف بھی اپنی ساتھ اپنی اولاد یا بیوی بچوں کو لائیں. کیونکہ طبعاً جو محبت بیوی بچوں سے ہوگی وہ اُنہیں غیروں سے نہیں ہوسکتی اگر یہاں حضور انور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو نہ لے جاتے تو مخالفوں کو ایک حلیہ مل جاتا اور وہ بھی غیروں کو اپنے ساتھ لے آتے اور اُن کی تباہی یا بربادی کا اثر ان پر زیادہ نہ پڑتا بس قرابت داروں کے بلانے کی حضور انور کے لیے صرف یہی وجہ تھی. غرض یہ ہے کہ اس آیت

میں شیعی علماء کے مطلب پر کوئی دلیل نہیں ہے تعجب ہے کہ نصوص صریحہ کو چھوڑ کے یہ لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنی من گھڑت باتوں کا تتبع کرتے ہیں اور اسی کو اُنہوں نے اپنا ذریعہ نجات سمجھ رکھا ہے پھر یہ تماشا دیکھئے کہ شیعی علماء یہ کہتے ہیں کہ انفس سے مراد ان سب کا مساوی ہونا ہے. حالانکہ یہ لغت عرب کے بالکل خلاف ہے اسکی بحث ہم اُوپر کر چکے ہیں. پھر نساونا کو فاطمۃ الزہرا کے ساتھ مخصوص کرنا شیعی علما کی صریح دھوکہ دہی ہے. حضور انور کو اختیار تھا کہ چاہے اپنی جس صاحبزادی کو بلاتے وہ اُس وقت بمنزلہ فاطمہ زہرا ہی کے ہوتی. اُس وقت حضور انور کی کوئی صاحبزادی نہ تھی. کیونکہ رقیہ، ام کلثوم اور زینب کا تو اس واقعہ سے پہلی ہی انتقال ہو چکا تھا اسی طرح انفسنا بھی حضرت علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ مثل نسآءنا کے یہ جمع کا صیغہ ہے اسی طرح بناءنا بھی جمع کا لفظ ہے. حضور انور نے حسنین کو اس لئے بلایا تھا کہ عام طور پر لوگ اُنہیں ابن رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے اگر چہ اُس وقت ابراہیم آپ کا صاحبزادہ زندہ تھا مگر وہ شیر خوار بچہ تھا لہذا حضور نے مباہلہ میں اُسے لیجانا مناسب خیال نہیں کیا.

شیعی علماء کی دسویں بُرہانی: (بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتے ہے فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ. یعنی پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (معذرت کے) چند کلمے سیکھ لئے تو اللہ تعالٰے نے اُن کی توبہ قبول کر لی. شیعی علماء فرماتے ابن مغازی شافعی نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کسی نے آنحضرت ﷺ سے دو کلمے پوچھے تھے جو آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھ لیے تھے جن پر اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی تھی. آنحضرت نے فرمایا کہ آدم نے اللہ کو محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین کے حق کی قسم دیکر مانگی تھی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی. اس پر شیعی علماء بڑے زور سے یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کسی کو بھی یہ فضیلت نصیب نہیں ہوئی پھر وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب علی اللہ کی طرف وسیلہ بنے ہیں نبی ﷺ کے برابر ہو گئے تو پھر اُن کے سوا امام کون ہو سکتا ہے لہذا وہی امام ہوئے.

جواب: اس قسم کی چڑے چڑیا کی کہانیوں پر بحث کرنی اگر چہ ہم اپنے خلاف شان سمجھتے ہیں لیکن جبکہ شیعی علماء نے اُسکو جعلی یا فرضی روایت کا جامہ پہنا کے پیش کیا ہے لہذا ہم اُسی پہلو سے بحث

کرتے ہیں حالانکہ یہ اسی روایت ہے کہ بالغ نظر تو ایک طرف رہا اگر کسی معمولی عقل کے آدمی کے آگے پیش کیجائے تو وہ بھی مارے ہنسی کے لوٹ جائے. ہم سب سے پہلے مثل اور پیش کردہ روایتوں کے اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں اس پر کل اہل علم کا اتفاق ہے اور اُسکی بحث پہلے بھی ہوچکی ہے کہ فقط ابن مغازی کی روایت کو حجت بنانا اور اُسے دلیل سے تعبیر کرنا بھی جائز نہیں ہے. دوسرے تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث یقیناً جھوٹی اور موضوع ہے ابوالفرح بن جوزعی نے اس حدیث کو دار قطنی کے طریق سے موضوعات میں نقل کیا ہے کیونکہ افراد اور غرائب کے بیان میں اُن کی بہت سی کتابیں ہیں دار قطنی کا بیان ہے کہ اِس روایت کو عمرو بن ثابت نے اپنے باپ سے اُس نے ابوالمقدم کہتے ہیں کہ عمرو بن ثاب ہمیشہ موضوع حدیثیں نقل کیا کرتا ہے. تیسرے یہ کہ وہ کلمے جو آدم نے سیکھے تھے خود خداوند تعالے نے نہایت تفصیل اور تفسیر کے ساتھ اپنے کلام پاک میں بیان کردیئے ہیں اور وہ یہ ہیں. وترجمنا لنکونن من الخاشرین. تمام سلف سے یہی مروی ہے کسی نے بھی مثل شیعی علماء کے ایسی کسی چڑے چڑیا کی کہنا کا ذکر نہیں کیا. چھوتھے یہ کہ شخص بالاضطرار اس بات کو جانتا ہے کہ آدم درکنار اگر کفار اور فساق میں سے بھی کوئی اللہ کے آگے توبہ کرے تو وہ اُس کی بھی توبہ قبول کرلیتا ہے اگرچہ وہ اللہ کو کسی کی قسم نہ دے پھر عقل باور نہیں کرتی کہ آدم کو توبہ کرنے میں ایسی چیز کی کیوں ضرورت کی ضرور پڑنے لگی جسکی گہنگاروں میں سے کسی ضرورت نہ پڑی ہو نہ مومن کو نہ کافر کو. ایک ایسے فرقے کا پتہ لگا ہے جسکا عقیدہ یہ ہے کہ آدم نے جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کو اپنا وسیلہ ٹہرایا اُسوقت اُس کی توبہ قبول ہوئی لیکن یہ بھی سفید جھوٹ ہے یا لوگوں نے ایک حکایت خود گھڑی ہے اور بے گناہ امام مالک کے سر چپیک دی ہے اور قاضی عیاض نے دھوکہ کھا کے اس حکات کو شفا میں نقل کردیا ہے. حالانکہ ہم صاف طور پر کہتے ہیں کہ امام مالک پر یہ نرا بہتان ہے کہ اُنہوں نے منصور سے مباحثہ کرنے میں ایسی بے سروپا کوئی بات کہی تھی. پانچویں یہ کو توبہ میں اِس قسم کی دعا کرنے کا حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کسی کو حکم نہیں دیا نہ صرف توبہ میں بلکہ اور کسی دعا میں کسی دعا میں بھی حضور انور نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ اللہ کو کسی مخلوق کی قسم یا کرے یا درکھو اگر یہ دعا مشروع ہوتی تو حضور انور اپنی امت کے لیے اُسے ضرور مشروع کردیتے. چھٹے یہ کہ اللہ کو فرشتوں اور پیغمبروں کی قسمیں دینا ایک ایسا امر ہے جسکا پتہ نہ قرآن مجید میں لگا تا ہے نہ صحیح حدیث میں بلکہ اکثر فقہا مثلاً امام

ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف وغیرہ اس امر کو صاف تصریح کر چکے ہیں کہ اللہ کو مخلوق کی قسم دینا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے. ساتویں یہ کہ اگر اس طرح توبہ کرنا مشروع اور جائز بھی ہو تو یہ بات دیکھنے کی ہے کہ آدم خود ایک اولوالعزم نبی تھے اور بے شک یہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ہادیٔ برحق محمد عربی ﷺ سے ضرور افضل تھے لیکن بحیثیت نبی ہونے کے بلا خوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ آدم علی، فاطمہ زہرا، حسن اور حسین سے یقیناً افضل ہیں پھر وہ خدا کو ان کی قسم کیوں دینے لگے. آٹھویں یہ کہ یہ فضیلت ائمہ کی خصوصیتوں میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ تو فاطمہ زہرا کے لئے بھی ثابت ہے اور ائمہ کی خصوصیتیں عورتوں میں نہیں ہوا کرتیں جب یہ خصوصیت نہ رہی تو یہ فضیلت امامت کے لئے مستلزم نہیں ہے اس لئے کہ امامت کی دلیل تو ایسی ہونی چاہیے کہ اُسکے ہونے سے امامت کا استحقاق لازم آجائے اب اگر اس فضیلت کو ہم امامت کی دلیل ٹھرائیں تو جس میں یہ فضیلت ہوگی وہی امامت کا مستحق لازم آجائے اب اگر اس فضیلت کو ہم امام کی دلیل ٹہرائیں تو جس میں فضیلت ہوگی وہی امامت کا مستحق ہوجائے گا اور پھر یہ فضیلت فاطمہ زہرا میں بھی ہے حالانکہ نص اور اجماع سے عورت امام نہیں ہوتی.

شیعی علماء کی گیارھویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِی. یعنی بے شک میں تمہیں لوگوں کو پیشوا بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) عرض کیا کہ میرا اولاد میں سے بھی شیعی علماء، کا قول ہے کہ فقیہ ابن المغازی شافعی نے ابن مسعود سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا یہ دعا مجھ پر اور علی پر پوری ہوگئی ہے کیونکہ ہم دونوں میں سے کسی نے بھی کسی بُت کے آگے سر نہیں جھکایا اس لئے اللہ نے مجھے نبی بنایا اور علی کو میرا وصی بنادیا اور یہ اس بارے میں نص ہے. شیعی علماء کا قول ختم ہوگیا.

جواب: اس روایت کا بھی وہی رونا ہے جو پہلی روایتوں کا ہو چکا ہے. کُل محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور موضوع ہے. دوسرے یہ قول کہ یہ دعا ہم پر پوری ہوگئی ایسا کلام ہے کہ اسے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت دینا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ہم سے پہلے اس کا کوئی مصداق نہیں بنا تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بہت سے انبیاء اسکے مصداق بن چکے ہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهُ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ (الانبیاء:۷۲،۷۳) یعنی اور ہم نے ابراہیم کو انعام میں اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت کیا اور اُن سب کو ہم نے نیک بنایا اور انہیں ہم نے پیشوا بنایا ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف ہم نے نیکیوں کے کرنے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی وحی بھیجی تھی پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اور ہم نے موسیٰ کتاب (توریت) عنایت کی اور نبی اسرائیل کیلئے اُسے ہدایت بنایا۔ پھر بنی اسرائیل کے قصہ میں ارشاد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ یعنی اور ہم نے نبی اسرائیل میں سے پیشوا پیدا کئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ اُنہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ اُمت مرحومہ سے پہلے ابراہیم کی اولاد میں سے اللہ نے بہت سے ہدایت کرنے والے اور پیشوا پیدا کئے جسکے ثبوت کے لئے قرآن مجید کی مذکورہ آیتیں بس ہیں تو اس جھوٹی روایت کا پہلا مطلب تو بالکل جاتا رہا اب دوسرا مطلب لیجئے کہ اگر اس پیش کردہ روایت سے یہ مراد ہے کہ یہ دعا ہم پر پوری ہوگئی یعنی اب ہمارے بعد کوئی امام نہ ہوگا تو اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ نہ حسن حسین امام ہوں نہ اُن کی اولاد میں سے کوئی امام بنے حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ اسکے علاوہ یہ وجہ بیان کرنی کہ ہم نے کی بُت کے سامنے سر نہیں جھکایا تو یہ وصف اُنکے بعد کے کل مسلمانوں میں موجود ہے۔ کون کہ سکتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی شخص نے کسی بت کے آگے سر جھکایا ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بُت کو سجدہ نہ کرنا تو ایک ایسی فضیلت ہے۔ جس میں وہ سب آدمی شریک ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اس میں کسی کی خصوصیت نہیں پھر اس فضیلت کو خاص کرنا اور اس سے امامت کا مرتبہ پیدا کرنا ایک ایسا لغو فعل ہے جسکی لغویت عیاں ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے بُت کو کبھی سجدہ نہیں کیا کیونکہ وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے نہ اُنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد ایسا کیا اس کا جواب یہ ہے کہ کہ سارے مسلمان ایسے ہی ہیں اب رہا نابالغ لڑکا وہ غیر مکلف ہوتا ہے نابالغی کی حالت میں اِس قسم کے فعل کرنے نہ کرنے کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔ اب رہی یہ بات کہ اسلام لانے سے پہلے حضرت علی نے کسی بُت کو سجدہ نہ کیا کس معتبر شہادت سے ثابت نہیں ہوتا۔ نہ شیعی علماء نے کوئی ایسی دلیل بیان کی جس سے اِس بات کی صداقت ہو خالی دعوی سے تو کام

نہیں چلتا. دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جس نے کبھی کفر نہ کیا یا وہ کسی کبیرہ گناہ کا مُرتکب نہ ہوا ہو ایسا آدمی اُس شخص سے افضل ہو جسنے کفر یا کبیرہ گناہ کر کے توبہ کر لی ہو بلکہ برخلاف اِسکے کفر اور فسق کر کے اُن سے توبہ کرنے والا کبھی اُس سے افضل ہو جاتا ہے جس نے کفر اور فسق کیا ہی نہ ہو. چنانچہ قرآن مجید اس پر صاف دلالت کرتا کیونکہ اللہ تعالے نے ان لوگوں کو جنہوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اپنا روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا اُن پر فضیلت دی ہے جنہوں نے مکہ فتح ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں روپیہ بھی خرچ کیا اور جہاد بھی کیا اُن لوگوں میں بہت ایسے بھی تھے جو اسلام میں پیدا ہوئے تھے اسی طرح سابقین اولین کو تابعین پر فضیلت دی ہے حالانکہ وہ پہلے کافر تھے اور بعد میں ایمان لاوے تھے مگر تابعین اسلام ہی میں پیدا ہوئے تھے اُنہوں نے کبھی کفر نہیں کیا تھا اس سے زیادہ اور بین ثبوت کیا چاہتے ہو کہ کفر و فسق کر کے توبہ کرنے والے اُن لوگوں سے افضل ہیں. جنہوں نے نہ کفر کیا نہ فسق کیا.

شیعی علماء کی بارھویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کیے اُنکے لیے رحمان عنقریب محبت قائم کر دے گا. فقط شیعی علماء قرآن مجید کا اِس آیت پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے. اُن کا قول ہے کہ وہ اِس محبت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ہو. پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں کہ ثعلبی کی تفسیر میں براء بن عازب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا تھا کہ اے علی تم اللہ سے یہ دعا کرو **اللھم اجعل لی عندک عھدا واجعل لی فی صدور المومنین مودہ** اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی چونکہ یہ مرتبہ سوائے حضرت علی کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا لہذا شیعی علماء کے خیال کے بموجب حضرت علیؓ ہی امام ہوئے۔

جواب: من چہ گویم وطنبورہ من چہ سراید ہر مقام پر آپ دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید کی آیت کے معنی کچھ ہیں اور اُس سے استدلال کچھ کیا گیا ہے اگر اسی طرح قرآن مجید کی ساری تفسیر کر دی جاوے تو

یقیناً منشائے باری تعالیٰ ایسا تبدیل ہو جائے جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا. بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت علی کی فرضی امامت ثابت کرنے کے لیے کس بے باکی اور دلیری سے کلام خدا کے مضامین کو اُلٹ پلٹ دیا ہے اور کچھ خوف اُس معبود حقیقی کا نہیں کیا تحریف معنی اس سے زیادہ ہو نہیں سکی جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں. ایک بیچارہ ثعلبی شیعی علماء کو مل گیا ہے اُسی کی پشت پناہی میں یہ سارا جوش وخروش ہے حالانکہ جو کچھ اُس کی حقیقت ہے گزشتہ صفحات میں ہم صاف صاف کھول چکے ہیں. ہم ایسی باتوں کے جواب دینے میں التفات نہ کرتے کیونکہ ان پر تو یہی بات صادق آتی ہے. این است جوابش کہ جوابش نہ دہی مگر چونکہ عوام الناس حدیث کا لفظ سنکے دھوکے میں آ جاتے ہیں اس لئے محققانہ بحث اور جواب کی ہمیں ضرورت پڑی اور ہم ابتدا سے برابر ہو جھوٹی روایت کا تار تار الگ کرتے چلے آئے ہیں تا کہ کم علم لوگ شیعی علماء کی دست بُرد سے بچ جائیں. اب ملاحظہ فرمایئے اس شیعی فرضی بُرہان کا جواب کئی طرح سے ہے اول تو ہم مثل سابق کے روایت کی صحبت کا مطالبہ کرتے ہس اور ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ اسکی صحت کا ثبوت نہ دینا میں کوئی نہیں دے سکتا. پھر خیال تو فرمایئے کہ ایسی دلیل سے استدلال کرنا جس کے مقدمے بھی ثابت نہ ہوں کس طرح باطل نہ ہوگا. تمام سنی اور شیعہ اس سے انکار نہیں کر سکے کہ کسی روایت کا کسی کی طرف منسوب کر دینا اُسکے صحیح ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا. دوسرے سب محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں مذکورہ روایتیں بالکل جھوٹی ہیں. تیسرے قرآن مجید کی مذکورہ آیت سب مسلمانوں کے حق میں ہے اس میں صرف حضرت علیؓ کی خصوصیت کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ یہ علی وغیرہ سب کو شامل ہے اِسکی دلیل یہ ہے حسنین وغیرہ یعنی وہ جن کی شیعہ بھی تعظیم کرتے ہیں اس آیت سب مسلمانوں کے حق میں ہے اس میں صرف حضرت علیؓ کی خصوصیت کرنا ہرگم جائز نہیں بلکہ یہ علی وغیرہ سب کو شامل ہے اسکی دلیل یہ ہے حسنین وغیرہ سب کو شامل ہے اسکی دلیل یہ ہے حسنین طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے علی کے ساتھ مخصوص نہ ہونے پر اجماع ہے باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ صحابہ میں سوائے علی کے کسی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا بالکل غلط ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں چوتھے خداوند تعالے نے اپنی طرف سے یہ بیان کیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کیے اُن کے لیے ہم محبت قائم کر دیں گے. اللہ تعالے کا یہ وعدہ یقیناً سچا ہوا کیونکہ اُس باری تعالےٰ نے مسلمانوں کے دل میں صحابہ کی محبت ڈال دی تھی. خاصکر خلفا کی اور ان

میں بھی خاص کر ابوبکر و عمر کی کیونکہ تمام صحابہ و تابعین عام طور پر شیخین سے محبت رکھتے تھے اور وہ خیر القرون ہیں اُن کے مقابلہ میں حضرت علی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا کیونکہ اکثر صحابہ اور تابعین حضرت علی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اُن کی باتیں اُنہیں ناپسند تھیں. شیخین یعنی ابوبکر و عمر سے تو فقط رافضی نصیریہ اور اسماعیلیہ فرقہ والے بغض رکھتے اور بُرا کہتے ہیں لیکن اِسے سب جانتے ہیں کہ شیخین سے محبت رکھنے والے رافضیوں وغیرہ سے بدرجہا افضل اور کہیں زیادہ ہیں بخلاف علی کے کیونکہ جن لوگوں نے اُنہیں اچھا نہیں سمجھا اور اُن کا مقابلہ کیا وہ اُن کا مقابلہ کیا وہ اُن سے بدرجہا بہتر ہیں جنھوں نے ابوبکر و عمر سے بغض رکھا اور اُنہیں اچھا نہیں سمجھا یہ تو یہ عثمان کے شیعہ بھی جو عثمان سے محبت رکھتے ہیں اور علی کو اچھا سمجھتے وہ اُن لوگوں سے جو علی کے شیعہ مشہور ہیں علم اور دینداری میں کہیں. اگر شیعی علماء یہ کہنے لگیں کہ علی کے بارے میں معبود ہونے اور نبی ہون تک کا دعوی کیا گیا ہے لہذا ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خوارج سب کے سب اُنہیں کافر کہتے ہیں اسی طرح مرانیہ بھی اُنہیں اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اُن رافضیوں سے بہتر ہیں جو ابوبکر و عمر کو بُرا کہتے ہیں اب رہے غالیہ فرقہ کے لوگ اُن کی طرف ہم التفات کرنا غیر ضروری جانتے ہیں.

شیعی علماء کی تیرھویں بُرہان: (بقول شیعی علما) اللہ تعالی فرماتا ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی بے شک تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے رایت کرنے والے۔ (شیعی علماء کہتے ہیں) کتاب الفردوس میں ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں ڈرانے والا ہوں اور علی ہادی ہیں اور فرمایا اے علی ہدایت پانے والے لوگ تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پاتے ہیں. اسی طرح ابونعیم نے نقل کیا ہے اور بقول شیعی علماء اس سے زیادہ ولایت اور امامت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے. فقط۔

جواب: اسکا جواب بھی چند طرح سے ہے اوّل یہ کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی شیعی علما نے کوئی دلیل بیان نہیں کی لہذا اس سے حجت کرنا جائز نہیں. اب رہی کتاب الفردوس یہ کتاب موضوعات کا مجموعہ ہے. دیلمی اس کا مصنف ہے یہ حدیث بھی دیلمی ہی کی ساختہ و پرداختہ ہے لہذا عقل باور نہیں کرتی کہ دیلمی کی کی کوئی روایت کردہ حدیث ہو سکے. اب رہے ابونعیم ان کا بھی کسی حدیث کا

روایت کرنا اِس کی صحت پر دلالت نہیں کرتا اور ابو نعیم کو صاحب ہیں اُنکی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہی. دوسرے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث جھوٹ اور موضوع ہے. تیسرے ایسے کلام کو حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منسوب کرنا ایک مسلمان کے لیے تو جائز نہیں کتنے غضب کی بات ہے کہ حضور انور یہ فرمائیں کہ میں تو ڈرانیوالا ہوں اور علی ہدایت کرنے والے ہیں اسکے معنی یہ ہوئے کہ ہدایت علی سے ہوسکتی ہے اور حضور انور سے نہیں ہوسکتی حالانکہ کوئی مسلمان بھی اِس کا قائل نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ جب کھلے الفاظ میں اپنے نبی محمد عربی رسول اللہ ﷺ کو ہادی کہتا ہے پھر دوسرے شخص کی کیا مجال ہے کہ حضور انور کے مقابلہ میں ہادی بن سکے. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ. جسکی اللہ نے یہ تعریف کی ہو پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ہادی نہو اور دوسرا ہادی بنایا جائے چوتھے یہ کہنا کہ اے علی ہدایت پانے والے تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پاتے ہیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ محمد ﷺ کی امت میں سے جسے ہدایت ہوگی علی ہی کے ذریعہ سے ہدایت ہوگی یہ بالکل جھوٹ سخت گستاخی اور نبی کے ساتھ بے ادبی ہے. بھلا کون شخص آفتاب پر خاک ڈال سکتا ہے اور کس طرح اُس کا رخ انور چھپا سکتا ہے ہزاروں آدمی حضور انور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاوے اور اُنہوں نے آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہدایت پائی علی سے اُنہوں نے ایک کلمہ بھی نہیں سنا. اِسکے بعد وہ صحابہ جنہوں نے دین کی اشاعت کی اِسکے مستحق ہیں کہ اُنہیں مخلوق کے ایک حصہ کا ہادی قرار پا جائے علی سے تو آجتک کسی نے ہدایت نہیں پاوی اسکا شمہ برابر بھی ظہور کسی تاریخ میں یا کسی صحیح روایت میں نہیں ہے. پانچویں بعض مفسرین نے اِس آیت کے یہ معنی لکھے ہیں کہ یہاں ہادی سے مراد اللہ تعالی ہے بعض نے لکھا ہے کہ ہر قوم کے لیے ڈرانے والے اور ہدایت کرنے والے تم ہی ہو یہ دونوں قول ضعیف ہیں اور ان قولوں میں آیت کے صحیح صحیح معنی نہیں اِسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیشک تم ڈرانے والے ہو جیسا کہ تم سے پہلے ڈرانے والے پیغمبر آ چکے ہیں اور ہر قوم کے لئے ڈرانے والا ہوتا ہے. جو اُسے ہدایت کرتا ہے یعنی اللہ کی طرف بُلایا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وان من امة الا خلافیها نذیر مفسرین میں میں قتادہ، عکرمہ، ابوالضحیٰ، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا یہی قول ہے کہ ڈرانے والا ہی ہدایت کرنے والا ہوتا ہے. پھر ابن جریر طبری نے سند کے ساتھ عکرمہ اور منصور سے اس آیت کی بابت روایت کی ہے. وہ دونوں کہتے ہیں کہ محمد ہی ڈرانے والے اور

وہی ہادی ہیں. بقول ابن وہب، ابن زید کہتے تھے کہ ہر قوم کے لئے ایک نبی ہے. نبی اُس قوم کو ڈراتا بھی ہے اور اُسے ہدایت بھی کرتا ہے. اسکے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور خداوند تعالے یہ فرماتا ہے ولکل قوم ھاد اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہادی الگ الگ ہیں. اس صورت میں بہت سے ہادی ہو جائینگے. پھر اولین و آخرین میں سے ہر قوم کے لیے علی کو ہادی کس طرح ٹھیرا سکتے ہیں. چھٹے یہ کہ کسی شخص کے ذریعے سے ہدایت ہوتی ہے تو کبھی بغیر حاکم ہوئے بھی ہو جاتی ہے. جسطرح عالم سے ہدایت ہوتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا میں آیا اصحابی کالنجوم فباھیم اقتدیتم اھتدیتم. لہذا امامت کے ثبوت میں یہ ہرگز صریح نہیں ہے جیسا کہ شیعی علما نے گمان کیا ہے. ساتویں یہ کہ لکل قوم ھاد نکرہ ہے جو سیاق اثبات میں ہے اور یہ کسی معین پر دلالت نہیں کرتا پس حضرت علی امامت پر قرآن شریف کی دلالت کا دعوی کرنا بالکل باطل ہے اور پھر باطل کا باطل حدیث سے حجت کرنا اور بھی ایک خطرناک امر ہے اس کے علاوہ ایسی باطل حدیث سے حجت کرنا قرآن شریف سے حجت کرنا نہیں ہوتا.

شیعی علماء کی چودھویں بُراہان:

(بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ یعنی اور اُنہیں کھڑا کرو بیشک اُن سے پوچھا جائیگا. شیعی علماء نے فرماتے ہیں کہ ابو نعیم نے شعبی سے اُنہوں نے ابن ابن عباس سے روایت کی ہے ابن عباس اس آیت کی بابت فرماتے تھے کہ لوگوں سے علی کی ولایت کے بارے میں پوچھا جائیگا (پھر بقول شیعی علماء) کتاب الفردوس ابوسعید خدری سے مروی ہے ہے اُنہوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی طرح روایت کی ہے پھر اب علی کی امامت میں کسی طرح شک ہو سکتا ہے. فقط

جواب: وہی ابو نعیم اور الفردوس کا رونا چلا آتا ہے. شیعی علماء نے بھی کمال کیا اسلامی دنیا کی موضوعات کا ڈھیر اُٹھالائے اور اندھا دھند جو کچھ جی میں آیا اُسمیں سے پیش کرنا شروع کر دیا. جس طرح ثعلبی اور ابو نعیم کی حقیقت آپ پر کھل چکی ہے اسی طرح کتاب الفردوس کی حقیقت بھی آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں مگر ہم اسکا جواب وہی محققانہ دینگے اگرچہ ایسی باتیں قابل التفات نہیں ہوا کرتیں مگر وہی بات ہے کہ امت مرحومہ کے کم علم آدمی ایسی جھوٹی باتوں سے نہ بہک جائیں اور

اپنا دین خراب نہ کردیں اسلئے ہمیں ایسی محققانہ نہ بخشوں کی ضرورت ہوئی ہے. اس کا جواب کئی طرح سے ہے اول تو یہ کہ پہلے اس نقل کی صحت کا مطالبہ ہم کرتے ہیں اور اس بات کو جانتے ہیں کہ ہندوستان اور ایران کے شیعی مجتہد ملکر بھی اس نقل کی صحت ثابت نہیں کرسکتے. دوسرے یہ بات پہلے ظاہر ہوچکی ہے کہ فردوس اور ابونعیم کی طرف کسی روایت کی نسبت دے دنیا قیامت تک حجت نہیں ہوسکتا اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے. دوسرے ی ہ کہ یہ راویت باتفاق بالکل جھوٹی اور موضوع ہے.

تیسرا اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہایت غور توجہ سے ملاحظہ کرو۔ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ. اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ. وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ. مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ. وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ. قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ. فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ. فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ. اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ. اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ. بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ (الصّٰفّٰت:۱۲تا۳۷) یعنی بلکہ (کافروں کی حالت) پر تعجب کرتے ہوا اور یہ مسخراپن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے (اور کہتے ہیں کہ) کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہڈی ہوجائینگے کیا بیشک یقیناً ہم (پھر) زندہ کیے جائینگے. آیا ہمارے اگلے باپ دادا (بھی زندہ کیے جائیں گے. اے نبی) کہدو کہ ہاں (تم سب زندہ کیے جاؤ گے.) اور تم ذلیل ہوگے پس سوا اِسکے نہیں کہ وہ (یعنی اُن کا زندہ کیا جانا بذریعہ) ایک سخت نعرہ (کے) ہوگا پس فوراً یہ (زندہ ہوکر) دیکھنے لگیں گے. اور کہیں گے کہ اے ہماری خرابی یہی روز جزا ہے (اُس وقت اُن سے کہا جائیگا کہ) یہی فیصلہ کا دن ہے جسکی تم تکذیب کرتے تھے اور فرستوں کو حکم دیا جائیگا کہ ظالوں کو اور اُن

کے ہمراہیوں کو جمع کرو اور جن کی وہ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے پھر اُنہیں دوزخ کی راہ کھاؤ۔ اور اُنہیں کھڑا کرو بے شک اُن سے پوچھا جائیگا کہ تمھارا کیا حال ہے کہ تم (اس وقت) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (اس وقت وہ بالکل سرکشی نہ کرینگے) بلکہ وہ اُس دن فرمان بردار بن جائینگے اور بعض اُن کے بعض کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے (اور) کہیں گے کہ بیشک تم ہمارے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے (ہمیں گمراہ کرنے کو) ہمارے پاس آتے تھے (تم ہی نے ہمیں گمراہ کیا) وہ جواب دینگے (کہ ہمنے گمراہ نہیں کیا) بلکہ تم (خود) ایماندار نہ تھے اور ہم کو تم پر کچھ قابو نہ تھا بلکہ (خود) سرکش لوگ تھے پس (اب) ہم پر ہمارے پروردگار کا وعدہ صادق آ گیا کہ بیشک یقیناً (اب) ہم (عذاب کا مزہ) چکھنے والے ہیں پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا بیشک ہم (خود بھی) گمراہ تھے پس یقیناً وہ اُس دن عذاب میں شریک ہونگے بیشک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کرتے ہیں بے شک وہ (ایسے سرکش تھے کہ) جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (اے بدبختو ہمارے نبی دیوانہ شاعر نہیں ہیں) بلکہ ہو (دین) حق لائے ہیں اور اُنہوں نے (اگلے) پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔ فقط۔

اِسے آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ بیان اُن مشرکوں کا ہے جو حساب و کتاب کے دن کو جھٹلاتے ہیں توحید، پیغمبروں پر ایمان لانے اور روز قیامت پر صدق دل سے ایمان لانے کی بابت اُنہیں سے پوچھا جائیگا۔ اس سوال میں علی کی محبت کو کیا دخل ہوسکتا ہے۔ سمجھو تو سہی کہ اگر یہ لوگ باوجود اس کفر و شرک کے علی سے محبت رکھیں تو کیا یہ محبت رکھنا انہیں کچھ نفع دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا یہ لوگ اگر علی سے بغض رکھیں تو اُن کے اِس بغض کو اللہ کے پیغمبروں، اُسکی کتاب اور اُسکے دین سے بغض رکھنے سے کیا نسبت ہے کتنا اندھیر ہے کتنا اندھیر ہے کہ کس بے دردی اور خیرہ چشمی سے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کیجاتی ہے جو سوائے زندیق اور ملحد کے کوئی نہیں کرسکتا یہ تو درحقیقت کلام خدا سے مضحکہ کرنا ہے اسکے علاوہ علی، طلحہ، زبیر، سعد، ابوبکر، عمر اور عثمان ان سب سے محبت رکھنے میں میں کیا فرق ہوسکتا ہے اور اگر کوئی شیعی علماء کے مقابلہ میں یہ دعوے کر بیٹھنے کہ نہیں ابوبکر کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائیگا تو یہ دعوے شیعی علما کے دعوے سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اس آیت میں تو کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ شیعی علما کے قول کے راجح ہونے پر دلالت کرے بلکہ اس آیت کی دلالت ان دونوں کی محبت ہونے

نہ ہونے پر برابر ہے۔ ابوبکر کی محبت کے واجب ہونے کی اور بہت سی قومی دلیلیں ہیں جن کا ذکر موقع پر کہیں آئیگا۔ چوتھے یہ کہ اللہ کہ کا قول اسولون مطلق لفظ ہے اُسکے ساتھ کوئی ضمیر نہیں ہے جس سے کسی کی خصوصیت معلوم ہو اور نہ سیاق میں کوئی ایسا امر ہے جو علی محبت کے ذکر کا مقتضی ہو۔ پس شیعی علماء کا یہ دعوے کہ ان لوگوں سے علی کی محبت کا سوال ہونے پر یہ لفظ دال ہیں اعلے درجہ کا جھوٹ اور بہتان ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ان لوگوں سے ابوبکر و عمر سے محبت رکھنے کی بات سوال کیا جائیگا تو یہ دعوی کسی طرح باطل نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی وجہ ہوگی تو اُس سے علی کی محبت کا سوال ہونے کا دعوے بدرجہ اولی باطل ہو جائیگا۔

شیعی علماء کی پندرھویں بُرہان

:(بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولتعرفنہم فی لحن القول یعنی ضرور بلاشبہ تم اُنہیں (اُنکے) بات کہ لہجہ سے پہچان لوگے۔ شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے اس سے یہ مراد ہے کہ بیشک تم اُنہیں اُن کی بات کے لہجہ سے علی کے بغض رکھنے کو پہچان لوگے اور یہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔ پس سب سے افضل علی ہی ہوئے لہذا وہی امام ہوں گے۔

جواب: اول ہم اس نقل کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ شیعی دنیا کے کل عالم ملکر بھی اِس نقل کی صحت ثابت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کل محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو سعید ہی نے ایسا کیا تھا تو اُن کا کہنا صرف ایک صحابی کا قول ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجئے کہ صحابہ کے اقوال میں جب ایک قول دوسرے کے مخالف ہوتا ہے تو وہ باتفاق تمام علما کے حجت نہیں ہوسکتا۔ چوتھے یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اکثر منافقین کی بات کے لہجہ سے علی کا بغض ہرگز نہیں پہچانا جاسکتا اور قرآن مجید کی یہ تفسیر کرنی بالکل صریح بہتان ہے۔ پانچویں یہ کہ کفار اور منافقین کو حضرت علی سے اتنی عداوت ہرگز نہیں تھی جتنی کہ فاروق اعظم سے تھی کسی تاریخ یا کسی نوشتہ اور روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کفار یا منافقین کو حضرت علی سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ اسلئے فطرتاً یہ بات لازمی ہے کہ وہ ہرگز ایسے شخص سے عداوت ہرگز نہیں تھی جتنی کہ فاروق اعظم سے تھی کسی تاریخ یا کسی نوشتہ اور روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ

کفار یا منافقین کو حضرت علی سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی. اسلئے فطرتاً یہ بات لازمی ہے کہ وہ ہرگز ایسے شخص سے عداوت نہ کریں جس سے انہیں جس سے اُنہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو. چھٹے صحیح میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے. ایتـه الا یـمـان حب الانصـار و آیتـه الـنـفـاق بـغض الانصار یعنی ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے پھر حضور انور نے فرمایا لا یبغض الا نصار رجل یومن بالله والیوم الاخر یعنی انصار سے ایسا آدمی بغض نہیں رکھ سکتا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ حدیثیں اور روایتیں اُس حدیث سے زیادہ صحیح ہیں جو بعض راوی حضرت علی سے نقل کرتے ہیں یعنی حضرت علی نے فرمایا تھا العهـد الـنبـی الامی الی انه لا یحبنی الا مومن و لا یبغضنی الا منافق. یعنی مجھ سے نبی امی نے یہ عہد کرلیا تھا کہ مجھ سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا. یہ روایت فقط مسلم نے نقل کی ہے. بخاری نے اس روایت کو نہیں لیا. برخلاف انصار کی احادیث کے اُن پر اہل صحاح ستہ یعنی بخاری وغیرہ کا سب کا اتفاق ہے اور کل اہل علم اسے یقیناً جانتے ہیں کہ بیشک حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے برخلاف اُس روایت کے جو حضرت علی کی طرف منسوب کی گئی ہے اِس میں محدثین کے ایک طبقہ کو شک ہے۔ ساتویں یہ کہ نفاق کی علامتیں بہت سی ہیں جیسا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ المنافق ثلث اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا ؤتمن خان. یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اُسکا ایفا نہ کرے اور جب اُسکے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے. یہ علامتیں ظاہر ہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ منافق کی علامتیں کسی ایک شخص یا ایک جماعت کی محبت کے لیے مخصوص نہیں ہیں اور نہ کسی کے بغض کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق ہے. اس میں شک نہیں کہ جو شخص حضرت علی کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت رکھے اس وجہ سے کہ وہ اِسکے مستحق ہیں تو یہ محبت ضرور رُ اسکے ایمان کی دلیل اور علامت ہوگی. اسی طرح جو شخص انصار سے اسوجہ سے محبت رکھے کہ اُنہوں نے اللہ کے دین اور اللہ کے رسول سے محبت کی تھی تو یہ بھی اُسکے ایمان کی علامتوں میں سے ہے ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہے جو حضرت علی سے اور انصار سے اس وجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر اُن کا ایمان تھا اور خدا کی راہ میں جہاد

کرتے تھے تو یہ شخص بے شک منافق ہے. اب محبت کا دوسرا پہلو لیجئے یعنی اگر کوئی شخص انصار سے یا حضرت علی سے یا اور کسی سے کسی امر طبعی کی وجہ سے محبت رکھے مثلاً دونوں میں رشتہ داری ہو تو یہ ایسی محبت ہوگی جیسے ابوطالب کو حضور انور رسول اللہ ﷺ سے تھی. یہ محبت کرنے والے کو اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی نفع نہیں دے سکتی. اور جو شخص انصار یا حضرت علی وغیرہ کی محبت میں جس سے بڑھ جائے اور اُن کے مرتبہ سے اُنہیں بڑھا دے تو یہ بو بیشک حقیقت میں اُن نہیں رکھتا بلکہ اُسے اُس چیز سے محبت ہے جس کا دنیا میں کبھی ظہور ہی نہیں ہوا. اب سنیئے بغض کی صورت اگر کسی شخص نے کسی انصاری سے ایسی بات سنی جس سے اُسکے دل میں انصاری کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ اُس سے بغض کرنے لگا تو ہم اس بغض کرنے والے شخص کو گمراہ اور گناہگار کہیں گے منافق ہرگز نہیں کہہ سکتے. اسی طرح اگر کسی صحابی کی بابت کسی شخص نے کوئی خلاف عقیدہ کرلیا اور اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ کافر یا منافق ہے اور اُس کی وجہ سے اُس سے بغض رکھنے لگا اِس پر بھی ہم اُس شخص کو ظالم اور جاہل کہیں گے منافق نہیں کہیں گے اس روشن استدلال اور برہان قاطع سے اُن روایتوں کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے جو بعض صحابہ کی طرف سے نقل کی گئی ہیں. مثلاً بعض راوی جابر سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم سوائے ایک علامت کے منافق کو نہیں پہچان سکتے تھے اور وہ علامت سے بغض رکھنے کی تھی. ان ناپاک روایتوں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے. اور اس طوفان بے تمیزی کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علی اپنی اُس وجاہت سے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُنہیں عطا ہوئی تھی بہت ہی آگے بڑھا دیئے گئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کی اصلی حالت بالکل چھپ گئی اور وہ اب کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی کوئی صحابی ہو اُس کا قول اگر قرآن مجید کے صریح خلاف ہوگا تو ہم ہرگز نہیں مانتے کے بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہوجائے کہ یہ فلاں صحابی کا ہے. قرآن مجید میں صاف طور پر منافقوں کی علامتیں بیان کی گئی ہیں تو پھر کیونکر خیال ہوسکتا ہے کہ جابر جیسا جلیل القدر صحابی قرآن مجید کی ایسی کھلی آیتوں سے بالکل بے خبر تھا. قرآن مجید کی ان صریح آیتوں نے کہیں بھی حضرت علی سے بغض رکھنا نفاق کی علامت نہیں قرار دیا. قرآن مجید کی آیتیں حسب ذیل ہیں. وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (التوبہ:۴۹) اور وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ

يَسْخَطُوْنَ. (التوبہ:۵۸) اور وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ (التوبہ:۶۱) اور وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. (التوبہ:۷۵) اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے منافقوں کی علامتیں اور صفتیں اور بھی بہت بیان کی ہیں اور اُن اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جو موجب نفاق ہیں جو چیز موجب نفاق ہو وہی اُسکی دلیل اور علامت ہے پھر ایک بالغ نظر یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ منافقین کی علامت سوائے حضرت علی سے بغض رکھتے اور کوئی نہیں ہے. منجملہ سی علامتوں کے منافقین کی ایک یہ بھی علامت تھی کہ حضور انور کے زمانہ میں جو شخص جماعت سے رہ جاتا تھا اُسے سمجھتے تھے. چنانچہ صحیح میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا اے لوگو پانچوں نمازوں کی محافظت کرو جس وقت اذان سنو فوراً حاضر ہو جایا کرو. کیونکہ یہ نمازیں ہدایت کے طریقے ہیں جو اللہ نے اپنے نبی کے لئے مشروع کر دیئے تھے اور اگر تم نے اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھی تو یاد رکھو تم نے نبی کے طریقہ کو چھوڑ دیا اور جب نبی کے طریقہ کو چھوڑ دیا تو تم یقیناً گمراہ ہو گئے. حضور انور کے زمانہ میں ہم میں جماعت سے کوئی نہ رہتا تھا سوائے ایسے منافق کے جس کے نفاق اطلاع سب کو ہوتی تھی بلکہ بعض بیمار آدمی جو خود اپنے پیروں سے نہیں چل سکتے تھے. اُنہیں آدمی کا سہارا دیکر مسجد میں لاتے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے. فقط نفاق کی اکثر علامتیں اور اسباب اُمت مرحومہ کے کل فرقوں میں سے ہمارے شیعہ اصحاب میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا شمار نہیں اس لئے کہ دین کا شعار تقیہ ہے. جس کے یہ معنی ہیں کہ زبان سے ایسی بات کہے جو دل میں نہ ہو اور یہی نفاق کی بہت بڑی علامت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ. (ال عمران:۱۶۷) یعنی جس دن دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اُس دن جو کچھ بھی تمھارے سامنے آیا تو اللہ کے حکم سے آیا تاکہ اللہ (خالص) ایمان والوں کو معلوم کرنے اور اُن لوگوں کو معلوم کرے جو منافق تھے اُن سے کہا گیا تھا آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو دفع کرو تو وہ کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمہارا ساتھ دیتے یہ لوگ یمان کے اعتبار سے اُس روز کفر سے بہت

نزدیک تھے اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُنکے دلوں میں نہیں ہیں اور اللہ اُسے خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں. پھر فرمایا يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا اور پھر فرمایا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ. (البقرہ:۱۰)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفاق مثل جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور بے وفائی کے اتنا کسی فرقہ میں نہیں پایا جاتا جتنا اس فرقہ میں پایا جاتا ہے جس کے مذہب کا سب سے بڑا اصول تقیہ ہے.

صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ حضور انور رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ اربع من کن فیه کان منافقا خالصاً ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها اذا احدث کذب واذا وعدا خلف واذا عاهد غدرو اذا خاصم فجر . یعنی چار خصلتیں ایسی ہیں جس شخص میں وہ چار ہونی وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن میں سے کوئی خصلت ہے اُس میں نفاق کی ایک خصلت سمجھنی چاہیے یہاں تک کہ وہ اُسے چھوڑ دے (وہ چاروں خصلتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے. وعدہ کرے تو ایفا نہ کرے .جب کوئی عہد کرے تو بیوفائی کرے اور جب لڑے تو گالی گفتار دے. اُس کا مفصل بیان دوسری جگہ آیا ہے یہاں مقصود فقط یہ ہے کہنا نفاق کی علامت سوائے علی سے بغض رکھنے کے اور کوئی نہیں ہے. یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا اور اگر کسی ایک آدھ صحابی نے کہا بھی ہے تو صرف اتنا کہا ہے کہ علی سے بغض رکھنا بھی نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے. جیسا کہ ایک مرفوع حدیث میں ہے. لا یبغضنی الا منافق . یعنی مجھ سے منافق ہی کو بغض ہوتا ہے اسکی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ جس شخص کو علی کی یہ حالت معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے تھے اور راہ خدا میں جہاد کرتے تھے اس علم ہونے پر بھی وہ ان سے بغض رکھے تو وہ بیشک منافق ہے مگر انصار سے بغض رکھنے والے کا نفاق اِس سے بھی زیادہ سمجھنا چاہیے کیونکہ انصار واجب التعظیم ہیں مدینہ منورہ اُن کا شہر ہے. اسلام اور مہاجرین کو اُنہوں ہی نے پناہ دی. ان ہی کے شہر کی طرف ہجرت کرنے سے اسلام کو اعزاز ہوا اہل اسلام کی شہرت ہوئی. اُنہوں نے ہی اللہ اور اللہ کے رسول کی ایسی مدد کی کہ نہ کسی اور شہر والوں نے کی اور نہ کسی قبیلہ نے کی لہذا ان سے سوائے

منافق کے اور کوئی بغض نہیں رکھ سکتا حالانکہ یہ لوگ مہاجرین سے افضل نہیں ہیں بلکہ مہاجرین ہی اُن سے افضل ہیں. اس سے ایک بہت بڑی بات یہ ثابت ہوگئی کہ جس شخص سے بغض رکھنا نفاق کی علامت قرار دی جائے اُس کا افضل ہونا ضروری نہیں ہے. لہذا حضرت علی صحابہ سے صرف اس بات پر افضل نہیں ہو سکتے. جن لوگوں کو صحابہ کے حالات معلوم نہیں اُن میں سے کسی کو ذرا ابھی شک نہیں ہے کہ کفار اور منافقین کو حضرت علی کی بہ نسبت فاروق اعظم سے بہت ہی بڑی عداوت تھی اسلا کی مدد کرنے اُس کو ترقی دینے کفار اور منافقین کو نیچا دکھانے میں حضرت علی کی بہ نسبت فاروق اعظم نے بہت بڑا حصہ لیا ہے اسی وجہ سے اُنہیں فاروق اعظم سے بہت سخت عداوت تھی. یہی وجہ تھی کہ ایک بیدین کافر نے فاروق اعظم کو شہید کر ڈالا. آپ کا قاتل یقیناً کافر تھا. دین اسلام سے رسول سے اور رسول کی امت سے بہت بغض رکھتا تھا اور اسی بغض کی وجہ سے اُس نے آپ کو شہید کیا تھا مگر جس نے حضرت علیؓ کو شہید کی وہ نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا مگر اُسکا یہ عقیدہ تھا کہ علی کے قتل کرنے دینے کو اللہ کا رسول پسند کرتے ہیں اسی لیے اُس نے آپ کو شہید کر ڈالا اپنے خیال میں اُس نے یہ فعل اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی وجہ سے کیا تھا اگر چہ وہ اپنے اس خیال میں گمراہ اور خطا پر تھا. مقصود یہ ہے کہ علی سے بغض رکھنے کی بہ نسبت عمر سے بغض رکھنے میں نفاق زیادہ ہے اس لیے ہم تقیہ والے گروہ کو نفاق میں سب فرقوں سے زیادہ سمجھتے ہیں. شیعہ حضرت فاروق اعظم کو اُمت مرحومہ کا فرون کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ابولولو کی حمایت لیتے ہیں. ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

شیعی علماء کی سولھویں برہان:

(بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی اور آگے والے آگے والے ہی ہیں یہی لوگ (ہمارے) مقرب ہیں شیعی علماء کہتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے اُنہوں نے اس آیت کی بابت فرمایا ہے کہ اس امت کے آگے ہونے والے علی بن ابوطالب ہیں. پھر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں کہ فقیہ ابن المغازی شافعی نے مجاہد سے اور اُنہوں نے ابن عباس سے اس آیت کی بابت یہ راویت کی ہے کہ یوشع بن نون نے موسیٰ کی طرف سبقت کی اور موسیٰ نے ہارون کی طرف اور صاحب یٰس نے حضرت عیسے کی طرف اور حضرت علی نے محمد ﷺ کی طرف یہ فضیلت صحابہ میں اور کسی کو حاصل

نہیں ہوئی لہذا علی ہی امام ہوئے۔

جواب: اس کا جواب کئی طرح پر ہے اول اِس روایت کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ہم علے الاعلان اس بات کو کہتے ہیں کہ شیعی دنیا کے کل عالم ملکر بھی اس حدیث کی صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے ابونعیم اور ابن مغازی کی نسب پہلے لکھا جاچکا ہے اِس لیے ہم اُن پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ ابونعیم اور ابن مغازی جو کچھ نقل کرتے ہیں اُس میں جھوٹ زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے ابن عباس کے اوپر یہ محض بہتان ہے ہرگز ابن عباس نے اُسے روایت نہیں کیا۔ اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اِس صحیح مان لیں تو جب اِس روایت کے مخالف بڑے بڑے صحابی ہیں تو کسی طرح یہ روایت حجت نہیں ہوسکتی۔ تیسرے دیکھو اللہ تعالےٰ کیا فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ۔(التوبہ:۱۰۰) یعنی مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جو لوگ نیکی کرنے میں اُن کے تابع ہیں اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اللہ نے اُن کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر:۳۲) یعنی پھر ہم نے قرآن اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو عنایت کیا جنھیں برگزیدہ کرلیا پس کوئی ان میں اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے کوئی اُن میں میانہ رو ہے اور کوئی اُن میں نیکیوں کی (طرف) خدا کے حکم سے سبقت کر رہا ہے۔ اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ پہلے سبقت کرنے والے جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ اُن لوگوں سے یقیناً افضل ہیں جنھوں نے یہ کام فتح کیا مکہ کے بعد کیا اور ان میں بیعت الرضوان والے بھی داخل ہیں اُن کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی پھر یہ کون جاہل سے جاہل شخص کہہ سکتا ہے کہ سبقت کرنیوالا اس امت میں صرف ایک ہی آدمی ہے۔ چوتھے شیعی علما کا یہ کہنا کہ یہ فضیلت حضرت علی کے سوا اور کسی صحابہ کو حاصل نہیں ہوئی محض غلط اور بالکل غلط ہے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا تھا۔ بعض کا قول یہ کہ کہ سب سے پہلے ابوبکر مسلمان ہوئے تھے اب گویا ابوبکر مسلمان ہونے میں علی سے سبق لے گئے

بعض کا قول یہ ہے کہ ابوبکر سے پہلے علی مسلمان ہوگئے تھے اگر اس قول کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ علی اس وقت بچہ تھے بچہ کے مسلمان ہونے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس مسلمان ہونے کا اعتبار کیا جائے یا نہیں مگر اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ ابوبکر کا اسلام واقعی سب سے اکمل اور انفع تھا. پس بالاتفاق سبقت میں یہی اکمل ہوئے اور پہلے قول کے مطابق تو اسلام میں سب سے سابق یہی ہیں اب اس برہان قاطع کے مقابلہ میں جب تک کسی معتبر شخص کا مشاہدہ نہ پیش کیا جائے ہم کیونکر یقین کر سکتے ہیں کہ علی ان سے سابق تھے. پانچویں یہ افضلیت سابقین اولین کے لئے ہے اور اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ جو اسلام میں سابق ہو وہ سب سے افضل ہو جائے ہاں سابقین کے افضل ہونے کی قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہوسکتی ہے. لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید:۱۰) یعنی (اے مسلمانو) تم میں سے کوئی اس بات کے برابر نہیں ہے. جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور کیا وہی لوگ باعتبار مرتبہ کے اُن لوگوں سے جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا. اور جہاد کیا بہت بڑے ہیں اور (ان دونوں فریق میں) ہر ایک سے اللہ نے بھلاوی کا وعدہ کیا ہے. فقط. پس جو لوگ خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں جنگ حدیبیہ سے پہلے سبقت حاصل کر چکے ہیں وہ اس واقعہ کے بعد والوں سے افضل ہیں. کیونکہ اس آیت میں فتح کی تفسیر حضور انور نے واقعہ حدیبیہ ہی سے فرمائی ہے اور جب سبقت کرنے والے یہ لوگ ہیں تو اُن میں کوئی پہلے اسلام لایا اور کوئی بعد لہٰذا ان دونوں آیتوں میں ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو حضرت علی کے مطلقاً افضل ہونے کو چاہتا ہو. بلکہ اسلام میں وہ لوگ جو پہلے مسلمان ہوئے اُن سے وہ لوگ افضل ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا اور اسی سے اُنہیں یہ فضیلت حاصل ہوئی. دیکھو فاروق اعظم اگرچہ انتالیس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے تو بھی نصوص صحیحہ، صحابہ اور تابعین کا اجماع اس بات کو پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ وہ بہت سے صحابہ سے افضل ہیں. اور یقیناً میں اپنی غیر معمولی تحقیق کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی شخص کا آج تک ایسا پتہ نہیں لگا جو یہ کہتا ہو کہ زبیر وغیرہ عمر سے افضل ہیں. حالانکہ زبیر عمر سے پہلے ایمان لائے تھے. اور اگر سبقت کرنے کی فضیلت مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو یہ فضیلت ابوبکر ہی کے ساتھ مخصوص ہے. اور اس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہے کیونکہ ان سے

پہلے نہ کسی نے ہاتھ سے جہاد کیا اور نہ زبان سے جس وقت سے ابوبکر حضور انور پر ایمان لائے تھے جہاں تک اُن سے ہوسکا اپنا مال بھی خرچ کیا اور ایسے بہت سے آدمیوں کا پتہ لگا تا ہے جنہیں مسلمان ہونے پر اُن کے کافر آقا طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دیتے تھے مگر عزیز اور سب سے عزیز اور سب سے زیادہ واجب الاحترام اور سب سے زیادہ خادم اسلام اور سب سے زیادہ رفیق القلب صدیق اکبر یعنی ابوبکر نے اپنے پاس سے روپیہ دے دیکے اُن کے ظالم آقاؤں کے پنجہ سے اُن مسلمان غلاموں کو آزاد کیا جسکی نظیر کسی صحابی میں نہیں ملتی۔ معزز صدیق نے حضور انور کے ساتھ ہو کے برابر جہاد کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سبقت کرنے والے اور جہاد کی تمام قسموں میں سب سے کامل ابوبکر ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں ہم پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر کا ہے (یہ حدیث پہلے بھی آچکی ہے)

شیعی علماء کی سترھویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبہ: ۲۰) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک مرتبہ میں بہت بڑے ہیں۔ شیعی علما فرماتے ہیں: ہیں کہ رزین نے معاویہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب طلحہ بن شیبہ اور عباس کچھ فخر کرنے لگے تو علیؓ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ فضیلت صحابہ میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہے پس علیؓ افضل ہوئے۔ فقط

جواب: اس کا جواب بھی کئی طرح پر ہے اول تو وہی کہ اس کی صحت کا ہم مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم رزین کی کتاب کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ اُس نے اپنی کتاب میں بہت سے روایتیں ایسی بڑھادی ہیں جن کا صحاح میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ دوسرے صحیح میں اس طرح نہیں ہے جس طرح رزین نے بیان کیا ہے بلکہ صحیح میں نعمان بن بشیر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ممبر کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص بولا کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی نیک عمل کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے سوائے اسکے کہ میں مسجد حرام کی مرمت کرادوں تیسرا بولا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ان سب

سے افضل جہاد ہے یہ قصہ جمعہ کے دن کا ہے فاروق اعظم نے اُن لوگوں کو دھمکایا اور فرمایا کہ میں نماز پڑھ کے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور یہ جو تم اپنی طرف سے باتیں بنا رہے ہوں اس کی بابت حضور انور ﷺ سے دریافت کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ:۱۹) اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے. شیعی پیش کردہ روایت کا ہمیں تو کہیں پتہ نہیں لگا. اس کے مقابلہ میں فاروق اعظم کی فضیلت کو دیکھا جائے کہ بعض اوقات آپ نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا یا کسی امر میں حضور انور کو رائے دی وہ خیال یا رائے خداوند تعالی کو پسند ہوا اور اُسکے مطابق اللہ تعالے نے حکم دے دیا. ایک مرتبہ فاروق اعظم نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مقام ابراہیم کو آپ مصلے بنالیں تو بہتر ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی واتخذوا من مقام ابراهيم مصلے پھر ایک بار فاروق اعظم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ازواج مطہرات کے لیے پردہ کا حکم ہو جائے تو بہتر ہے. چنانچہ پردہ کی آیت نازل ہوگئی. اس قسم کی بہت سے مثالیں ہیں اور یہ سب صحیح میں موجود ہیں یہ خصوصیت خاص فاروق اعظم کے لیے تھی باقی ایمان لانے ہجرت اور جہاد کرنے سے جو فضیلت حاصل ہوئی اُن میں سب صحابہ شریک ہیں کہ جو ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا. تیسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ فضیلت علی میں کسی قدر زیادہ تھی تو پھر بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ اس فضیلت کو امامت کے خصائص میں سے کیونکر شمار کریں اور نہ کوئی شخص یہ ثابت کر سکتا ہے کہ ایسی کوئی فضیلت حضرت علی کے مطلقاً افضل ہونے کا سبب بن سکتی ہے. بالکل یہ مثال خضر کی سی ہے. خضر کو ایسی تین باتیں معلوم تھیں جنہیں موسیٰ نہیں جانتے تھے اور ان تین باتوں کے جاننے سے خضر، موسی سے افضل نہیں ہوسکتے. اسی طرح ہُد ہُد نے سلیمان سے جب یہ کہا کہ میں ایسی بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے. اس سے ہُد ہُد سلیمان سے افضل ہوگیا نہ کوئی شخص اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ ہد ہد کو اس زیادہ جاننے سے سلیمان پر مطلقاً فضیلت حاصل تھی. خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کی خصوصیت دونوں صورتوں میں ٹھیک نہیں بنتی بلکہ متواتر حدیثوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ابوبکر کا جہاد علی کے جہاد سے بدر جہا بڑھا ہوا تھا کیونکہ وہ دولتمند آدمی تھے جنکی بابت حضور انور فرما چکے ہیں مانفعنی مال کمال ابی بکر یعنی ابوبکر کے مال نے جیسا مجھے فائدہ دیا کسی کے مال نے نہیں دیا. اب رہے حضرت علیؓ وہ

بہت ہی مفلس اور فقیر آدمی تھے خود اُن کا گزار مشکل سے ہوتا تھا وہ راہ خدا میں کیا خرچ کر سکتے تھے.
جان کے اعتبار سے بھی ابوبکر کا جہاد بڑھا ہوا تھا جس کا ذکر اگر موقع ہوا تو آگے کیا جائیگا.

شیعی علماء کی اٹھارویں برہان: بقول شیعی علماء اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَۃً . (المجادلہ:۱۲) یعنی اے مسلمانو جب تم (ہمارے) رسول سے (کچھ) راز کہو تو اپنے راز کہنے سے پہلے صدقہ دو فقط. شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حافظ ابونعیم نے ابن عباسؓ سے راویت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے صدقہ دینے سے پہلے رسول کے ساتھ کلام کرنے کو حرام فرمایا تھا اس پر صدقہ دینے میں سب بخل کرنے لگے. یہاں تک کہ کسی نے کچھ نہ دیا علی نے فقط صدقہ دیا اور اُن کے سوا یہ فعل کسی اور مسلمان نے نہ کیا. پھر شیعی علما فرماتے ہیں کہ تفسیری ثعلبی میں ہے ابن عمر کہتے ہیں علیؓ میں تین باتیں ایسی ہیں کہ مجھ میں اُن میں سے ایک بھی ہوتو وہی میرے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے وہ تینوں باتیں یہ ہیں. فاطمہ زہرا سے نکاح ہونا. جنگ خیبر میں جھنڈا ملنا. اور آیت نجوے.

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رزین بن معاویہ نے جمع بین الصحاح الستہ میں علی سے روایت کی ہے کہ صرف میری ہی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بہت کچھ تخفیف کر دی. یعنی فرائض مذہبی کو بہت ہلکا اور مختصر کر دیا. لہذا یہ بات اوروں پر علی کے فضائل ہونے کی دلیل ہے. اس لیے امامت کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہوئے. فقط.

جواب: راز کہنے سے پہلے صدقہ دینے کی فلاسفی ایک عجیب وغریب رنگ اپنے میں رکھتی ہے تمام زمانہ نبوت میں سوائے چند روز کے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول سے کلام کرنے سے پہلے کسی نے صدقہ دیا ہو نہ علی نے نہ ابوبکر نے نہ عثمان نے اور نہ کسی اور صحابی نے شریعت بالکل معاف اور کھلی ہوئی ہے. اسکے متعلق کسی راز کی بات کی ضرورت نہیں. نہ شریعت کا کوئی مسئلہ کبھی راز میں پوچھا جاسکتا تھا جبکہ عربوں کی آزادی زن وشوئی کے رازدارانہ تعلقات پر مجالس میں کھلم کھلا روشنی ڈالتی تھی کوئی وجہ نہیں کہ شریعت کی معمولی باتیں راز میں رکھی جائیں اور حضور انور ﷺ سے رازدارانہ دریافت کی جائیں. اسکی اصلیت یہ ہے کہ چند منافقوں نے حضور انور ﷺ کے تبلیغ اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے اور آپ کا

نہایت قیمتی وقت ضائع کرنے کے لیے یہ رنگ ڈالا تھا کہ آئے اور عرض کیا کہ ہمیں کوئی راز کی بات کہنی ہے حضور انور ﷺ کے حمیدہ اخلاق اِس بات کے مقتضی نہیں تھے کہ آپ کسی کی بات سننے سے انکار کر دیتے خواہ وہ منافق ہو یا کافر فوراً اُس کی درخواست قبول کر لی جاتی تھی اور ہو اِدھر اُدھر کی معمولی باتیں کر کے حضور انور ﷺ کا قیمتی وقت ضائع کر دیتا تھا. جب اس قسم کے حملے منافقوں کی طرف سے حضور انور کے اوقات گرامی پر پے در پے ہونے لگے تو اخیر یہ آیت نازل ہوئی. مگر اس عظیم الشان اور لاثانی خلق کو دیکھئے کہ خطاب دین کے پیروان ہی سے کیا گیا ہے محض منافقوں کی طرف خطاب کیا جانا اُن کی دل آزادی اور ذلت کا باعث تصور کیا گیا. اس سبب سے خاص اپنے ہی آدمیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا گیا کہ ہمارے رسول سے کوئی راز کی بات کہو تو صدقہ دینے سے پہلے نہ کہو. اِسکے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایرانی اور شامی تمدن کا ناپاک اثر جو عرب پر پھیلا ہوا تھا یعنی مجلس میں سینکڑوں آدمی بیٹھے ہیں اور چند آدمی آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں. اِس ناپاک رسم کی عربوں میں بہت کثرت تھی اور یہ ایک ایسا ناگوار اور شرمناک امر ہے کہ جس سے زیادہ مجلسی بدتہذیبی اور کسی بات میں نہیں ہے. خیال تو کیجئے کہ بیس پچیس یا سو پچاس آدمی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور پانچ چار آدمی اُن سے رُخ موڑ کے سرگوشی کر رہے ہیں کیسی نامعقول حرکت اور دوسروں پر کیسا بُرا اثر ڈالنے والی بات ہے. چونکہ عربوں میں یہ زبوں ترین عادت ایرانیوں اور شامیوں سے آ گئی تھی لہذا وہ عین دربار نبوی میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے باری تعالیٰ کی حکمت بالغہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ اس ناپاک رسم کی بیخ و بنیاد اکھیڑنے کے لیے اس سے بہت کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ راز کہنے والا پہلے صدقہ دے دے. بس یہ ترکیب حقیقت میں بہت کامیاب ثابت ہوئی اور اب ہر شخص رُکنے لگا. یہاں تک کہ چند روز میں عربوں سے یہ عادت جاتی رہی. حضرت علی نے چونکہ اس وقت حکمت بالغہء خداوندی پر پوری غور نہیں کی تھی لہذا وہ اللہ تعالیٰ کا اُسے عام احکام مذہبی کی طرح ایک حکم سمجھ کے اُس کی پیروی کرنے کے لئے تیار ہو گئے یا اگر آپ نے اس حکمت بالغہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح سمجھ سے لیا تھا مگر اتفاق سے اس حکم کے نازل ہوتے ہی آپ کو کسی راز کے جو خاص خانہ داری سے تعلق رکھتا ہوگا حضور انور سے عرض کرنے کی ضرورت ہوئی اور آپ نے شرعی حجت پوری کرنے کے لیے دو چار آنہ کی کوئی چیز صدقہ دے دی اور پھر حضور سے خانہ داری کے متعلق جو

بات کہنی تھی وہ کہہ دی اس میں نہ کوئی خوبی ہے نہ کسی قسم کی فضیلت ہے نہ کوئی بڑی بات ہے ہمیشہ سے دنیا کا یہ قاعدہ چلا آتا ہے کہ کسی شخص کے معتقد یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے پیر میں واقعی ایسی باتیں بہت کم ہیں جس سے اسکی بزرگی کا راز دنیا کے آگے یا جائے تو وہ ادھر اُدھر کی لنگڑی لولی باتیں زبردستی تان کے اُس کے سر چپکا دیا کرتے ہیں اور اُسی سے اُسکی فضیلت کا راگ گایا کرتے ہیں. اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حضور انور نے جو طریقہ معاشرت اور تمدن مسلمانوں میں قائم کیا تھا وہ ایسا درجہ مساوات رکھتا ہے کہ مغربی تمدن کے اِس عروج کے زمانہ بھی ویسی مساوات کا مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہے. اِس کے علاوہ حضور نے شریعت اسلامی کے متعلق کوئی بات کبھی راز میں نہیں کہی کیونکہ حکم خداوندی بھی صاف طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کہو علانیہ کہو علی الاعلان کہو کھلم کھلا کہو اور بھرے مجمع میں کہو جہاں فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (المائدہ:٦٧) پھر کس طرح ممکن ہوسکتا تھا کہ حضور انور شریعت کے معاملات میں سرگوشی کو گوارا فرماتے. ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ معاشرت کے ایسے بہت سے اُمور ہیں کہ جو پردے میں رکھے جاسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُن ہی کے متعلق بعض اشخاص خواہ وہ منافق ہوں یا مومن حضور ﷺ سے آکر سرگوشی کرتے ہوں مگر یہ بھی ایک لغو استدلال ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں. زن وشوئی کے تعلقات جو سب سے زیادہ رازدارنہ ہوتے ہیں اُن میں کوئی پردہ نہ تھا اور علانیہ دربار نبوی میں بیان کئے جاتے تھے تاکہ قابل عمل امور پر عمل کیا جائے اور ناقابل عمل سے اجتناب کیا جائے بس صدقہ دینے سے پہلے راز نہ کہنے کی آیت کا نشان نزول یہی ہے اور قریب قریب کل مفسر اس سے اتفاق رکھتے ہیں. اگرچہ اُنہوں نے اس توضیح سے بیان نہیں کیا ہے. جیسا کہ ہم نے تو بھی اُن کا مطلب قریب قریب یہی ہے. اب ہم محدثانہ محققانہ طور پر روشن دلائل کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں اور ہمیں اِس بات کا کامل یقین ہے کہ ہماری ہر دلیل یا برہان الدلالت ہے اور کوئی شخص اِس سے انکار نہیں کرسکتا خواہ وہ ہندوستان کا رہنے والا ہو یا شام وروم وایران کا یہی وجہ ہے کہ شیعی دنیا میں ایک سکتہ سا پیدا ہوگیا ہے. اور کسی کی مجال نہیں کہ ہماری کسی برہان یا تحقیق کا کوئی جواب دے سکے ہماری جرات اور دلیری کو دیکھئے کہ ہر ہفتہ آٹھ صفحے اس لاجواب کتاب کے ہزاروں آدمیوں کے سامنے پیش کردیئے جاتے ہیں تاکہ ہفتہ بھر تک اُن پر غور کرنے کا موقع ملے اور کسی مخالف میں جرات ہو تو اس کا جواب دے مگر صدائے برنخاست. ہوں

ہاں کچھ نہیں خیر اس سے ہمیں بحث نہیں ہم اپنے یقین اور ایمان سے کہتے ہیں کہ ہماری کسی بات کا معقول جواب نہیں ہوسکتا پھر بھلا کس طرح جواب دیا جائے۔ ہم حقیقت اظہار کرنے کے لیے یہ کتاب شائع کرر ہے ہیں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کوئی اس پر کان لگائے یا نہ لگائے یا کوئی اسکا جواب دے یا نہ دے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ تمام بیہودہ شکوک غلط الزامات ناپاک افترا پردازیاں شدید زبانی بے رحمیاں اور غلیظ تحریریں اسلام کے روشن مسائل پر لغو اتہامات سب مٹا دیئے جائیں گے اور آج نہیں تو چالیس پچاس برس کے بعد کتاب شہادت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کا دستور العمل بن جائیگی اور اسی کتاب سے مسلمان اپنے دین کو کھوئی ہوئی عظمت کو پالیں گے اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کیا ہے اور یاران طریقت نے کیا سکھا رکھا تھا۔ اصلیت کیا ہے اور بیان کیا جاتا تھا یہ ساری باتیں صاف طور پر عیاں ہو جائیں گی۔ یہ سخت غلط فہمی ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا مدعا شیعی دُنیا میں تہلکہ ڈالنے اور ان میں زلزلہ پیدا کرنے کا ہے یا اُن کے جھوٹے سچے مذہب پر حملے کرنے کی غرض ہے۔ نہیں ہرگز نہیں ثناو کلا غرض صرف یہ ہے کہ اسلام اور بزرگان اسلام پر جو تہمات لگائے گئے ہیں اُن کا تار تار الگ کر کے دکھایا جائے اور محدثانہ اور محققانہ محدثوں سے یہ بات ثابت کر دی جائے کہ ایسے غلط تہمات اور الزامات سے اُنکی شان بہت ارفع والے ہے اس میں صدیق اکبر بھی ہیں عمر فاروق بھی ہیں عثمان غنی بھی ہیں اور علی مرتضی بھی ہیں۔ اُن پر اور اُن جیسے اور جلیل القدر صاحبہ پر ان خدا ترسوں نے اس قدر طوفان برپا کئے ہیں اور ایسے ایسے الزام اُن پر لگائے ہیں کہ ناواقف شخص تو ایک دفعہ کانپ اُٹھے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جس دین خدا کی تعلیم کا یہ اثر ہو جس نبی کی اولوالعزمی اور اعلےٰ درجہ کی شان و عظمت کا یہ دعوی کیا جاتا ہو اُسکے خاص الخاص صحابہ کی یہ کیفیت تھی پھر بھلا دین خدا اور رسول کا کیا اعتبار کیا جائے۔ بس اس بات کو خیال کر کے اسلام اور بزرگان اسلام دین خدا ور رسول اللہ ﷺ کی حمایت پر ہمارا قلم اُٹھا ہے اور جب تک یہ قلم ہمارے ہاتھ میں ہے ایسی حمایت کو کبھی ترک نہ کرینگے ہم اسے اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ ناواقف ہمارے خلاف کچھ کہا کریں ہمیں اس کی پروا نہیں جب تک ہم یہ نہ سمجھیں گے کہ تمام الزامات کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ کے پھینک دی گئی اور تمام نامعقول اتہامات برباد ہو گئے۔ ہمارا قلم زبانِ حال سے یہ گویائی کرتا رہے گا۔

تا دست نمی دہ وصالت

دست من و دامنِ خیالت

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں اور اسی معاملہ پر محدثانہ اور محققانہ روشنی ڈالتے ہیں. حضرت علی کے صدقہ دیکر راز کی بات کہنے کی حکایت ایک ایسی عجیب تر ہے جسکا مفصل ذکر کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا. سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آیا صحابہ پر اس آیت نے صدقہ دینا واجت کیا تھا یا نہیں بات فقط یہ تھی کہ جو شخص راز کی بات کہے وہی صدقہ دے اور جب کسی کے پاس راز کی کوئی بات ہی نہ ہو یا وہ حضور انور سے راز کی کوئی بات کہنا ہی نہ چاہے تو اُسے صدقہ دینے کی کیا ضرورت ہے اور کس طرح یہ الزام قائم ہوسکتا ے کہ فلاں نے صدقہ دیا اور فلاں نے نہ دیا. اب رہا راز کہنا یہ کچھ واجب نہ تھا نہ حکم خداوندی تھا نہ حضور انور نے کسی کو مجبور کیا تھا کہ تم مجھ سے اپنا راز ضروری ہی کہو. لہذا راز کہنا واجب نہ تھا تو صدقہ دینا بھی واجب نہ تھا. اور نا واجب کے ترک کرنے پر کسی پر ملامت نہیں ہوسکتی. اب راز کہنے سے پہلے اگر کوئی شخص صدقہ دے دے. تو اُس کی نیت پر اُسے اجر ملے گا. اور جس شخص کو راز کہنے کا کوئی سبب ہی پیش نہ آئے وہ صدقہ دینے والے اور راز کہنے والے سے کیونکر ناقص ٹھہرایا جاسکتا ہے. ہاں یہ بات ضرور ہے کہ صحابہ میں سے اگر کسی شخص نے راز بھی کہا اور استطاعت ہونے پر صدقہ بھی نہیں دیا اور بخل کیا تو اُس نے بیشک ایک مستحب فعل کر ترک کیا. مگر یاد رکھو کہ خلفا پر اس قسم کی کوئی شہادت کسی نوشتہ اور کسی دستاویز میں نہیں پائی جاتی. دوسری بحث یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ فرض کرلیں کہ کسی نے اس مستحب فعل کر ترک کر دیا تھا تو مستحب فعل کے ترک کرنے کے باعث دوسرا شخص اُس سے مطلقاً افضل نہیں ہوسکتا. صحیح میں یہ بات ثابت ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے دریاف کیا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو آج روزہ سے ہوا ابوبکر بولے کے میں ہوں پھر آپ نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج بیمار کی عیادت کی ہو ابوبکر نے کہا حضور میں ہوں. پھر حضور نے دریافت کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو آج کسی جنازہ کے ساتھ گیا ہو ابوبکر نے کہا حضور میں ہوں. پھر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج کچھ صدقہ دیا ہو ابوبکر نے عرض کیا. میں ہوں. اس پر حضور انور ﷺ نے فرمایا جس بندہ میں یہ خصلتیں ہوں وہ ضرور جنتی ہے. فقط. اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ چاروں باتیں ایک ہی دن ابوبکر میں ہو جانی نہ کہیں علی کے لیے منقول ہیں نہ کسی اور کے لیے صحیحین میں ہے

ایک روز حضور انور نے فرمایا جو شخص کسی چیز کا جوڑا راہ خدا میں دے تو وہ جنت کے دروازوں سے پکارا جائے گا اور آواز آئیگی اے اللہ کے بندے یہ تیری نیکی ہے. اگر کوئی بڑا نمازی ہے تو وہ باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا اور کوئی بہت روزے رکھتا ہے تو باب الصوم سے پکارا جائیگا. اور اگر کوئی زیادہ صدقہ دیتا ہے تو باب الصدقہ سے اُسے آواز ملے گی. اس پر ابوبکر بولے یارسول اللہ میرے خیال میں سب دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اندر داخل ہونا تو ایک ہی دروازے سے ہوگا تو بھی کیا حضور فرما سکتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہے جو ان سب دروازوں سے بلایا جائے. مگر کسی کے لیے حضور انور نے یہ نہیں فرمایا. اس کے علاوہ صحیحین میں حضور انور سے مروری ہے آپ نے فرمایا ہے کہ ایک آدمی ایک بیل پر کچھ بوجھ لادے ہوئے لے جارہا تھا اُس بیل نے اُسکی طرف منہ کر کے کہا کہ میں اس کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں بلکہ میں تو کاشتکاری کے لیے پیدا کیا گیا ہوں. لوگ یہ سُنکے تعجب سے کہنے لگے کہ ہیں بیل بھی باتیں کرتا ہے، پھر آپ نے فرمایا ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک بکری کو پکڑ لیا لیکن چرواہے نے اُس بکری کو بھیڑیئے سے چھڑا لیا. اس پر بھیڑیا بولا کہ اب تو تو نے اس بکری کو چھڑا لیا ہے. اُس دن جب میرے سوا اُن کا کوئی رکھوالا نہ ہوگا تو پھر تو اُسے کیونکر چھڑائے گا. لوگ کہنے لگے بھیڑیا بولا کرتا ہے. اس پر حضور انور نے فرمایا میرا اور ابوبکر و عمر کا اس پر ایمان ہے کہ ایسا ضرور ہوگا. فقط اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اس وقت یہ دونوں صحابی دربار نبوی میں حاضر نہ تھے. ابوبکر کی یہ فضیلت تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا تھا کہ ابوبکر کے مال نے جیسا مجھے فائدہ دیا اور کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا. اس فضیلت میں ابوبکر کی خصوصیت کی یہ صریح دلیل ہے نہ اس میں ان کے سوا علی شریک ہیں نہ اور کوئی. سنن ابوداؤد میں ہے حضور انور ﷺ نے ابوبکر سے فرمایا تھا اے ابوبکر میری اُمت میں تم سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے. ترمذی اور سنن ابوداؤد میں عمر فاروق سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا اس وقت اتفاق سے میرے پاس بھی مالت تھا میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ ابوبکر سے سبقت کر جانا میرے مقدر میں ہے تو بس آج میں اُن سے سبقت کر جاؤں گا. یہ خیال کر کے میں اپنا نصف مال لیکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا. حضور انور نے دریافت کیا کہ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو یا نہیں میں نے عرض کیا اتنا ہی چھوڑ

آیا ہوں تھوڑی دیر کے بعد ابو بکر آئے اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب کا سب لیکر چلے آئے حضور انور نے فرمایا ابو بکر تم نے کچھ گھر والوں کے لیے بھی چھوڑا ہے ابو بکر نے عرض کیا ہاں اللہ کا نام اور رسول کا کلمہ چھوڑ آیا ہوں۔ باقی مال وغیرہ تو اور کچھ نہیں جو کچھ میرے پاس تھا تنکا تنکا سب لے آیا ہوں۔ عمر فاروق کہتے ہیں اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ ابو بکر سے سبقت کوئی نہیں لے جاسکتا۔ بخاری میں ابوداؤد سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایک دن میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابو بکر اپنی تہبند کا پلہ پکڑے ہوئے آئے اس سے اُنکے گھٹنے کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ حضور انور ﷺ نے یہ دیکھتے ہی ہم سے فرمایا کہ آج ابو بکر کچھ آزردہ معلوم ہوتے ہیں اتنے میں ابو بکر آئے سلام کیا اور پھر عرض کیا کہ مجھ میں اور ابن خطاب میں کچھ نزاع تھا۔ میں اُن سے پہل کر کے بہت شرمندہ ہوا۔ میں نے ہر چند ان سے اپنا قصور معاف کرانا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ اور صاف انکار کر دیا۔ میں وہاں سے آزردہ دل ہو کر آ رہا ہوں۔ اس پر حضور نے تین دفعہ یہ فرمایا ابو بکر تم اطمینان رکھو تمہاری خطا تو خدا معاف کر دے گا۔ پھر عمر فاروق کو کچھ خیال آیا پتہ نام دے ہوئے۔ بھاگے ہوئے ابو بکر کے گھر پہنچے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ وہاں سے عمر فاروق اور دربار نبوی میں حاضر ہوئے اُنہیں دیکھتے ہیں حضور انور کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا۔ ابو بکر اپنے نبی کی یہ حالت غیظ دیکھ کر لرز گئے۔ عمر فاروق کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اخیر دوزانو ہو کر دست بستہ آنکھ نیچی کر کے حضور انور کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا۔

گر کشی وجرم بخشی رودسر بر آستانم
بندہ رافرمان ل نیا شد ہر چہ فرمائی برانم

میں خدا کا اقرار کرتا ہوں مجھ سے دو ظلم ہو گئے ہیں اللہ معاف کیجئے آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے پیغمبر بنا کے تمہارے پاس بھیجا۔ اول اول تو سب نے میری تکذیب کی مجھے جھوٹا بنایا لیکن اُس وقت ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنے جان و مال میرا ساتھ دیا پس کیا تم اب میرے ایسے ساتھی کو چھوڑانا چاہتے ہو۔ دو دفعہ اسی طرح فرمایا۔ ترمذی میں مرفوعا مروی ہے حضور انور نے فرمایا کہ جس جماعت میں ابو بکر موجود ہوں اس جماعت کا کوئی شخص سوا ابو بکر کے امام نہ بنے یعنی کسی کو نماز پڑھانی ابو بکر کے آگے درست نہیں ہے۔ عثمان غنی کا ایک ہزار اونٹوں کا حضور کی خدمت میں جہاد کے کام کے لئے پیش کر دینا

علی مرتضیٰ کے اس صدقہ سے ہزاروں حصہ زیادہ ہے جو آپ نے راز کہنے سے پہلے دیا تھا. جہاد اس خرچ کرنا تو ویسے بھی فرض تھا مگر راز کہنے سے پہلے صدقہ دینا فرض نہیں تھا کیونکہ صدقہ دینے سے پہلے راز کہنے کا ارادہ ہونا شرط ہے مگر جسکا یہ ارادہ ہی نہ ہو اُس پر صدقہ دینا لازم نہیں ہوتا. بعض انصار کے حق میں خداوند تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر:۹) یعنی وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں گو اُنہیں کتنی ہی احتیاج اور (بھوک) ہو وے. صحیحین میں حاضر ابو ہریرہ سے یہ مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن ایک آدمی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا. کہ میں بہت مصیبت زدہ ہوں اور بھوکا ہوں. آپ نے کسی اپنی صحابی کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ کچھ دے دیں اُنہوں نے جواب دیا اللہ میرے پاس تو سوا پانی کے کچھ نہیں. دوسری کے پاس بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب ملا. غرض اسی طرح سب کے پاس بھیجا اور سب نے یہی جواب دیا پھر آپ نے حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ جو شخص آج رات کو اِسے کھانا کھلائے اللہ تعالےٰ اس پر رحمت فرمائے گا. یہ سنتے ہی ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اسے آج رات کو کھانا کھلاؤں گا. غرض اس فقیر کو وہ انصاری اپنے گھر لے گئے. اُسے باہر کھڑا کیا آپ اندر گئے اپنی بی بی سے پوچھا کہ کچھ کھانا ہے وہ بولی فقط بچوں کے لیے تھوڑا سا رکھا ہے. انصاری نے کہا بچوں کو تو بہلا لینا اور کُل کھانا مہمان کو کھلا دو وہاں یہ خیال کر لینا جب مہمان گھر میں آ جائے تو تم فوراً چراغ گل کر دینا تا کہ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ ہم بھی اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں. چنانچہ ایسا ہی ہوا مہمان کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دیا. دوسرے روز جب وہ صحابی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے صورت دیکھتے ہیں فرمایا تمہارے اس فعل سے اللہ تعالےٰ بہت خوش ہوا جو رات کو تم نے اپنے مہمان کے ساتھ کیا. ایک روایت یوں ہے کہ اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر لکھی جا چکی ہے. خلاصہ یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کے موقعوں پر مال خرچ کرنے میں مہاجرین اور انصار کی اس قدر فضیلت بڑھی ہوئی ہے کہ حضرت علی کا تو وہاں گزر بھی نہیں. وجہ صرف یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی مفلس تھے. مال ہی اُن کا پاس کہاں رکھا تھا جو وہ خرچ کرتے. فقط.

شیعی علماء کی اُنیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا (الزخرف:۴۵) یعنی اور ہمارے اُن پیغمبروں کا حال پوچھو جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا تھا۔ شیعی علما اِس آیت پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ ابن عبداللہ کہتے ہیں اور ابونعیم نے بھی اِسی طرح بیان کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء کو حضور انور سے ملوا دیا۔ پھر فرمایا اے محمد ﷺ تم اِن سے پوچھو کہ تم پیغمبر کس لیے بنائے گئے تھے. حسب الہدایت آپ نے دریافت کیا تو پیغمبروں نے جواب دیا لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دلانے اور تمہاری نبوت اور علی ابو طالب کی ولایت کا اقرار کرانے کے لیے ہم پیغمبر بنائے گئے تھے. بس اِس سے زیادہ علی کی امامت کی اور کونسی صریح دلیل ہوسکتی ہے. فقط

جواب: یہ ثابت ماننی پڑے گی کہ موجودہ زمانہ کے چانڈوخانوں میں بھی اگر اس قسم کی کوئی گپ ہانکے تو وہ پاگل بنا کے نکال دیا جائے اور پھر اُسے چانڈوخانہ میں جانا کبھی نصیب نہ ہوا ایسی بے جوڑ باتیں تعجب ہے کہ کیسے گھڑلی گئیں اور کس طرح لوگوں نے انکا یقین کرلیا۔ بس اعتقاد کے بھوت کا خدا بُرا کرے جس کے رعبت میں آگے ساری دوراز کار اور غلیظ باتیں ماننی پڑیں۔ ایسی باتیں جو خود اپنے جھوٹ ہونے کی آپ ہی شہادت دے رہی ہیں مگر تو بھی اِس غیر معمولی عظیم الشان چانڈوخانہ کی گپ پر ہم اُسی طرح محققانہ اور محدثانہ نظریں ڈالیں گے تا کہ ہمارے بعض احباب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے صرف اُسے چانڈوخانہ کی گپ کہ کے ٹال دے اور اس پر کچھ بحث نہ کی. ہم مثل اور رواتیوں کے اِس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں. یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم اُسے بالکل صریح جھوٹ سمجھتے ہیں اور اس کی صحت کا مطالبہ اس لیے نہیں کرتے کہ اعلےٰ درجہ کے جھوٹ ہونے میں کچھ شک ہو بلکہ مناظرہ ادنے درجہ یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی بات کا کہنے والا اِس بات کو حجت سمجھنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ جسکی صحت معلوم نہ اُس سے استدلال کرنا باتفاق نہیں ہے اس لیے کہ وہ قول بلا علم ہوتا ہے اور یہ بات قرآن حدیث اور اجماع سب طرح سے حرام ہے۔ دوسرے اس قسم کی رواتیوں پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ موضوع اور جھوٹی ہیں. تیسرے یہ کہ جسے دینداری اور علم کا ذرا بھی پاس ہو وہ یقیناً اس بات کی شہادت دیگا کہ یہ اوپر والی روایت ایسی باطل اور جھوٹ ہے کہ کوئی معمولی عقل کا آدمی

بھی اُس کی تصدیق نہیں کرسکتا. بھلا خیال کرنے کی بات ہے کہ انبیاء سے ایسا سوال کیونکر ہوسکتا ہے جو اصول ایمان میں داخل نہیں ہے. اور اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ اگر کوئی حضور انور ﷺ پر ایمان لایا اور ہر طرح آپ کی فرمانبرداری کی اور آپکی زندگی ہی میں یہ بات جاننے سے پہلے مر گیا کہ اللہ نے ابوبکر و عمر و عثمان و علی کو پیدا کیا تھا تو یہ نہ جاننا اُسے کسی طرح کا نقصان نہیں دے سکتا اور نہ یہ اسکی نجات کو روک سکتا ہے. جب اُمت مرحومہ ہی میں یہ حال ہے تو اب کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ آپ کے کسی صحابی کا اقرار کرلینا. انبیاء پر بھی واجب تھا. چوتھے یہ کہ شب معراج مکہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی بعض کہتے ہیں اٹھارہ مہینے پہلے اور بعض کہتے ہیں پانچ برس پہلے. بعض اور مختلف مدتیں بتاتے ہیں شب معراج کے وقت حضرت علی صغیر سن تھے. نہ اُن کی ہجرت قابل لحاظ تھی نہ یہ اُس وقت جہاد کے لائق تھے نہ یہ اس شان کے تھے کہ اُ کا ذکر کرنا انبیاء علیہم السلام پر ضرور ہوتا نہ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں کہیں اُنکا ذکر کیا اُن کی کتابیں موجود ہیں اُن میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کا ذکر تو اکثر لوگوں نے دیکھا ہے مگر حضرت علی کی طرف تو کہیں اشارہ بھی نہیں پایا جاتا. ہاں اس کے خلاف ایک عجیب روایت یہ ہے اور جسکا ذکر اکثر علماء نے کیا ہے کہ وہ تابوت جو مقوقس کے پاس تھا اُسمیں اکثر انبیاء کی تصویریں تھیں اور ساتھ ہی ہمارے علماء نے کیا ہے کہ وہ تابوت جو مقوقس کے پاس تھا اس میں اکثر انبیاء کی تصویریں تھیں اور ساتھ ہی ہمارے آقائے نامدار حضور انور رسول اللہ ﷺ کی تصویر بھی تھی اور حضور انور ﷺ کی تصویر کے ساتھ ابوبکر عمر کی تصویریں تھیں اور دستاویز میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ان ہی دونوں کے ذریعہ سے محمد ﷺ اللہ کے حکم کو قائم کرینگے. وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوگئے تھے اُن میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہماری کتابوں میں حضرت علی کا ذکر کہیں اشارہ بھی آیا ہے پھر بھلا یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے. جتنے نبی ہوئے وہ سب حضرت علی ہی کی ولایت کا اقرار کرنے کے لئے نبی بنائے گئے تھے حالانکہ نہ اُن انبیاء نے کہیں اپنی امتوں سے یہ ذکر کیا اور نہ کسی دوسرے شخص نے کسی نبی سے ایسا قول نقل کیا ہے. فقط

شیعی علماء کی بیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (یعنی اِسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں شیعی علماء گوہرافشانی فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں لکھا

ہوا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا کہ اے علی میں نے اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ تیرے کانوں کو یادرکھنے والا کرے اور پھر ابونعیم کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے دو دفعہ فرمایا کہ اے علی مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس بلا کے تمہارے سینہ میں علم بھردوں اور یہ آیت مجھ پر نازل کی ہے۔ **وتعیااذن واعیہ.** پس اذن واعیہ تم ہی ہو (یعنی یادرکھنے والے کان تمہارے ہی ہیں) چونکہ یہ دولت اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی لہذا علی ہی امام ہوئے۔

جواب: یہاں بھی وہی ثعلبی اور ابونعیم کا پٹینا چلا جاتا ہے۔ سوائے ان دو بیچاروں کے ہمارے شیعی علماء کا کوئی پشت پناہ نہیں کہ اُن کے اختراعی خیالات کی تائید دے۔ بہر حال ہمیں محدثانہ اور محققانہ جواب دینے سے غرض ہے تاکہ کہنے والا یہ نہ کہے کہ کسی بات کا فقط غلط کہ دینا اس بات کی پوری تردید پر دلالت نہیں کرتا اب سنیئے اسکا جواب کئی طرح سے ہے۔ اول ہم مثل سابق کے اس روایت کی بھی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ تمام شیعی دنیا مل کے بھی
اس روایت کی صحت ثابت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ ثعلبی اور ابونعیم دونوں ایسی روایتیں نقل کیا کرتے ہیں جو بالاتفاق دلیل بننے کے قابل نہیں ہیں پھر ہم یہاں بھی اُسی کا اعادہ کرتے ہیں کہ یہ روایت کسی طرح بھی دلیل بننے کے لائق نہیں۔ دوسرے اس پر کل علما کا اتفاق ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ تیسرے یہ کہ پوری آیت یہ ہے کہ جس کا صرف اخیر کا حصہ شیعی علما نے لیا ہے اور باقی چھوڑ دیا **انا لماطغی الماء حملنا کم فی الجاریة لنجعلها لکم تذکرة وتعیها اذن واعیة** اس آیت سے فقط ایک آدمی کے کان ہرگز مراد نہیں ہیں کیونکہ خطاب اولاد آدم سے کیا گیا ہے اور اُنہیں کشتی میں سوار کرلینا اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ. اور فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ. (لقمان:۳۱) اسے دیکھنے کے بعد کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہوسکے گا کہ اِسے فقط ایک ہی آدمی یادرکھے ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ مثل ابوبکر، عمر، عثمان، علی کے کان بھی یادرکھنے والے تھے اس میں صرف علی کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امر تو ایسا ہے جو بدیہی طور پر ہر شخص جان سکتا ہے کہ صرف تنہا علی کے کان اس آیت سے مراد نہیں ہے کیا کوئی یہ کہ سکتا ہے کہ حضور

انور رسول اللہ ﷺ کے کان یاد رکھنے والے نہیں تھے نہ حسن، حسین، عمار، ابوذر، مقداد، سلمان فارسی، سہل بن حنیف وغیرہ۔ کے کان ایسے تھے جنکی فضیلت اور ایمان پر تمام شیعی دنیا سر جھکاتی ہے اچھا جب یہ بات ہوئی کہ یاد رکھنے والے کان علی وغیرہ سب کے ہوگئے تو اب یہ کہنا ہرگز ٹھیک نہیں کہ یہ فضیلت سوائے علی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شیعی علماء اکثر اوقات اپنے مطلب کو بالکل بے اصل مقدمات پر مبنی کیا کرتے ہیں اور بعض اوقات اُنہیں اپنی دلیلیں بیان کرتے میں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے معتقدات کیا ہیں جو جی میں آیا کہہ گئے اور آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔ معتزلہ اُن سے پھر بھی بہتر ہیں کہ اُن کی حجتیں اور دلیلیں بہت سی ایسی ہیں جن پر اہل علم اور اہل عقل نے ہمیشہ توجہ کی ہے مگر شیعی علما نے شاید ہی کوئی دلیل ایسی بیان کی ہو جو توجہ کے قابل ہو کیونکہ عموماً یہ اُس چیز سے استدلال کرتے ہیں جس سے اُن کا مطلب نکلتا ہو حق اور باطل سے اُنہیں کچھ بحث نہیں رہتی۔ کبھی شیعی علما کا کسی چیز کی نسبت یہ دعوے ہوتا ہے کہ یہ علی کے فضائل میں سے ہے حالانکہ وہ مطلب علی کے فضائل میں سے ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جو فضائل حضرت علی کے لیے ثابت ہیں۔ ان میں اکثر ایسے ہیں جو دوسرے صحابیوں میں بھی مشترک ہیں برخلاف ابوبکر و عمر کے فضائل کے کیونکہ اُن کے اکثر فضائل اُن ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جن میں اُن کا کوئی شریک نہیں ہے اِس بنیاد پر یہ دعوے کرنا کہ فلاں فضیلت سے امامت ثابت ہوتی ہے ایک ایسا لغو ہے جس کی لغویت عیاں ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ کسی امر میں کسی کو جزوی فضیلت ہونی فضیلت مطلقہ کو مستلزم نہیں ہوتی نہ اِس سے امامت ثابت ہوتی ہے نہ وہ امامت کے لیے مخصوص ہے بلکہ اِس کا اطلاق تو امام غیر وغیرہ سب پر ہوتا ہے۔ شیعی علماء ہرگز جگہ یہی دیکھا گیا ہے کہ اپنے مدعا کو انہیں تین مقدموں پر مبنی کیا کرتے ہیں اور یہ تینوں مقدمے محض بے اصل اور باطل ہیں۔

شیعی علماء کی اکیسویں برہان: بقول شیعی علماء سورہ ہل اتی سے حضرت علی کی امامت ثابت ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں مختلف سندوں سے مروی ہے کہ جب حسنؓ اور حسینؓ بیمار ہوگئے تو اُن کے نانا رسول اللہ ﷺ اور بہت سے عرب اُن کی عیادت کو گئے اُنہوں نے حضرت علیؓ سے کہا اے ابوالحسن تم اپنے بچوں کو کچھ نذر مان لو۔ چنانچہ حضرت علی نے تین روز نذر کے مان لیے

اور یہی نذر بچوں کی والدہ یعنی حضرت خاتون محشر فاطمہؑ اور اُن کی لونڈی فضہ نے بھی مان لی. قدرت آلہی سے دونوں بچے اچھے ہو گئے. ان لوگوں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے مگر روزہ افطار کرنے کے لیے آل محمد کے پاس کچھ نہ تھا. اخیر مجبور ہو کر حضرت علی نے دس سیر جو قرض لیے جس میں سے ایک تہائی خاتون محشر نے لی اور گھر کے پانچوں آدمیوں کے لیے اُس کی پانچ روٹیاں پکائیں. حضرت علی نے مغرب کی نماز حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی نماز پڑھ کے گھر میں آئے خاتون محشر نے روٹی آپ کے آگے رکھی. ابھی آپ کھانے نہ پائے تھے کہ ایک مسکین آیا اور کہا اے محمد ﷺ کے اہل بیت السلام علیکم میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کچھ کھانا کھلاؤ اللہ تمہیں بہشت کے خوانوں میں سے کھلائیگا حضرت علیؑ نے سنتے ہی حکم دیا کہ کُل کھانا اُسے دے دو گھر والوں نے سارا کھانا اُسکے حوالہ کر دیا یہ سب بھُوکے کے بھُوکے رہ گئے اور رات اور دوسرا دن صاف کڑا کے سے گزر گیا سوائے دو گھونٹ پانی کے کوئی چیز اُن کے حلق میں نہیں گئی. دوسرے دن خاتون محشر نے ایک تہائی جوے کے چکی میں پیسے اور روٹیاں پکائیں حضرت علی جب حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تو اُنکے آگے اسی طرح روٹی رکھی گئی ابھی آپ ٹکڑہ ٹکڑہ توڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک یتیم نے آ کر سوال کیا اور کہا کہ اے محمد ﷺ کے اہل بیت السلام علیکم میں مہاجرین کی اولاد میں سے ایک تمہیں بہشت کے خوان نعمت سے کھلائیگا. حضرت علی نے کل کی طرح کل کھانا اُسے اُٹھا کے دے دیا اور سب فاقہ سے سو رہے ایک کھیل کا دانہ بھی اُن کے منہ میں اُڑ کے نہیں گیا. اِسی طرح یہ دن بھی فاقہ سے گزر گیا کیونکہ دن کو مانا ہوا روزہ رکھا تھا غرض جب تیسرا دن ہو تو باقیماندہ جو خاتون محشر نے پیسے اور اُن کی روٹی پکائی. جب حضرت علی اپنی عادت کے مطابق حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھکے اپنے گھر آئے تو اُن کے آگے روٹی رکھی گئی. آپ نے ابھی روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک قیدی دروزاہ پر آیا اور کہا کہ تم ہمیں قید تو کر لیا کرتے ہو لیکن کھانے کو نہیں دیا کرتے ہیں محمد ﷺ کا قیدی ہوں اور بھُوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ بہشت کے خوانیوں میں سے کھلائیگا. حضرت علی نے اُسکے سوال پر کل کھانا اُٹھا کر اُسے دے دیا. غرض تین دن اور تین رات سب پر صاف کڑا کر کے گزگئیں چوتھے دن حضرت علیؑ اپنے دونوں بچوں سے حسن اور حسین کو ساتھ لیکر حضور انور کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ مارے بھوک کے ٹانگیں لرزی جاتی تھیں۔ جب حضور انور ﷺ ان بچوں کو اس حالت میں دیکھا تو یہ فرمایا اے ابوالحسن مجھے ان بچوں کو اِس حالت میں دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا ہے تم انہیں گھر ہی لے چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ آپ خاتون محشر کے گھر پہنچے۔ مقدس بی بی حجرہ میں لیٹی ہوئی تھیں آنکھیں گڑھے میں گھس گئی تھیں اور مارے بھوک کے بالکل جانکندنی کی سی نوبت ہو رہی تھی۔ حضور انور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی یہ صورت دیکھی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی جانب میں فریاد کی۔ خداوند میرے اہل بیت بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اُسی وقت جبرئیل آئے اور کہا لو اللہ تعالیٰ تمہارے اہل بیت کو مبارک دیتا ہے حضور انور ﷺ نے دریافت کیا اے جبرئیل کیا تو اس وقت جبرئیل نے سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ کو پڑھائی یہ سورت مجموعہ فضائل پر دلالت کرتی ہی۔ اتنے فضائل کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ لہذا علی سب سے افضل ہوئے اور اُن ہی کی امامت مسلم ہے۔

جواب: اسکا جواب کئی طرح پر ہے اول تو وہی سوال ہے کہ آیا اس روایت کی صحت کی بھی کوئی سند ہے۔ یا نہیں یہاں بھی حضرت ثعلبی اور واحدی براج رہے ہیں اُن ہی بیچاروں کو پکڑ لیا ہے اور اُن ہی پر اپنے استدلال کا دارومدار رکھ دیا ہے ان دونوں کے متعلق ہم اپنے گزشتہ صفحات میں اچھی طرح بحث کر چکے ہیں اسی لیے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ واحدی اور ثعلبی وغیرہ نہایت سادگی اور آزادی سے جو روایت اُن کے ہاتھ لگ گئی اُسے درج کر دیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف ۔ اسی طرح اسرائیلیوں کی حدیثیں بھی آنکھ بند کر کے نقل کر دیتے ہیں۔ پڑھے لکھے آدمی اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسرائیلی حدیثیں نفس الامر میں باطل اور غلط ہیں۔ ان دونوں کا طریقہ یہ ہے کہ منقولات کو نقل کر دیا چاہے وہ غلط ہوں یا صحیح باقی کچھ سروکار نہ رکھا۔

دوسرے ان تمام محدثوں کا جو اس عظیم الشان کام اور حاکم ہیں۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے اور ایسے موقع پر اُنہیں علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے یہ حدیث اُن کتابوں میں سے کسی میں بھی مروی نہیں ہے جسے نقل میں مرجع ٹھہرایا جائے یعنی نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ جوامع میں نہ سنن میں نہ اسے مصنفوں نے فضائل میں نقل کیا ہے اگرچہ مصنف ایسے

موقع پر ضعیف حدیثوں کے نقل کرنے کی بھی پروا نہیں کرتے ہم اسکے ثبوت میں نسائی کو پیش کرتے ہیں. جنہوں نے حضرت علی کے خصائص نقل کرنے میں ضعیف حدیثوں سے بھی درگزر نہیں کی مگر ایسی غلط اور موضوع حدیث سے اُنہوں نے بھی پہلو بچایا اور کبھی اُسکی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھا. پھر ابونعیم کو لو. جس نے خصائص علی میں ابن ابی خثمہ ابوبکر بن سلیمان اور ترمذی نے اپنے جامع میں حضرت علی کے فضائل کی بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں. جن میں اکثر ضعیف ہیں لیکن یہ حدیث لیکن یہ حدیث ایسی جھوٹی اور کھلی ہوئی موضوع ہے کہ اُنہوں نے اُسے نہیں لیا. اسی طرح اصحاب سیر مثلاً ابن اسحاق وغیرہ فضائل میں بہت سی ضعیف روایتیں نقل کر دیتے ہیں مگر اِس حدیث کو اُنہوں نے بھی ہات نہیں لگایا. تیسرے ان سب باتوں کے علاوہ اس حدیث کے جھوٹ ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حضرت علی کی شادی فاطمۃ الزہرا سے ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی ہے اور وداع جنگ بدر کے کے بعد ہوئی جیسا کہ صحیح میں ثابت ہو چکا ہے. اور تین یا چار برس کے بعد حسنین پیدا ہوئے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی سے فاطمۃ الزہرا کی شادی مدینہ میں ہوئی ہے اور سوائے مدینہ کے اور کہیں اِن کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا. اِدھر تو آپ نے ملاحظہ کر لیا. اُدھر یہ دیکھئے کہ سورۂ ہل اتی مکی ہے جو ہجرت سے پہلے سے مکہ میں نازل ہوئی تھی اس پر تمام مفسروں اور محدثوں کا اتفاق ہے. مثل اور مکی سورتوں کے اس سورت میں بھی اللہ تعالےٰ نے دین کے وہ اصول ثابت کئے ہیں جو اور انبیاء مشترک ہیں جیسے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لانا وغیرہ حضور انور جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الـم تـنـزیل کے ساتھ پڑھا کرتے تھے کیونکہ اُسی دن آدم پیدا ہوئے. اُسی دن جنت میں داخل ہوئے تھے اور اسی دن قیامت آئے گی. غرض یہ دونوں سورتیں آسمان زمین اور انسان کی ابتدا و پیدائش سے لیکے اس وقت تک کے حال کے متعلق سمجھنی چاہیں تو جب حضرت علی کی فاطمۃ الزہرا سے شادی ہونے سے پہلے یہ سورت مکہ میں نازل ہو چکی تھی تو پھر سخت نادانی اور شرارت انگیز بے باکی ہے کہ بیان کیا جائے کہ یہ سورت حسنین کے بیمار ہونے پر نازل ہوئی تھی. چوتھے خود اس حدیث کے طرز بیان اور الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وضع کرنیوالا بالکل جاہل اور کوتاہ اندیش ہے. مضمون حدیث یہ ہے کہ حسنین کے نانا اور تمام عرب انکی عیادت کے لیے گئے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے. بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ تمام عرب مدینہ میں تھے. تھوڑے سے عرب بیشک تھے جنکا شمار اُنگلیوں پر

ہوسکتا ہے۔ان میں سے اکثر کافر تھے اور وہ کبھی حسنین کی عیادت کے لیے نہیں آئے۔دوسرے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ عربوں نے حضرت علی سے کہا کہ اے ابوالحسن تم اپنے دونوں صاحبزادوں پر نذر مان لو یہ بھی غلط ہے اس میں حضرت علی کی سخت توہین ہوتی ہے۔آپ نے علم دین عربوں سے نہیں حاصل کیا بلکہ خود رسول اکرم ﷺ سے حاصل کیا اس امر میں اگر طاعت تھی تو ایسے حکم دینے کے حقدار سوائے حضور انور ﷺ کے کوئی نہیں ہوسکتا تھا اور اگر اس امر میں طاعت نہ تھی تو حضرت علی کی شان ایسی نہیں تھی کہ وہ اس کہنے سے اُس کو کر لیتے اور حضور انور ﷺ سے بغیر دریافت کئے وہ عربوں کے قول کی اتباع کر لیتے۔پانچویں یہ کہ صحیح میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہاں اِسکے ذریعہ سے بخیل سے کچھ لے لیا جاتا ہے۔اب اگر حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کو اتنی بھی خبر نہ تھی تو پھر اُنکے بے پایاں علم کیوں راگ گایا جاتا ہے اور کیوں انہیں قوانین آلہی کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ساتھ ہی حضرت علی کی عصمت میں بھی اس لاعلمی سے بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ایسے واقعات کے ہوتے کس کی مجال ہے کوئی ہاں کر سکے یعنی حضرت علی کی عصمت کا دعوی کر سکے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ علی اِس کو جانتے تھے۔ اور جان بوجھ کر اُنہوں نے ایسا کیا جس میں نہ اللہ کی طاعت ہے نہ رسول کی تو اس سے ان کے دین میں نقص ہونا لازم آتا ہے اور اُن کی عقل و علم سب معرض خطرہ میں پڑ جائیں گے۔یہ درحقیت اہل بیت کی ہجو ملیح ہے کہ اُن کے فضائل میں ایسی حدیثیں نقل کی جائیں۔ جس سے صریح بُرائی نکلتی ہو۔یہ ایک مشہور ہے۔بات ہے کہ اہل بیت میں سے ایک شخص نے اپنے وقت کے شیعوں سے کہا تھا تمہارا ہم سے محبت کرنا ہم پر عار ہوگیا ہے۔ہم تمہاری محبت سے باز آئے تمہاری محبت ہماری صریح ذلت کو ظاہر کرتی ہے اللہ تعالٰی نے نذر پورا کرنے کی تعریف کی ہے۔نہ کہ نذر ماننے کی اس کی مثال یہ ہے کہ ظہار کرنے سے انسان منع کیا گیا ہے اور اگر کسی نے کر لیا تو اُس پر اُسکا کفارہ، واجب ہو جاتا ہے اور جب اُس نے وہ کفارہ ادا کر لیا تو اُس کے کرنے پر اُسکی تعریف کی جاتی ہے۔نفس ظہار غیر مستحسن ہے ہاں اس کا کفارہ قابل تحسین ہے اِس طرح اگر کسی نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اور حسن سلوک کے ساتھ اُسے علیحدہ کر دیا تو اِس سلوک کرنے پر اس کی تعریف ہوتی ہے نہ کہ نفس طلاق دینے سے جو کہ بالکل ایک مکروہ فعل ہے اسی طرح اگر کسی نے کوئی چیز بیچی یا خریدی اور جو کچھ اُس کے ذمہ تھا خواہ بیع کا

حوالہ کر دینا یا قیمت دے دینا وہ اُس نے کر دیا تو اِس ادا کرنے پر اسکی تعریف ہوگی. بیچنے اور خرید نے پر نہیں ہونے کی. اسی قسم کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں. جیسے حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کی کوئی لونڈی نہ تھی جسکا نام فضہ ہو یہ حضور انور کے سارے رشتہ داروں میں بھی اس نام کی کوئی لونڈی نہیں تھی. جن علما نے اہل بیت کے مفصل حالات ذکر کئے ہیں انہوں نے بھی اس نام کی لونڈی کا کہیں ذکر نہیں کیا. ہاں یہ فضہ بمنزلہ ابن عقب ذکر کئے ہیں اُنہوں نے بھی اس نام کی لونڈی کا کہیں ذکر نہیں کیا ہاں یہ فضہ بمنزلہ ابن عقب کے ہے جسکی بابت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسنین کا معلم تھا اور اُسے ایک سیب ملا تھا. اُس میں آئندہ واقعات کا ایک علم بھرا ہوا تھا. بس اس قسم کی کہانیاں میں جنہیں شیعی علماء نے مشہور کر دیا ہے حالانکہ انکا کہیں سر پیر نہیں. کلینی نے اس لونڈی کے عجیب وغریب قصے گھڑے ہیں کہیں جانب عالی میاں محمد یعقوب صاحب اِسے فرضی میدان کربلا میں لے گئے ہیں اِس سے شیر کو آواز دلوائی ہے. کہیں شیر سے باتیں کروائی ہیں اور کہیں حضرت امام حسین کی نعش پر اُس شیر کو حفاظت کے لیے متعین کرایا ہے غرض ایسی دلچسپ کہانیاں ہیں کہ بوستان خیال کا مصنف بھی شرمندی کے مارے سربگر یبان ہو جائے. اسی طرح ابن عقب کے قصے ہیں. اگر اُنہیں ایک کتاب میں علیحدہ درک کیا جائے تو مشرقی فسانوں کے نقطہ خیال سے اس سے بہتر کوئی فسانہ نہ نکلے یاد رکھو اور اسے اچھی طرح سمجھ لو تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کا کوئی معلم نہ تھا اور نہ صحابہ میں کوئی ایسا صحابی تھا جسے لوگ اُنہیں ابن عقب کہتے ہوں. یہ جھوٹے قصیدہ جو ابن عقب کی طرف منسوب ہیں یہ اُن بعض متاخرین جہال کے ترتیب دادہ ہیں جو نور الدین اور صلاح الدین کے زمانہ میں تھے جس زمانہ میں ملک شام کا اکثر حصہ تو عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور مصر پر بنی عبید کی نسل کے لحہ قراسطہ نے قبضہ کر رکھا تھا. یہ زمانہ کچھ ایسے ہی گندے مذاق کا تھا جس میں یہ قصیدے موزوں کئے گئے اسی طرح لونڈی فضہ کے قصہ کو بھی سمجھئے صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے کہ فاطمۃ الزاہر نے حضور انور رسول اللہ ﷺ سے ایک خادم مانگا تھا تو حضور نے اُن سے یہ فرمایا کہ تم سوتے وقت پچیس دفعہ سبحان اللہ تینتیس دفعہ الحمد للہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو بس یہ تمہارے حق میں خادم ہونے سے بہتر ہے. حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب سے یہ کلمے میں حضور انور سے سُنے ہیں اُن کا ورد کبھی نہیں چھوڑا تمام محدثوں کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور

نے فاطمۃ الزاہرا کو کوئی خادم نہیں دیا تھا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ اُنہیں بعد ازاں کوئی خادم مل گیا ہو مگر اس خادم کا نام قصہ ہر گز نہیں تھا۔ ساتویں یہ کہ اِس قصہ میں ایک ایسا امر ہے کہ حضرت علی اور فاطمہ الزہرا کی طرف منسوب کرنے کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ وہ سراسر ظلم اور شریعت کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ تین دن معصوم بچوں کو فاقہ دینا اور ان تین دن میں اُنہیں رات کو بھی کھانے کو نہ دینا کونسا شرعی اخلاقی اور مُلکی قانون اس ظلم کی اجازت دیتا ہے بچے تو مچھلی کی طرح سے بُھوکے تڑپیں اور ایک کڑیل جوان دروازہ پر مانگنے کے لیے آئے بچوں کی اُسی طرح تڑھنا ہوا چھوڑ دیا جائے اور سارا کھانا اُس موٹے تازے فقیر کے حوالہ کر دیا جائے۔ اِس کے علاوہ جتنے آٹے کا وزن بیان کیا گیا ہے اُسے ایک آدمی ہرگز نہیں کھا سکتا ہے۔ اگر معصوم بچوں کا حلق ٹکر فقیر کو دینا تھا تو اُسی کی ایک خوراک دینی تھی نہ کہ یہ کہ چار آدمیوں کا کھانا اُٹھانے کے دے دیا اور وہ خنگا مسٹنڈ فقیرے کے چلتا بنا۔ باقی بچوں کا تین دن رات تک برابر بھُوکا کا رہنا اور والدین کا کسی غیر وقت میں جبکہ آٹا گھر میں موجود تھا دو ایک روٹیاں پکا کر بچوں کو نہ کھلانا اور وقت مقررہ ہی پر چولہے کا گرم کرنا یہ ایسا بعید از قیاس امر ہے کہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اب سنئے آٹھویں وجہ یہ ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ایک یتیم آیا اور اُس نے کہا میرا باپ عقبہ کی لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ دروغگو را حافظہ نباشد یہ تو بہت ہے۔ کھُلا کھُلا جھوٹ ہے عقبہ میں تو کبھی جنگ ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ہجرت سے پہلے اور جہاد کے حکم ہونے سے اول عقبہ میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فقط بیعت لی تھی اِس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جس شخص نے یہ حدیث گھڑی وہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے معمولی حالات سے بھی واقف نہ تا ہاں اگر حدیث گھڑنے والا بجائے عقبہ کے احد کا نام لے دیتا تب بھی ایک بات تھی۔ نویں یہ کہ جو لوگ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھویں میں شہید ہو جاتے تھے اُن کے بال بچوں کی آپ خود ہی خبر گیری کیا کرتے تھے جب فاطمۃ الزہرا نے آپ سے خادم مانگا تو آپ نے اُن سے یہی فرمایا کہ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری خاطر بدر کے یتیموں کو چھوڑ دوں اور جو خادم اِس وقت ان کی خدمت کر رہا ہے۔ اُسے وہاں سے چھٹا کے تمہارے حوالہ کر دوں پھر کون مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضور شہید کے بچے کی خبر گیری نہ کرتے تھے اور وہ در بدر بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ حقیقت میں ایسا کہنا حضور انور پر ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ دسویں یہ کہ مدینہ میں کبھی کوئی قیدی ایسا نہیں ہوا جو لوگوں سے

بھیک مانگتا پھرتا ہو بلکہ جن مسلمانوں کا وہ قیدی ہوتا تھا وہ خود اُس کے خورد ونوش کا انتظام کرتے تھے.
شیعی علما کا یہ کہنا کہ اُن کے قیدی لوگوں سے مانگتے پھرتے بالکل جھوٹ اور بہتان ہے اسکے علاوہ ہوا
تھا یہ سب بدر کے قیدی تھے. نکاح ہونے کے بعد قیدیوں کی تعداد صرف نوہ رہ گئی تھی کیا نو کی تعداد
ایسی تھی کہ مدینہ کے کل مسلمان اُن کی پرورش نہ کر سکتے تھے. گیارہویں اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اِس
قصہ کو صحیح بھی امان اور اُسے فضائل میں بھی داخل کر دیں تو بھی اس قصہ سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ
حضرت علی سب لوگوں سے افضل ہوں اور وہ امام ہوں اور کوئی نہ ہو. جعفر بھی اکثر مسکینوں کو کھلایا
کرتے تھے یہاں تک کہ اُن کے حق میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا شابهت خلقی
وخلقی یعنی تو میرے ظاہری اور باطنی خلق دونوں کے مشابہ ہے. اِس کے علاوہ جعفر کے اور بھی
بہت سے فضائل ہیں مگر باوجود ان فضائل کے بھی وہ حضرت علی سے افضل نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ اپنی
اِس فضیلت کی وجہ سے امامت کے مستحق ہو جائیں. بارہویں یہ کہ اس بات کو سب جانتے ہیں کہ
ابوبکر صدیق اکبر کا اپنے مال کو خرچ کرنا سب سے بڑھا ہوا تھا اور اللہ کے رسول کو سب زیادہ پسندیدہ
تھا. بھوکے کو کھلا دینا تو ایک ایسا عام صدقہ ہے جسے قیامت تک ہر ایک شخص کر سکتا ہے. بلکہ ہر امت کے
لوگ خواہ وہ مسلمان تھے یا نہ تھے اتنے اتنے بھوکوں کو کھلا دیا کرتے تھے اگر چہ اُن کا مقصود اس سے خدا
وند تعالےٰ کو راضی کرنا نہ ہوتا تھا. برخلاف مسلمانوں کے کہ یہ اس فعل کو محض خداوند تعالی ہی کی خوشنودی
کی غرض سے کرتے ہیں. اِسی لیے یہ ممتاز ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے. **انما نطعمكم لوجه
الله لا نريد منكم جزاءً ولا شكورا.**

اب رہا صدیق وغیرہ کا خرچ کرنا وہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو رہائی دلانے کی غرض
سے ہوتا تھا جنہیں کفار تکلیف دیتے تھے اور قتل کر دینا چاہتے تھے. مثلاً ابوبکر نے اپنے مال سے ایسے
سات آدمیوں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا جنہیں اللہ کی راہ میں انتہاء درجہ کی تکلیف دیجاتی تھی. منجملہ ان
سات کے ایک بلال ہیں. فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سرتاج ہیں اور اُنہوں نے ہی
ہمارے سرتاج یعنی بلال کو آزاد کیا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صدیق اکبر نے اپنا مال محتاجوں پر
اُس وقت خرچ کرنا کیا ہے کہ جب تمام جزیرہ نما کے باشندے اسلام کے دشمن تھے. ایسے نازک
موقع پر خرچ کرنا کسی کو بعد میں کیونکر نصیب ہو سکتا تھا. اسی وجہ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایک

ایسی حدیث میں فرمایا تھا جس کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اس حدیث کو ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی تم میں سے کوہ احد کے برابر سونا خرچ تو وہ اُن کے ایک مُد کے برابر ہو سکتا ہے۔ اور نہ صرف نصف کے۔ یہ اُس خرچ کرنے کی بات ہے جو اُنہیں کے ساتھ مخصوص تھا باقی عام طور پر کسی بھوکے کو کھانا کھلا دینا تو ایک مشترک فعل ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس میں کی کچھ خصوصیت نہیں ہو سکتی۔

شیعی علماء کی بائیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر:۳۳) یعنی جو شخص سچی بات لایا ہے اور جس نے اسکی تصدیق کی ہے یہی لوگ پرہیز گار ہیں اس پر شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے اسی آیت کی بابت مجاہد روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جس نے تصدیق کی وہ علی بن ابی طالب ہیں اور فقیہ شافعی نے بھی مجاہد سے روایت کی ہے کہ سچی بات لانے والے محمد ﷺ ہیں اور اُن کی تصدیق کرنے والے علی ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے جو علی ہی کے ساتھ مخصوص ہے پس وہی امام ہوئے۔

جواب: اِس کے متعلق بھی چند باتیں کہنی ہیں۔ اول حضور انور رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہیں منقول نہیں۔ فقط مجاہد کا یہ قول مان بھی لیا جائے کہ مجاہد ہی کا ہے تو کسی مسلمان کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ بات بھی ثابت نہ ہو کہ مجاہد اس روایت کا راوی ہے تو پھر بتایئے اس کہانی کو کیا خیال کیا جائے گا۔ اس کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے اور مجاہد سے اِس کے خلاف ثابت ہے وہ یہ کہ مجاہد کہتے ہیں کہ صدق سے مراد قرآن مجید ہے اور اُس کی تصدیق کرنے والے وہ مسلمانوں ہیں جنہوں نے اس پر عمل کیا غرض کہ مجاہد نے اِس آیت کو عام ٹھہرایا ہے۔ یہ روایت مجاہد سے طبری نے نقل کی ہے علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اِس کے تصدیق کرنے والے حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسرے یہ قول اس قول کے معارض اور خلاف ہے۔ جس پر قریب قریب سب مفسرین کا اتفاق ہے وہ یہ کہ سچی بات لانے والے محمد ﷺ ہیں اور اُسکی تصدیق کرنے والے ابوبکر ہیں مفسرین کے ایک بڑے گروہ کا یہ قول ہے۔ اسے طبری نے حضرت علی کی سند سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہیں اُسے محمد لائے ہیں اور ابوبکر نے اُسکی تصدیق کی ہے ایک حکایت بھی اِسکے متعلق بعض مفسرین نے ابوبکر

عبدالعزیز بن جعفر سے نقل کی ہے کہ کسی شخص نے اسی آیت کی بابت اُن سے پوچھا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر کے حق میں۔ سائل نے کہا نہیں بلکہ علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابوبکر بن جعفر کہا کہ اچھا اِس سے آگے تو پڑھ کہ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا (الزمر:۳۳) بس یہ سُن کے سائل کے حواس درست نہیں رہے اور وہ سناٹے میں رہ گیا۔تیسرے یہ کہ اس آیت کے الفاظ عام مطلق نہ ابوبکر کے ساتھ مخصوص ہیں نہ علی کے ساتھ بلکہ جو شخص اس عموم میں داخل ہے وہ اس کے حکم میں بھی داخل ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اس میں داخل ہونے کے اس امت میں سب سے زیادہ حقدار، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی ہیں لیکن یہ آیت اُن کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر:۳۲،۳۳) یعنی اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے یا سچ بات کو جب وہ اُس کے پاس آئے جھٹلائے۔کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے اور جو شخص سچی بات لاتا ہے اور جس نے اِسکی تصدیق کی ہے وہی لوگ پرہیزگار ہیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اِس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں کسی کی بھی خصوصیت نہیں ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور حضور انور کی تصدیق کی وہ سب اِس میں داخل ہیں اور علی بھی اُن ہی میں سے ہیں کسی کی خصوصیت نہیں پائی جاتی اور یہ بات ایسی ظاہر ہے کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

شیعی علماء کی تیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ یعنی وہی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی۔ شیعی علما ہیں کہ ابونعیم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عرش پر یہ لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ محمد عبدی ورسولی اید تہ ، بعلی بن ابی طالب یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں محمد میرا بندہ اور میرا رسول ہے علی بن ابی طالب سے میں نے اس کی مدد کی ہے اور یہی مطلب اللہ کی کتاب میں اُس آیت کا ہے جو اوپر لکھی گئی یہ بے شک ایک اعلےٰ درجہ کی فضیلت ہے اور سوائے علی کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ لہذا علی ہی امام ہوئے۔

جواب: اس کا بھی جواب کئی طرح پر ہے اول تو وہی پرانی بات یعنی اس نقل کی صحت کا مطالبہ ہم کرتے ہیں اور ہیں یقین ہے کہ مثل اور روایتوں کے اس روایت کے صحت کی بھی کوئی سند تمام دنیا کے شیعی ملکر پیش نہیں کر سکتے۔ ہر موقع پر صدیق کے لئے ابو نعیم بیچارہ گھسیٹا جاتا ہے حالانکہ اسکی طرف کیس قول کا منسوب کر دین کسی صورت سے بھی سند نہیں ہو سکتا. اب شیعی علماء کے لیے ایک اور بات وقت کی یہ ہے کہ اگر اُن سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ ابو نعیم کی روایت کردہ نقول پر اعتبار رکھتے ہیں تو پھر اُس کی وہ کتاب جو اُس نے فضائل میں لکھی ہے ساری کی ساری ماننی پڑے گی اور اُس کے ماننے سے شیعی مذہب کی بنیاد منہدم ہو جائے گی اور ار شیعی علما اسکا یہ جواب دیں کہ جو روایت اا ابو نعیم ہمارے مطلب کی نقل کریگا اُسے تو ہم مانیگے باقی اُس کی کتاب میں جو روایت ہمارے مطلب کی نہ ہوگی اُسے ہم چھوڑ دیں گے. یہ ایسا استدلال ہے جس کا سفسطہ بدیہی ہے اور اس پر بحث کرنے کی ضرور بھی نہیں. ابو نعیم کی فضائل صحابہ میں ایک مشہور کتاب ہے اور فضائل اُس نے حلیہ کے شروع میں بھی بیان کئے ہیں. جہاں اُسنے حضرت علی کے فضائل میں بیسوں روایتیں تراش لی ہیں. وہاں ابو بکر، عمر اور عثمان کے فضائل میں بھی ایسی روایتیں نقل کی ہیں. جس سے شیعی مذہب کے بنیاد چرچرا جاتی ہے اور اس مذہب کے ستونوں میں تزلزل واقع ہو جاتا ہے۔ لہذا شیعی علماء کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں. اس سے یہ معلوم ہوا کہ لہذا شیعی علماء کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں. اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے لہذا شیعی علماء کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں. اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابو نعیم کی ہر نقل کردہ روایت پر اُنہیں بھروسہ نہیں ہے۔ ہر حال جو کچھ ہے وہ سارا کا سارا مضحکہ خیز ہے ایک بالغ نظر اس پر توجہ نہیں کر سکتا۔ ہمارا اصول ہر روایت کے جانچنے کا یہ ہے کہ ہم اِس فن کے علماء کی طرف پہلے رجوع کرتے ہیں اور اُن طریقوں کو دیکھتے ہیں جن سے روایت کا سچ اور جھوٹ ہونا معلوم ہو جاتا ہے یعنی اُسکے اسناد میں اور اُس کے راویوں میں غور کرتے ہیں کہ آیا وہ ثقہ ہیں اور بعض نے بعض سے سنا ہے یا نہیں پھر اس سے حدیث کے شواہد کر دیکھتے ہیں ہم اسی اصول کی بنا پر اُن روایتوں کو جو حضرت علی کے فضائل میں ہیں اور اُن روایتوں کو جو شیخین اور عثمان غنی کے فضائل میں ہیں ایک ہی طرح سے پرکھتے ہیں اور اُنہیں ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں جسکی صحت ثابت ہو جاتی ہے اُس کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور جھوٹی کی تکذیب کرتے ہیں تمام مسلمانوں کے نزدیک یہی

معروف ہے باقی اُس شخص خدا پناہ میں رکھے جو خداوند تعالی پر بہتان اُٹھا اور اُس حق کی تکذیب کرے جسے حضور انور رسول اللہ ﷺ لائے ہیں. ایسا شخص کی تکذیب کریں جسطرح مسیلمہ کذاب کی پیروی کرنے والوں کی تکذیب کرنی ہر مسلمان پر واجب ہے اسی طرح ہم اسے اپنا بہت بڑا فرض سمجھتے ہیں کہ جتنے طوفان خدا اور رسول صحابہ اور ائمہ پر اُٹھائے گئے ہیں اُن کا اس کا اظہار مخلوق پر کر دیا ہے جائے اور اپنی علمی تحقیق کے جھوکوں سے اس طوفران کا ستیا ناس کر دیا جائے تا کہ اُن غلط اور موضوع روایتوں کا پانی الگ ہو جائے. دوسرے یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے. لہذا ہمیں اسکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر کامل یقین ہے ہم اُس اللہ کی قسم کھا کے کہتے ہیں جس کو سوا کوئی معبود نہیں کہ ابو ہریرہ نے یہ حدیث ہرگز ہرگز روایت نہیں کی جو شخص علم حدیث اور دین اسلام سے واقف ہے وہ ہمارے قول کی دل اور زبان دونوں سے تصدیق کرے گا اور جسے اسلام کا علم نہ ہوا ُسے ہم میں سے نہ سمجھنا چاہیے. جس طرح ایک پرکیا کھوٹے کھرے روپے کے متعلق قسم کھا سکتا ہے اسی طرح ہم بھی کھری کھوٹی حدیث کے متعلق قسم کھا سکتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط مگر جسے اسمیں درک نہیں اُس کی طرف ہم خطاب نہیں کرتے. تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ھُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ. (الانفال:۶۱ تا ۶۲) یعنی وہی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور مسلمانوں سے قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب سے خرچ کر دیتے (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے اُن میں اُلفت پیدا کر دی. فقط اس بارے میں یہ نص ہے کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی گئی ہے وہ بہت سے ہیں اور حضرت علی اکیلے ہیں انکے اندر بہت سے دل نہیں ہیں جن میں الفت پیدا کی گئی ہو. مومنین جمع کا لفظ ہے لہذا یہ نص صریح ہے اس میں یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ اِس سے فقط ایک ہی آدمی ہو مراد ہو پھر یہ کیونکہ جائز ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت علی ہی اکیلے مراد ہوں. چوتھے یہ بداہت اور تواتر سے ہر شخص جانتا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دین کی اشاعت فقط ایک اکیلے حضرت علی کے موافق ہونے اور ساتھ دینے سے ہرگز نہیں ہوئی حضرت علی بہت صغیر سنی میں جبکہ وہ بالکل نا سمجھ بچے. اسلام میں داخل ہوئے تھے اُس وقت اسلام بہت کمزور تھا

اگر اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو ایمان لانے ہجرت کرنے اور مدد کرنے کی ہدایت نہ کرتا تو ایک صغیر سن بچہ کیا کرسکتا تھا کیا مدد دیتا. قبائل پر اس کا کیا اثر پڑتا دین اسلام کی تلقین کیونکر کرتا. اُسے ہر شخص جان سکتا ہے. اس کے علاوہ لوگوں کا ایمان اُن کی ہجرت اور مدد حضرت علی کے ہاتھ سے نہیں ہوئی اور نہ حضرت علی کو حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی دعوت دینے کے لیے کہیں مقرر کیا. نہ مکہ میں نہ مدینہ میں جیسا کہ مقرر تھے نہ کسی روایت میں نہ کسی نوشتہ اور دستاویز سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ کبھی ایک شخص بھی حضرت علی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا نہ مہاجرین میں سے انصار میں سے سابقین اولین تو الگ رہے کہیں سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت علی کے ہاتھ پر صحابہ میں سے کوئی شخص ایمان لایا ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو کوئی شخص ایمان لایا ہو ہاں یہ ممکن کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو یمن بھیجا ہے اُس وقت کوئی شخص ایمان لایا ہو ہمیں اسکی خبر نہیں اور نہ کوئی ہمعصر شہادت اس وقت ہمارے پاس موجود ہے کہ جس سے ہم اسکی تصدیق کرسکیں اور تھوڑی دیر کے لئے اگر فرض کرلو کہ کوئی یمنی شخص حضرت علی کے ہاتھ پر ایمان لایا مسلمان ہو تو وہ صحابہ میں کے صحابی نہیں بن سکتا. اس کے مقابلہ میں ابوبکر صدیق کو لو جن کے ہاتھ پر بڑے بڑے صحابی مسلمان ہوئے جن کے نام ہم اِس کتاب میں پہلے کہیں لکھ چکے ہیں حضرت علیؓ نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مشرکوں سے مباحثہ کرتے اُنہیں ایمان لانے کی دعوت دیتے جیسا کہ ابوبکر ہمیشہ اُن کے سے مناظرہ کرتے اور ایمان لانے کی دعوت دیا کرتے تھے اور یہ بھی اُنہیں مطلق خوف نہیں تھا. صحاح ستہ، مسانید اور مغازی سب میں یہ بات ثابت ہے جنگ احد میں جب مسلمانوں کی صفیں برہم ہو گئیں تو ابوسفیان نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے محمد ﷺ ابوبکر اور عمرؓ کو آواز دی تیسرے کا نام لیکر نہیں بلایا جس کا مفصل ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر کے ہیں اِس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ نہ صرف مشرکین قریش بلکہ اُن کے بڑے بڑے سردار حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر و عمر ہی کو سمجھتے تھے شیعی علماؤں نے حضرت علی کے اصلی فضائل حد یہاں تک پہنچائی کہ مدح ہجو طبع بن گئی وہ بتائیں کہ ابوسفیان نے حضرت علی یا دوسروں کا نام لیکر کیوں نہیں پکارا. پانچویں یہ کہ اسلام میں حضرت علی کو کوئی نیک اثر تسلیم بھی کیا جائے تو اُن کی طرح اور بہت سے صحابہ ہیں اُن میں سے بعض کے آثار بعض سے بہت بڑے ہوئے ہیں اور یہ باتیں وہ شخص جان سکتا ہے جو سیرۃ صحیحہ ثابتہ بالنقل سے واقف

ہو۔حضورانور کے غزوں کو دیکھو بڑے غزووں کی تعداد صرف نو ہے اور چھوٹے بڑے سب ملا کر بیس سے کچھ اوپر ہیں باقی لشکر کشیاں اگر ملائی جائیں تو اُن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے. اِن کل غزووں میں جتنے کافر قتل کیے گیے اُن کی تعداد ستر تک پہنچی ہے. اِن کل غزوں میں جتنے کافر قتل کیے گیے اُن کی تعداد ایک ہزار کے قریب قریب ہے. ان ہزار میں سے حضرت علی کے ہاتھ سے دس بھی قتل نہیں ہوئے. دس کیا پانچ بھی نہیں. اور اکثر لشکروں کے تو حضرت علیؓ ساتھ بھی نہیں گئے. باقی حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد وفات جو فتوحات ہوئیں اُن میں سے ایک میں بھی حضرت علی شریک نہیں ہوئے. نہ عثمان نہ طلحہ نہ زبیر، ہاں جس وقت فاروق اعظم نے شام پر چڑھائی کی تھی تو یہ اُن کے ساتھ گئے تھے اسی طرح زبیر کو فتح مصر میں اور سعد کو فتح قادسیہ میں اور ابو عبید کو فتح شام میں شریک سمجھنا چاہیے. جب یہ کیفیت ہے تو رسول اللہ کی تائید اور مدد فقط ایک صحابی یعنی علی ہی سے کس طرح ہوگئی اور اُن اولوالعزم صحابہ کی تائید اور مدار کیا ہوئی. جو سابقین اولین مہاجرین وانصار میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے حضور سے بیعت کی تھی. اس کے علاوہ جنگ بدر میں کل مسلمان ۳۱۳ تھے. احد میں ۷۰۰ غزوۂ خندق میں ایک ہزار سے کچھ زیادہ، بیعت الرضوان میں چودہ سوار اور اتنے ہیں فتح خیبر میں. فتح مکہ میں دس ہزار حنین میں بارہ ہزار غزوہ تبوک میں تیس ہزار سے زیادہ تھے. اور حجۃ الوداع میں اِس سے بھی زیادہ. اُس وقت جن لوگوں نے اپنی خوش قسمتی سے حضور انور کی زیارت کر لی وہ سب صحابہ میں داخل ہوگئے. اللہ تعالیٰ نے حضور انور کی زندگی کی زیارت کر لی وہ سب صحابہ میں داخل ہوگئے. خدا وند تعالے نے حضور انور کی زندگی ہی میں یمن وغیرہ میں انہیں لوگوں سے اسلام کی مدد کی بلکہ قیامت تک جو جو ایمان لائیں گے اور اسلام پھیلائیں گے وہ سب اِس میں داخل ہیں.

شیعی علماء چوبیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتے ہے. يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال:۶۴) (مدد دینے کو) تمہیں کافی ہے اور اُن مسلمانوں کو جو تمہارے پیرو ہیں. شیعی علماء نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ اے نبی تمہیں اللہ اور جن مسلمانوں نے تمہاری پیروی کی کافی ہیں اور پھر اُن مسلمانوں کی جگہ جنہوں نے رسول کی پیروی کی علی بن ابی طالب ہیں۔

جواب: اِسکے چند جواب ہیں اول یہ کہ مثل گزشتہ روایتوں اِس آیت مطلب اپنی موافقت میں بنانے کے لیے شیعی علماء نے ثعلبی وغیرہ بیچارے کو گھسیٹ کر اُسکے سر تھوپ دیا اور اسی طرح دو ایک فرضی راویوں کا نام بھی پیش کر دیا ہے. مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت اور اس قماش کی جتنی روایتیں ہیں بالکل صحیح نہیں. دوسرے یہ قول کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا. تیسرے یہ کہ کلام اللہ پر اور اللہ کے رسول پر یہ بہت بڑا بہتان ہے اِسکی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے اصلی معنی یہ ہیں کہ اللہ تمہیں بھی کافی ہے اور اُن مسلمانوں کو بھی جو تمہارے پیرو ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ اکیلا تمہیں بھی کافی اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو بھی اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ حسبنا اللہ کہا کریں اور اُس کے ساتھ ورسولہ نہ کہیں جب یہ کہنا جائز نہ ہوا کہ کسی مسلمان کو اللہ اور اللہ کا رسول کافی ہو تو پھر مسلمان اللہ کے ساتھ ہو کے رسول کو کس طرح کافی ہو سکتے ہیں. اس کے علاوہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس طرح مسلمان اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح رسول بھی اللہ تعالے کا محتاج ہے. پس ان سب کے لیے کوئی ایسا ہونا ضروری ہے جو اُن کے لیے کافی ہو. یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اوروں کی امداد اور قوت تو رسول سے ہو اور رسول کی امداد و قوت اوروں سے ہو. اس سے صاف طور پر دور لازم آتا ہے اور وہ باطل بلکہ یہ ایمان رکھنا اور یقین کرنا چاہیے کہ جس طرح مسلمانوں کی قوت اللہ سے ہے اسی طرح رسول کی بھی قوت اللہ سے ہے. وہ اکیلا ان دیکھا وحدہ لاشریک ہے. جو سب کو قوت بخشتا ہے. لہذا یہ مثل اُس آیت کے ہے هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال:۶۲) کیونکہ اُس وحدہ لاشـــریک نے رسول کی دو طرح تائید کی ہے ایک اپنی مدد کرنے سے دوسرے اُن مومنین سے جنہوں نے اِس مدد کو ظاہر کیا. باقی کسی چیز پیدا کرنے میں اللہ کے ساتھ کوئی نہیں ہے. بلکہ اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں ہر چیز کا وہ اکیلا ہے خالق ہے کسی چیز میں وہ کسی کا محتاج نہیں. شیعی علماء کی کس قدر کلام خدا سے ناواقفیت ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کی جگہ صرف تنہا حضرت علی حضور انور رسول اللہ ﷺ کو کبھی کافی نہیں ہوئے. اگر حضور کے ساتھ تنہا رسول اللہ کو کیا مدد دیتے خود اپنا ذاتی کام بھی پورا نہ کر سکے. حالانکہ اُن کے پاس ایک معقول جرار لشکر تھا وہ امیر معاویہ سے میدان جنگ میں کئی بار مغلوم ہوئے اور جو کچھ اخیر کی نتیجہ ہوا وہ سب پر ظاہر ہے. ایسی مجبوری کی حالت میں اور اس انسانی کمزوری پر تنہا حضرت علی حضور انور کی مدد کرنے کے لئے کس طرح کافی میں کھڑا ہو گیا تھا. شیعی علماء ایک

عذر یہ پیش کر سکتے ہیں کہ امیر معاویہ اور اُن کے ساتھیوں پر حضرت علی اس وجہ سے غالب نہ آ سکے کہ خود اُنہیں کے لشکر نے اُن کا ساتھ نہیں دیا اور اُن کے باہم دھڑا بندیاں ہوگئیں. اسکا جواب صاف طور پر یہ ہے کہ جب حضرت علی کے ساتھ والے مسلمانوں نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا تو پھر وہ کفار اُن کا کہنا کیونکر مان سکتے تھے جو نہ صرف حضرت علی کا بلکہ علی کے نبی کا بھی انکار کرتے تھے شیعی علماء دین سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یا تعصب اور رضد سے اجتماع نقیضین کر دیتے ہیں کبھی تمام دنیا کی قوت اور شجاعت حضرت علی کے محتاج تھے. کہیں دین خدا قادم کرنے میں علی کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیتے ہیں. اور پھر اسلام پھیل جانے اور بہت سے لوگوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد علی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ انتہاء درجہ کے ضعیف، عاجز، پریشان اور تقیہ کرنے والے تھے حالانکہ ہر شخص یقینی جانتا ہے کہ لوگ دین اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ایسے حق کے تابع نہ تھے جیسا کہ اسمیں داخل ہونے کے بعد ہوگئے تھے. ہر شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ شیعی علما کے کے عقیدہ کے مطابق دین خدا کے قائم کرنے میں اُس معبود مطلق کا ہمسر ہو یہاں تک کہ اُسنے تمام کفار کو زیر و بر کر دیا کہ اور مسلمان بنا لیا ہو تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ اُس نے اپنا یہ بہادرانہ فعل اُن لوگوں کے زیر و زبر کرنے میں کیوں نہ کیا جو باغی ہو گئے تھے باوجودیکہ یہ اُن کفار سے ہر طرح کم تھے جو حضور انور ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت موجود تھے اور حق سے بہ نسبت ان کے بہت ہی قریب تھے. جس وقت اللہ نے حضور انور ﷺ پیغمبر بنایا اُس وقت کے کفار ان لوگوں سے بہت زیادہ تھے جنہوں نے علی سے مقابلہ کیا اور راہ حق سے بھی کوسوں دور تھے. حجاز، شام، یمن، مصر، عراق، خراسان اور مغرب غرض ان سب ملکوں کے باشندے کافر ہی تھے. کوئی مشرک تھا کوئی کتابی، کوئی مجوسی، کوئی صابی مگر جس وقت حضور انور رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو قریب قریب تمام جزیرہ عرب میں اسلام پھیل گیا تھا. مطلب یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے وصال کے زمانہ میں کفار کی تعداد نسبت آپ کے زمانہ بعثت کے بہت ہی کم رہ گئی تھی. کافر شکستہ اور کمزور ہو گئے تھے. مقابلہ کی جرات اُن میں سے سلب ہو گئی تھی ایسی حالت میں بھی حق کی مدد کرنے اور باطل کو دفع کرنے سے حضرت علی عاجز ہو گئے تو حضور انور ﷺ کی بعثت کے وقت اُنکا کیا حال ہوگا. اُس وقت تو اُن کا حد سے زیادہ کمزور اور عاجز ہونا لازمی ہے. جبکہ کفار کا ہر طرح سے غلبہ تھا اور وہ ہر قسم کی قوت اور عداوت میں تنے ہوئے تھے۔

شیعی علماء کی پچیسویں برہان: بقول شیعی علماء اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ یعنی عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائیگا جنہیں خدا دوست رکھتا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ثعلبی نے کہا کہ یہ آیت علی آ ت کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ علی کے افضل ہونیکی دلیل ہے پس وہی امام ہوئے۔

جواب: اس کے بھی چند جواب ہیں اول یہ نیا تماشا ہے کہ شیعی علما نے ثعلبی پر بیسیوں بچی جھوٹی روایتوں کی بھر مار کر کے اخیر طوفان اُٹھانا بھی شروع کر دیا یہ اُس کے ذمہ بہتان ہے اُس نے تو اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ علی، حسن اور قتادہ تینوں کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں لوگوں سے مراد ابو بکر اور اُن کے ساتھ ہیں مگر مجاہد کہتے ہیں اہل یمن مراد ہیں۔ باقی ائمہ تفسیر میں سے طبری نے سند کے ساتھ ابوایوب سے اُنہوں نے حضرت علی سے یہ روایت کی ہے کہ اس آیت میں ابو بکر اور اُن کے ساتھی ہی مراد ہیں اور یہی قول قتادہ، حسن، ضحاک اور ابن جریج سے روایت کیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی قول ہے کہ بعض لوگ قوم سے مراد انصار لیتے ہیں اور بعض اہل یمن نے آخر الذکر قول کو ترجیح دی ہے اور ساتھ ہی بھی کہا کہ وہ ابو موسی کے خاندان کے لوگ ہیں اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث اہل یمن مراد ہونے کی صحیح نہو تو پھر میرے نزدیک اِس بارہ میں کوئی قول ٹھیک نہیں سوائے اُن لوگوں کے قول کے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد ابو بکر اور اُن کے ساتھی ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ قول بلا دلیل ہے لہذا اس کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بات کے معارض ہے جو اس سے زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ ابو بکر اور اُن کے ساتھیوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی جنہوں نے مرتدوں سے جہاد کیا تھا اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ شیعی علماء کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہے کہ علاوہ اُن فرضی اور اختراعی فضائل کے جو ملا باقر مجلسی اور یعقوب کلینی وغیرہ کی جودت طبع کا نتیجہ ہیں۔ جتنے فضائل صدیق اکبر اور فاروق اعظم وغیرہ کے ہیں اُنہیں بھی حضرت علی کی ذات سے چسپاں کر دیا جائے یہ کوشش ایک عرصہ دراز سے کرتے رہی ہیں ابن تمیمہ اپنی مشہور کتاب منہاج السنہ میں ایک حکایت بیان کر کے اِس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ میرے ایک دوست نے جو ہر طرح قابل اعتبار تھا مجھ سے بیان کیا کہ میں اپنے ایک بوڑھے دوست

کے پاس ملنے گیا اُس نے مجھے ایک کتاب دکھائی جو وہ بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھتا تھا اُس نے مجھے سے کتاب دکھاتے وقت کہا کہ یہ کتاب اسرار میں سے ہے اور میں نے خلفا کے خاص کتب خانہ سے اِسے حاصل کیا ہے وہ اس کتاب کی حد سے زیادہ تعریف کرنے لگے اور پھر اُس نے مجھے اپنا ایک مخصوص دوست سمجھ کے وہ کتاب میرے ہاتھ میں دے دی اُسے دیکھا وہ خوشخط لکھی ہوئی تھی اور جب میں اُسے پڑھا تو میں حیران رہ گیا کیونکہ جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم میں ابوبکر وعمر وغیرہ کے فضائل میں ہیں ,اُن سب سے شیخین اور دوسرے صحابہ کا نام اُڑا کر حضرت علی کا نام لکھدیا ہے. جہاں تک میں نے غور کیا وہ کتاب بنی عبد مصریوں کے کتب خانوں کی معلوم ہوئی کیونکہ اُن کے خواص بالکل ملحد اور بے دین تھے اُن کا یہ منشا تھا کہ عقائد اسلام میں رخنہ ڈالیں اور عظیم تبدیلی پیدا کریں اُنہوں نے ہزاروں حدیثیں اپنی طرف سے گھڑلیں اور اُن کو جہلا میں اشاعت دے دیا. اس کے علاوہ مثل ابن خطیب کے اُن لوگوں نے یہ غضب کیا کہ حدیثیں خود گھڑیں اور بخاری و مسلم کے نام شہرت دے دی مگر یہ نہ سمجھے کہ کسی حدیث کے ساتھ محض بخاری اور مسلم کا نام آجانا اُسکی صحت پر دلالت نہیں کرتا جب تک اس بات کی کامل تحقیق نہ ہوجائے کہ نسبت صحیح ہے اور درحقیقت بخاری مسلم ہی اُس کے راوی ہیں. کیونکر کسی حدیث اور علمائے محدثین نے اس قدر روایت کی ہیں کہ بیان نہیں کیا جاتا اور وہ سب حدیثیں اس قدر مشہور ومعروف ہوگئی ہیں کہ اُسی زمان میں علماء حدیث سننے کے ساتھ ہی فوراً سمجھ لیتے تھے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے یا نہیں حدیثوں کی روایت کچھ بخاری و مسلم پر ہی مقرر نہیں ہے بلکہ یہ وہ حدیثیں ہیں جنہیں اُنکے زمانہ سے پہلے اور اُنکے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے اگر بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تو اس دین میں ہرگز کسی قسم کی کمی نہیں آسکتی تھی. یہ حدیثیں اُس وقت بھی اپنی سندوں کے ساتھ یقیناً موجود ہوتیں. صرف یہ کہدینا کہ بخاری اور مسلم نے چونکہ اس حدیث کو روایت کیا ہے اس لیے یہ صحیح ہے محض غلط اور بالکل لغو ہے. یہ کہدینا بالکل اُس قول کے مشابہ ہے کہ قرآن کو قراء سبعہ نے روایت کیا ہے. حالانکہ قرآن مجید تواتر سے منقول ہے. ان قراء سبعہ کی کسی آیت میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اس طرح حدیث کی صحت ہے کہ اس میں ائمہ حدیث بخاری و مسلم کے مقلد نہیں ہوتے. بلکہ جن حدیثوں کو بخاری و مسلم نے صحیح کہا ہے وہ ائمہ حدیث کے نزدیک اُن سے بھی پہلے صحیح اور لائق قبول تھیں اور یہی حال اُن دونوں کے زمانہ میں رہا. اسی طرح اِن کے بعد

اس فن کے اماموں نے ان کتابوں کو خوب دیکھا ان کی حدیثوں کو پرکھا اور اُن کے ساتھ موافقت کی. سوائے چند حدیثوں کے جنکی تعداد بیس کے قریب ہے جن میں زیادہ مسلم کی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ جو شخص سات ہزار درہم پر کھے اور اُن میں چند درہم ایسے چلے جائیں جو بالکل کھوٹے نہ ہوں بلکہ کچھ مشتبہ ہوں تو وہ شخص پرکھنے کا استاد ہی کہلائے گا اور ان چند درہموں سے جو روانی میں اُس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اس کے پرکھنے کے فن پر کچھ دھبہ نہیں لگ سکتا بخاری و مسلم کی حدیثوں کی تعداد سات ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہے. اگر ان میں پندرہ بیس حدیثیں ایسی آ گئی ہیں. جو بالکل جھوٹی تو نہیں مگر علما نے ان پر شبہ کیا ہو تو اس سے بخاری و مسلم پر کسی قسم کا دھبہ نہیں آ سکتا. مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی حدیثوں کو اُن سے پہلے بھی اور اُن کے بعد بھی بڑے بڑے اماموں نے پرکھ لیا ہے اور اسقدر مخلوق نے انہیں روایت کیا ہے جو شمار میں نہیں آ سکتی. پس یہ دونوں یعنی بخاری و مسلم نہ کسی روایت کے کرنے میں اکیلے ہیں اور نہ کسی حدیث کی صحت میں مگر بعض شیعی علما نے اپنی نادائی سے یہ سمجھا کہ جب ہم نے اُن میں سے کسی نسخہ کی حدیث کو بدل دیا اور ابوبکر و عمر کے فضائل علی کے لیے وقف کر دیئے تو ہماری یہ کاروائی علماء اسلام پر پوشیدہ رہے گی مگر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے جبکہ بخاری کی حدیثوں کی اشاعت لاکھوں آدمیوں سے گزار کر کروروں تک پہنچ گئی یہ کاروائی کیونکر چل سکتی ہے.

چوتھے تمام علماء اس پر متفق ہیں اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ مرتدوں سے جس نے قتال کیا وہ ابوبکر ہی ہیں اُنہوں نے ہی مسلیمہ کذاب سے قتال کیا جو نبوت کا مدعی تھا اور اُسکے پیرو بنی حنیفہ اور اہل یمامہ سے قتال کیا جنکی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی. پھر ابوبکر ہی نے طلحہ اسدی سے جنگ کی جس نے نجد میں نبوت کا دعوے کیا تھا اور قبیلہ اسد تمیم اور غطفان کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے تھے. پھر ابوبکر نے سجاح سے قتال کیا اُس نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا اور مسلیمہ کذاب کے گھر بھی پڑ گئی تھی. بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے اُن میں سے بعض کلمہ پڑھتے تھے اور محمد ﷺ کو خدا کا رسول کہتے تھے مگر زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہ تھا یعنی زکوۃ نماز وغیرہ سب سے اُنہوں نے پہلو بچا رکھا تھا غرض ان سب کا مقابلہ ابوبکر کو کرنا پڑا. اور آپ نے اپنے تھوڑے سے زمانہ خلافت میں اِس مضبوط اور خطرناک ارتداد کو حجاز سے نیست و نابود کر دیا. پھر کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ارتداد کو اتنی بھاری شکست دی اُن کے سوا اِس آیت میں داخل ہونے کا اور بھی کوئی حق رکھ سکتا ہے. اسی طرح اس

آیت میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنھوں نے روم اور فارس پر کفار کا مقابلہ کیا اِن میں یمن کے وہ باشندے ہیں جنھوں نے ابوبکر و عمر کی پیروی کر کے کفار سے قتال کیا تھا. اسی وجہ سے یہ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ اس سے کون مراد ہیں آپ ابوموسیٰ اشعری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اور اسکی قوم کے لوگ مراد ہیں. غرض یہ بات تواتر اور بداہت سے معلوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کو قائم کیا اور وہ اوروں کے مرتد ہونے کی وقت اسلام ہی پر ثابت قدم رہے اور کفار مرتدوں سے مقابلہ کرتے رہے تو وہی **فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ** کے مصداق ہیں. ہاں اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ حضرت علی اس سے خارج نہیں ہیں. لیکن سوال فقط یہ ہے کہ وہ ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ زیادہ اس صفت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں. ممکن ہے کہ کفار اور مرتدوں سے حضرت علی نے جہاد کیا ہو جسکی ہمیں خبر نہیں مگر ان کے مقابلہ میں کیونکر اس خاص معاملہ میں ان کی برتری ثابت ہو سکتی ہے. جبکہ مخالفین اسلام سے اُن کی لڑائیاں اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے نجات دینے کی کوششیں الم انشرح ہیں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. کوئی دینی خدمت حضرت علی سے ان صحابہ سے بڑھکر ثابت نہیں ہوئی. ہم تو کل صحابہ کی کوششیں قابل جزا سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ وہ نیک عمل میں اور اسلام میں عمدہ آثار ہیں. اسلام اور اہل اسلام دونوں کی طرف سے اللہ تعالےٰ اُنہیں بہتر جزا عطا کے خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین یہی ہیں مگر اُن لوگوں کی عقل پر افسوس آتا ہے جو محض کسی دنیوی غرض سے اُنہیں کافر یا فاسق کہے جنکا نفع دین و دنیا میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور جس شخص کے ہاتھ کسی قسم کی اسلام کو بہتری نہ پہنچی بھی ہو تو ویسی ہزاروں آدمیوں سے بھی ہوا ُسے معصوم منصوص علیہ ٹہرائے اور جو اس سے خارج ہوا ُسے کافر کہے اور اُن کفار اور مرتدوں کو مسلمان بنائے جن سے اُن مسلمان نے قتال کیا اور محض اسی قتال کی وجہ سے اُن مسلمانوں کو کافر کہے جو پانچوں وقت نماز پڑھیں رمضان کے روزے رکھیں. بیت اللہ کا حج کریں قرآن مجید پر ایمان رکھیں زکوۃ دیں غرض کل فرائض اسلام کے ادا کریں. اس سے زیادہ ظالم اور جاہل کون ہو سکتا ہے. اِس عقیدہ کا موجد کتنا بڑا اخنہ انداز دین ہوگا اور کیسا بڑا ملحد یہی وجہ ہے کہ یہ عقیدہ غالیہ اور معطلہ فرقوں میں سے زندیقوں اور ملحدوں کا ماوا و ملجا ہے اور اس عقیدے کے لوگ مرتدوں کے پیر و ملحدوں کے غلام اور منافقوں کے وارث ہیں. پانچویں اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں کہ یہ آیت

حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی مگر پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے حضرت علی ہی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے حالانکہ اس کے الفاظ اس کی تصریح کر رہے ہیں کہ ان لوگوں کی ایک جماعت نہیں ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ (المائدہ:۵۴) یعنی اے ایمان والو جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائے گا عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے سامنے انکساری کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہونگے اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرینگے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ایک شخص سے مراد ہے یا بہت سے عرب میں ایک آدمی کو قوم نہیں کہتے نہ حقیقۃً نہ مجازاً اور اگر شیعی علما یہ کہیں کہ اس سے علی اور اُنکے شیعہ مراد ہیں تو یہ بات بھی کچھ نہیں بنتی۔ حضرت علی اپنے شیعوں کی نسبت اچھی رائے نہیں رکھتے۔ نہج البلاغت کے خطبے اِس سے بھرے ہوئے ہیں۔ کہ حضرت علی نے اپنے شیعوں کو کن کن الفاظ سے یاد کیا ہے۔ پھر بھلا ایسے لوگ جن سے حضرت علی کا ناک میں دم آ گیا تھا کیونکر اس آیت میں آ سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ بات اوپر بھی لکھی جا چکی ہے۔ کہ جن لوگوں نے کفار اور مرتدوں سے قتال کیا وہ اسمیں داخل ہونے کے اس سے زیادہ حقدار ہیں جنہوں نے سوائے اہل قبلہ کے اور کسی سے بھی قتال نہیں کیا بشرطیکہ ہم شیعان علی کو حضرت علی کا مطیع و فرمانبردار مان لیں سچ مچ بلا خوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہل یمن جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ قتال کیا وہ اس میں داخل ہونے کے اُن لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جنہوں نے ہمیشہ کفار و مشرکین کا ساتھ دیا ہے اور سابقین اولین سے ہمیشہ عداوت رکھی۔ اس پر ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علی کا ساتھ دیا اُن میں یمنی بھی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی سے مقابلہ کرنے والے بھی یمنی تھے اور اُن کا ساتھ دینے والے بھی یمنی تھے مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یمن کے بڑے بڑے خاندان اور قبیلے امیر معاویہ کی طرف تھے۔ جیسے ذی کلاع، ذی عمر، ذی رعین، وغیرہ وغیرہ۔ چھٹے یہ کہ اللہ کا قول فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ مطلق ہے۔ اس میں کسی کی تعیین نہیں ہے اور یہ خاص اُسی کے لیے ہے۔ جس میں یہ صفتیں ہوں خواہ وہ کوئی ہو نہ اس میں ابوبکر

کی خصوصیت ہے نہ علی کی اور جب یہ اُن دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی مخصوص نہیں تو علی کے خصائص میں سے کیونکر ہو سکتی ہے اسی وجہ سے علی کا افضل ہونا باطل ہو گیا چہ جائیکہ اس کے ذریعہ سے امامت کو ثابت کیا جائے بلکہ یہ آیت تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت تک جب کوئی مرتد ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم اور ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیگا اللہ اُنہیں دوست رکھے گا اور وہ اللہ کے دوست رکھتی گے وہ مسلمانوں سے انکساری کریں گے اور مرتدوں کے حملوں کی مدافعت کریں گے. یہ بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ دو قسم کے مرتد ہوا کرتے ہیں ایک تو وہ لوگ جو دین اسلام سے منحرف ہو کے مثل کافروں کے ہو گئے دوسرے وہ کہ مسلمان ہیں مگر غلو زیادہ کرتے ہیں جیسے نصیریہ اور اسماعیلیہ اس پر شیعہ اور سنی دونوں کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں فرقے مرتد ہیں اور کبھی ارتداد بعض دین سے ہوتا ہے جیسے کہ اہل بدعت، غرض ایسے مرتدوں سے مقابلہ کرنا اُن کے حملوں کی مدافعت کرنا یہ اُن ہی لوگوں کا فرض ہے جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے دوست رکھتے ہیں. اور وہ کسی بات سے نہیں ڈرتے اُنہیں اپنا فرض ادا کرنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں ہوتی.

شیعی علماء کی چھبیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ، یعنی جو اللہ پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لے آئے ہیں وہی لوگ اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں. اس پر شیعی علما فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے سند کے ساتھ ابن ابی لیلےٰ سے اُنہوں نے اپنے باپ سے روایت کی وہ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ صدیقین تین آدمی ہیں. حبیب بن موسیٰ نجار آل یسین کا مومن جس نے یہ کہا تھا یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ دوسرے حزقیل آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ" تیسرے علی بن ابی طالب اور یہ اُن سے بھی افضل ہیں. پھر شیعی فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابن معاذی فقیہ شافعی نے روایت کی ہے اور کتاب الفردوس کے مصنف نے بھی یہی بیان کیا ہے اور یہ فضیلت علی کی امامت پر دلالت کرتی ہے فقط۔

جواب: اس کا جواب کئی طرح سے ہے. اول ہمارا وہی قدیم مطالبہ اس روایت کی صحت کا ہے. ہم اچھی طرح سے سمجھتے ہیں اور ہمیں اس بات پورا یقین ہے کہ تمام شیعی علما مل کے بھی اس روایت کی

صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے. یہ حدیث امام احمد کی مسند میں نہیں ہے اور اگر اُنہوں نے یہ حدیث روایت کی بھی ہو تو اُس پر کل اہل علم کا اتفاق ہے. بلکہ خود امام احمد کے نزدیک بھی اس کا روایت کرنا اُسکے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا. امام احمد کا قاعدہ ہے کہ وہ فضائل میں اُن حدیثوں کو روایت کر دیتے ہیں جو اور لوگوں نے روایت کی ہوں. اگرچہ اُن کی صحت کا کہیں سے بھی ثبوت نہ ملتا ہو جو شخص فن حدیث سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے جو فضائل میں حدیث روایت کی ہیں اُن کی نسبت وہ خود بھی صحیح ہونے کا دعوے نہیں کرتے یہاں تک کہ مسند میں بھی جو اُنہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں اُس میں بھی وہ ہر حدیث کے صحیح ہونے کے قائل نہیں ہیں. با ایں ہمہ ان کی مسند کی بہت سی حدیثیں بہت بہتر ہیں. سوائے فضائل کہ کہ اُن میں اکثر حدیثیں غیر مسندت ہوتی ہیں. اب شیعی علماء کی پیش کردہ روایت کو دیکھا جائے تو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے ہے. اس کا نہ کہیں امام احمد کی مسند میں پتہ ہے نہ ان کی کتاب الفضائل میں بلکہ یہ حدیث قطیعی کی زیادات میں سے ہے اس روایت کو دو سندوں سے نقل کیا ہے اور دونوں میں عمر بن جمعی راوی ہے اور یہ اُن لوگوں میں سے جنکی روایت کبھی قابل اعتبار نہیں ہوئی بلکہ اُس کی بابت ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ شخص حدیثیں وضع کرنے میں مہتم ہے. یحیی کہتے ہی کہ یہ کذاب خبیث ہے. نسائی اور دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے ابن حبان کہتے کہ یہ صحیح حدیثوں کے بدلے موضوع اور مشاہیر کے بدلے مناکیر روایت کر دیا کرتا ہے. لہذا اس کی حدیث تو لکھنی جائز نہیں ہے ہاں اگر عبرت حاصل کرنے کے لیے لکھدی جائے تو چنداں ہرج نہیں. یہی وجہ ہے کہ شیعی علمانے اس بدنام شخص کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی روایت کردہ حدیث کو امام کے سر چپیک دیا. مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا جب اس روایت کی تنقید کی جائیگی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا واقعی ہم اِس دلیری کی داد دیتے ہیں کہ بغیر کسی پس و پیش کے شیعی علما کس طرح ایک روایت کو مسلمانوں کے ایک مشہور عالم کے سر چپیک دیتے ہیں اور اُنہیں ذرا ہاک و ہارس نہیں ہوتا. دوسرے ہم اپنے ایمان اور یقین سے اور اپنی کامل تحقیق کی بنا پر یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر یہ حدیث وضع کر کے طوفان اُٹھایا گیا ہے. تیسرے صحیح حدیثوں میں بہت سے طریقوں سے حضرت علی کے سوائے اوروں کے نام کے ساتھ بھی صدیق کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ابوبکر صدیق وغیرہ پھر تین ہی پر صدیق کے لفظ کا حصر کیونکر ہوسکتا ہے صحیحین میں انس سے روایت ہے وہ

کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کواحد پر چڑھے آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق عمر فاروق اور عثمان غنی تھے تو پہاڑ اُن کے اوپر چڑھنے سے لرزنے لگا۔ حضور انور نے فرمایا اے پہاڑ تجھ پر معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ نبی ہے اور صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ اس حدیث کا ذکر ہم اوپر بھی کہیں کر چکے ہیں کہ یہ حدیث امام احمد نے یحی بن سعد سے اُنہوں نے قتادہ سے اُنہوں نے انس سے روایت کی ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ابن مسعود سے مروی ہے وہ حضور انور رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور انور نے فرمایا "علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر والبر یھدی الی الجنة ولا یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور والفجر یھدی الی النار ولا یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا " یعنی تم ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کی ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت میں پہنچا دیتی ہے کیونکہ جو شخص ہمیشہ سچ ہے بولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بولنا فجور کی ہدایت کرتا ہے اور فجور دوزخ میں لیجاتا ہے اور جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ ہی بولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ چوتھا یہ کہ اللہ تعالےٰ نے بی بی مریم کا نام صدیقہ رکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ قول کیسا لچر اور پوچ ہے۔ بھلا یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ صدیق کا حصر صرف تین ہی مذکورہ بالا اشخاص پر ہے جو شیعی علما کی راویت میں پائے جاتے ہیں۔ پانچوں اگر شیعی علما کا اس سے یہ مطلب ہے کہ صدیق صرف تین ہی آدمی اور اُنکے سوا اور کوئی صدیق نہیں ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ قول قرآن مجید حدیث رسول اور اجماع مسلمین تینوں کے خلاف ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ صدیق ہونے مں ی کامل یہی تینوں ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہماری اُمت سب اُمتوں سے بہتر ہے کیونکر ہوسکتا ہے کہ موسی اور عیسے کے تصدیق کرنے والے محمد کی تصدیق کرنے والوں سے بہتر ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے آل فرعون کے مومن کو کہیں صدیق نہیں فرمایا اور نہ کہیں صاحب آل یسین کا خطاب دیا ہاں اس میں شک نہیں کہ اُنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی تھی مگر اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا کہ محمد کی تصدیق کرنے والے اُسے بدرجہا افضل ہیں اِس کے علاوہ اللہ تعالے نے انبیا کا نام صدیق رکھا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَاذْكُرْ فِي

اَلْکِتَابِ اِدْرِیْسَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقاً نَبِیًّا۔ اور یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا "اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ" جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَاءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔ ترجمہ اور وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے وہی صدیقین ہیں اور وہی اپنے پروردگار کے نزدیک شہیدا ہیں۔ اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ جو آدمی اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے آیا بس وہی صدیق ہے۔ ساتویں اگر امام ہونے کا مستحق صدیق ہی ہوتا ہے تو بس سب سے زیادہ صدیق ہونے کے حقدار ابوبکر ہیں۔ کیونکہ اُن کے لیے یہ نام عام اور خاص سب کے نزدیک بدیہہ تواتر اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے یہاں تک کہ اسلام کے دشمن بھی اِس سے بخوبی واقف ہیں۔ لہذا امام ہونے کے مستحق بھی وہی ہوئے اور اگر صدیق ہونا امام ہونے کے مستلزم نہیں ہے تو بس شیعی علما کی یہ حجت سرے سے باطل ہوگئی۔

شیعی علماء کی ستائیسویں برہان: (بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یعنی جو لوگ اپنا مال علانیہ اور خفیہ رات اور دن (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ شیعی علما فرماتے ہیں ابونعیم نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے انکا قول ہے کہ یہ آیت علی کے حق میں نازل ہوئی تھی اُن کے پاس چار درہم تھے۔ ایک درہم اُنہوں نے رات کو خرچ کر دیا ایک دن کو ایک خفیہ اور ایک علانیہ اسی کو ثعلبی نے بھی نقل کیا ہے اور یہ فضیلت اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ پس علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہوئے۔

جواب: اس کا جواب بھی چند طرح سے ہے اول اس نقل کی صحت کا مطالبہ کیونکر ابونعیم اور ثعلبی کا روایت کرنا جیسا کہ ہم پہلے اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں اِس روایت کی صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ روایت بالکل جھوٹی ہے کہیں بھی اِس کا ثبوت نہیں ملتا۔ تیسرے یہ آیت عام ہے جو شخص اللہ کی راہ میں رات دن خفیہ اور علانیہ خرچ کرے۔ وہ یقیناً اِس آیت کے حکم میں داخل ہے خواہ علی ہوں اور شخص اس سے خاص ایک آدمی مراد لینا اور کسی شخص کو معین کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ چوتھے شیعی علما نے جو یہ حدیث ذکر کی ہے وہ اس آیت کے مدلول اور معنی کے بالکل مناقض اور خلاف ہے کیونکہ آیت تو ان دو زمانوں میں خرچ کرنے پر دلالت کرتی ہے وقت ان سے خالی نہیں ہوتا فعل

کے لیے چونکہ زمانہ ہونا ضروری ہے لہذا ان دونوں حالتوں میں فعل کسی صورت سے خالی نہیں ہونے کا رات اور دن زمانے میں دونوں وقت شامل ہیں۔ فعل یا تو علانیہ ہوتا ہے اور یا خفیہ پس جب کسی نے رات کو خفیہ خرچ کیا تو گویا اُس کا رات کو وہ خفیہ خرچ کرنا ہوا اور اگر کسی نے دن کو علانیہ خرچ کیا تو وہ اُسکا دن کو علانیہ خرچ کرنا ہوا مطلب یہ ہے کہ خفیہ اور علانیہ خرچ کرنا رات کو اور دن کو خرچ کرنے سے خارج نہیں ہے یا بالفاظ دیگر خفیہ خرچ کیا جائے یا علانیہ وہ اوقاتِ شب و روز میں کسی نہ کسی وقت تو ضرور ہوگا کیونکہ اس خرچ کرنے کے لیے علیحدہ اوقات تو آسمان سے اُترنے سے رہے اس سے اُس شخص کی یا اُس گروہ کی عام جہالت کا پتہ لگتا ہے جو یہ کہے کہ اس آیت سے وہ شخص مراد ہے جو ایک درہم خفیہ خرچ کرے اور ایک علانیہ اور ایک درہم رات کو خرچ کرے اور ایک دن کو لہذا دو درہموں کا خرچ تو ٹھیک ہوگیا باقی وہ دو درہم جنکے ساتھ علانیہ اور خفیہ کا لفظ لگا ہوا ہے بیکار اور فرضی ہوئے قرآن مجید کی ایسی باطل اور غلط تفسیریں بعض ناواقف لوگ جہلا میں بیٹھ کے بیان کیا کرتے ہیں مثلاً جیسے بعض جاہل شخص اِس آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے ابوبکر مراد ہیں اور اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے عمر اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے عثمان اور تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا سے علی یہ لوگ اپنی جہالت سے اِن صفات کو ان چار آدمیوں کے لیے ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ آیت اِس بارے میں صریح ہے کہ یہ کل صفات اُن سب لوگوں کے لیے ہیں جو اُنکے ساتھ متصف ہیں خواہ کوئی ہوں اور یہ کہ اُن کی تعداد بیشمار ہے محدود نہیں ہے ہاں یہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا صحابہ اُن سب سے افضل ہیں جن میں یہ صفتیں پائی جائیں اور ہر ایک صحابی ان سب صفتوں کے ساتھ متصف ہے اگرچہ ان میں سے کوئی صفت ایک میں دوسرے سے زیادہ ہو جو شخص اس آیت کے معنی کر کے اس کا سہارا ایک شخص کے سر باندھ دے اُس سے زیادہ جاہل اور کون ہوسکتا ہے۔

پانچویں اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ حضرت علی نے ایسا کیا تھا اور یہ آیت اُن ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اُنکا فقط چار ہی درہم کا چار وقتوں میں خرچ کرنا مذکور ہے اور یہ ایسا عمل ہے کہ قیامت تک ہر شخص بے تکان کرسکتا ہے۔ اس پر عمل کرنے والے بلکہ اس سے بھی ہزاروں درجے زیادہ خرچ کرنے والے ہر عصر اور ہر عہد میں ہوئے ہیں اور اب بھی زمانہ اُن سے بھرا ہوا ہے کیونکہ جو شخص کچھ خرچ کرے گا وہ یا تو دن میں خرچ کرے گا یا رات میں خفیہ کرے گا یا اعلانیہ پس یہ خرچ کرنا خصائص میں

سے نہیں ہوسکتا اور جب یہ خصائص میں سے نہ ہوا تو یہ نہ فضیلت کی دلیل ہوسکتا ہے اور نہ امامت کی.

شیعی علماو کی اٹھائیسویں برہان :(بقول شیعی علماء) قرآن مجید میں جو آیت یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوئی ہے اسکے متعلق امام احمد بن حنبل نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس کے سرغنہ اسکے امیر اسکے شریف اور اسکے سید علی ہیں قرآن میں اللہ تعالے نے محمد ﷺ کے دیگر صحابہ پر بہت جگہ عتاب فرمایا ہے مگر علی کا ذکر ہر جگہ مہربانی ہی کے ساتھ کیا ہے بس یہی بات علی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے پس وہی امام ہوئے.

جواب: اول اس روایت کی صحت کسی طرح بھی تمام دنیا میں کوئی ثابت نہیں کرسکتا. یہ محض خیال آفرینی اور بعض لوگوں کی ایجاد دہندہ ہے. یہ روایت امام احمد بن حنبل کی مسند کہیں نہیں ہے اور نہ فضائل میں اُنہوں نے اس روایت کو لیا ہے جبکہ صحیح غلط روایتیں وہ فضائل میں حسب عادت بہت سی داخل کر دیتے ہیں مگر اس روایت کا تو فضائل میں بھی نام نہیں ہے. یہ روایت اصل میں قطیعی کی زیادتیوں میں سے ہے جو اُس نے ذکریا بن یحییٰ کی بات یحییٰ نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ اگر گڑھا کھود کے اُنہیں دفن کردیا جائے تو سب کے لیے مفید ہے دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کمبخت کی عادت ہی یہی ہے کہ صحابہ کی برائیں کی روایتیں خود ایجاد کرتا ہے اور حضور انور رسول اللہ ﷺ نے مبارک نام سے اُنہیں اشاعت دیتا ہے (نعوذ باللہ) لہذا اسکی روایت کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہوسکتا. اب رہے ابن عباس ان کے ذمہ یہ بہتان عظیم باندھا گیا ہے ان سے بطریقہ تواتر مروی ہے کہ وہ ابوبکر، عمر کو علی سے ہمیشہ افضل سمجھتے تھے اور علی کی بہت سی غلط کاریوں پر اعتراض کیا کرتے تھے. جب زندیقوں کو جنہیں نے علی کے معبود ہونے کا دعوی کیا تھا علی نے آگ میں زندہ جلا دیا تو ابن عباس نے اُن پر سختی کے ساتھ اعتراض کیا اور کہا کہ انسان کو زندہ جلا دینے کو حضور انور نے سخت منع فرمایا ہے اور یہ سخت ظالمانہ اور وحشیانہ فعل ہے اس پر علی ناراض ہوئے اور اُنہوں نے ابن عباس پر بہت غصہ کیا. ابن عباس سے ثابت ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اُنہیں نص نہیں ملتی تھی تو وہ ابوبکر وعمر کے قول پر فتوی دے دیا کرتے تھے اس سے خود معلوم ہوسکتا ہے کہ ابن عباس ابوبکر وعمر کو کیسا سمجھتے تھے اور علی کیسا علی اور ابن عباس میں اکثر نوک جھوک رہا کرتی تھی اور ابن

عباس نہایت آزادی کے ساتھ علی کی ناجائز باتوں پر اعتراض کرنے کے لیے بالکل تیار رہتے تھے چنانچہ منجملہ بہت سی باتوں کے ایک یہ واقعہ زیادہ نامور و مشہور ہے کہ جب ابن عباس نے بصرہ کا کچھ مال اپنے قبضہ میں کر لیا تو علی نے انہیں ایک خط لکھا اور بہت دھمکی دی کہ یوں کردوں گا اور دوں کر دونگا۔ اس پر ابن عباس نے جواب دیا کہ اگر میرا مال کا لینا تھوڑی دیر کے لیے ناجائز سمجھ بھی لیا جائے تو تم نے جو حکومت وغیرہ حاصل کرن کے لیے مسلمانوں کو کٹوا دیا تو اُس کی نسبت تو میرا یہ فعل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ دوسرے اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے سرغنہ وغیرہ علی ہیں تو اُس میں اُلٹی علی کی بُرائی نکلتی ہے نہ تعریف کیونکہ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر موقعوں پر عتاب کے ساتھ خطاب کیا ہے چنانچہ فرمایا یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ. یعنی اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ناپسند ہے کہ وہ بات کہو جو نہیں کرتے۔ اب سمجھئے اور غور کیجئے اور خود اپنے دل میں انصاف کیجئے کہ اگر اس آیت کے سرغنہ ہم شیعی علماء کی خاطر سے حضرت علی کو قرار دیں تو اُن پر کتنا بڑا الزام قائم ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم اُس معبود برحق کی قسم کھا کے کہتے ہیں جسکی مٹھی میں ہماری زندگی اور موت ہے کہ حضرت علی اس عیب سے پاک تھے وہ جو کچھ کہتے تھے ویسا ہی کرتے تھے اُنہوں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسا نہیں کیا کہ کہا ہو اور کیا نہ ہو۔ اسی طرح یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ کے الفاظ سے یہ آیت شروع ہوتی ہے یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ. (الممتحنہ:۱) یعنی اے ایمان والو میرے دشمنوں کے اور اپنے دشمنوں کو تم دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف محبت (کی بنیاد) ڈالتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔ صحاح میں ثابت ہے کہ یہ آیت حاطب بن بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی تھی جب اُس نے مکہ کے مشرکوں کو حضور انور ﷺ کا راز کہلا بھیجا تھا اُسکا مفصل ذکر اور پر کہیں آ چکا ہے غرض علی حاطب کے اس گناہ سے بالکل بری تھے وہ اُن مخاطبین کے سرغنہ جنہیں اس گناہ پر ملامت کی گئی ہے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور لو تیسری جگہ اللہ تعالیٰ مذکورہ الفاظ سے یہ آیت شروع کرتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا. (النساء:۹۴) یعنی اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لیے) سفر کیا کرو تو خوب

تحقیق کرلیا کرو اور جو کوئی تمہیں سلام کرے اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے (کیا) تم دنیا کی زندگی کے اسباب کی خواہش کرتے ہو" یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہیں ایک آدمی بکریاں چراتے ہوئے ملا اُس نے کہا میں مسلمان ہوں مگر اُنہوں نے اس کہنے کو جھوٹ سمجھا اور اُس کی بکریاں چھین لیں۔ اس پر اللہ نے انہیں خوب تحقیق کرلینے کا حکم دیا اور دنیوی طمع کے باعث ایسے آدمی کو جھٹلانے سے جو مسلمان ہونے کا دعوے کرتا ہو اُنہیں منع فرمادیا۔ یاد رکھو علی ان لوگوں کے گناہ سے بالکل بری تھے۔ پھر ہماری حمیت اور انسانیت تو اسکی مقتضی نہیں ہے کہ حضرت علی کو ان لوگوں کا سرغنہ بنائیں غرض تمام فرقان حمید ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ تیسرے اب شیعی علماء کا یہ بیان کہ علی ان آیتوں کے سرغنہ کے سردار اُن کے شریف اور اُن کے سید ہیں بالکل بے حقیقت اور بے معنی ہے یہ دراصل دوسرتی کے پردے میں حضرت علی کی ذات اقدس پر بہت بڑا حملہ کیا گیا ہے۔ جس کی بابت سوائے افسوس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ اپنا امام بھی کہے جاتے ہیں اُن کی ذات میں عیب بھی نکالتے ہیں اور اُنہیں خداوند تعالےٰ کے معتوب بھی قرار دیے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ مرحبا ہے اس محبت و تعظیم پر اب رہا یہ کہ ابن عباس کا حضرت علی کو فضیلت دینا یہ محض لغو اور بیہودہ ہے ابن عباس پر نرا بہتان ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن عباس نے ایسا کہد یا تو تمام صحابہ کے مقابلہ میں صرف اُنکا یہ کہنا کیونکر حجت ہوسکتا ہے۔ چوتھے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں اللہ پاک نے محمد ﷺ کے دیگر صحابہ پر عتاب کیا ہے اور علی کو ہر جگہ نیکی ہی سے یاد کیا ہے یہ صریح جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ ہے۔ قرآن میں اللہ کا ابوبکر پر عتاب کرنا نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ ابوبکر نے رسول اللہ کو کبھی کچھ رنج دیا یا اپنے کسی کام سے آپ کو صدمہ پہنچایا ہو بلکہ یہ بات حضور انور رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور سے ثابت ہے آپ نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔ **ایھا الناس اعرفوا لا بی بکر حقه فانه لم یسوء قط،** عینی اے لوگو ابوبکر کے حق کا کام ضرور خیال رکھو کیونکہ اُنہوں نے مجھے کبھی کوئی صدمہ نہیں پہنچایا۔ فقط۔ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور ابوبکر کی طرف داری کرتے اور لوگوں کو اُن کے خلاف کرنے سے منع کیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض لوگوں کا حضور انور کو صدمہ پہنچانا منقول ہے ابوبکر کا صدمہ پہنچانا کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ دیکھو خاتون محشر فاطمۃ الزہرا ہی کی زندگی میں جب علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو حضور انور نے کیسا پرجوش اور مؤثر خطبہ

پڑھا تھا (اسکا ذکر بھی پہلے کہیں آ چکا ہے) کبھی اِس قسم کا واقعہ ابوبکر کے حق میں نہیں ہوا جس میں حضور انور کو خطبہ پڑھ کے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے اپنے صدمہ کا بیان کرنے اور مخاطب کی وعدہ خلافی کا ذکر کرنیکی ضرورت پڑتی۔ اسکے علاوہ بڑے بڑے کاموں میں ابوبکر آپ کے مشیر خاص تھے۔ مثلاً کسی کو کسی صوبہ کا حاکم بنانے یا کسی کو جنگی افسر نامزد کرنے اور غنائم تقسیم کرنے وغیرہ کے اہم معاملات میں حضور انور ﷺ نے کبھی علی کو شریک نہیں کیا۔ اس مشورہ میں خصوصیت کے ساتھ ابوبکر ہی شریک ہوتے تھے بلاخوف تردید ہم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکر وعمر حضور انور کے مثل دو وزیروں کے تھے۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور انور نے ان ہی دونوں سے مشورہ لیا تھا۔ اور بنی تمیم کے وفد (ڈیپوٹیشن) کے بارے میں بھی ان ہی سے صلاح لی گئی تھی۔ غرض کل اہم معاملات میں حضور انور کو مشورہ دینے والے ابوبکر وعمر ہی تھے علی کو کبھی بھولے سے بھی ان مشوروں میں شریک نہیں کیا گیا۔ صحیحین میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب فاروق اعظم عمرؓ کا انتقال ہوا تو آپ نے بڑے جوش سے قسم کھا کے یہ بیان فرمایا "مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اللہ تعالے تمہارے دونوں ساتھیوں (محمد ﷺ اور ابوبکرؓ) کے ساتھ اُٹھائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے میں اکثر سنا کرتا تھا (آپ فرمایا کرتے تھے) میں ابوبکر اندر گئے میں و ابوبکرؓ وہاں جاتے ہیں۔ یہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ غرض ہر بات میں حضور انور ﷺ انہیں اپنے ساتھ بیان کرتے تھے"۔

شیعی علماء کی انتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰٓـئِكَـتَهٗ يُصَـلُّوْنَ عَلَـى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً" (الاحزاب:۵۶) یعنی بیشک اللہ اور اُسکے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں اے مسلمانو تم (بھی) نبی پر درود بھیجو اور خوب سلام پڑھو (شیعی علماء فرماتے ہیں) صحیح بخاری میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم نے رسول ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ اہل بیت پر سلام پڑھنا تو ہمیں اللہ نے سکھا دیا ہے لیکن ہم درود کس طرح بھیجیں آپ نے فرمایا اِس طرح کہا کرو "اللّٰهم صل علی محمد وعلى آل محمد" (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) صحیح مسلم میں ہے ایک راوی کہتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا لیکن ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں حضور انور نے

فرمایا اسطرح کہا کرو اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم ۔ اس لحاظ سے چونکہ حضرت علی اہل بیت میں سب سے افضل ہیں لہذا امامت کے لیے سب سے بہتر وہی ہوئے۔

جواب: اس میں ہرگز شک نہیں اور ہم اِسے کھلے دل کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار ہیں کہ یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے اور یہ کہ علی آل محمد سے ہیں اور اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد میں داخل ہیں مگر یہ اُن کے خصائص میں سے نہیں ہے کیونکہ سارے بنی ہاشم اسمیں داخل ہیں مثلاً عباس ان کے اولاد حارث بن عبدالمطلب حضور انور کی صاحبزادیاں یعنی عثمان غنی کی دونوں بیبیاں رقیہ اور ام کلثوم اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا اور اسی طرح آپ کی ازاوج مطہرات اس میں شامل ہیں ازاوج کے متعلق صحیحین میں حضور کا یہ ارشاد موجود ہے اللھم صلی علی محمد وعلی ازوجہ وذریتہ ہاں ہاں اس میں تو قیامت تک آپ کے سارے اہل بیت شامل ہیں اسی میں علیؓ کے بھائی جعفر اور عقیل بھی داخل ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ درود اور سلام میں ان سب کا داخل ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اُن سب سے افضل ہیں جو اسمیں داخل نہیں ہیں نہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ اس میں داخل ہوں وہی امامت کے لائق ہیں۔ عمار، مقداد، ابوذر وغیرہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکی فضیلت پر اہل سنت اور شیعہ سب متفق ہیں۔ باوجود یہ کہ آل پر درود بھیجنے میں وہ داخل نہیں ہیں حالانکہ عقیل، عباس اور اُن کی اولاد اس میں داخل ہے اور اس پر سُنّی اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے کہ عمار، مقداد اور ابوذر وغیرہ عقیل اور عباس کی اولاد سے بدرجہا افضل ہیں اسی طرح حضور انور رسول اللہ ﷺ کی ازاوج مطہرت میں سے عائشہؓ وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ حالانکہ عورت امام نہیں ہوسکتی اور نہ وہ مردوں سے افضل ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ فضیلت علیؓ وغیرہ میں مشترک ہے یہ کسی طرح سے ضروری نہیں کہ جو اِس فضیلت کے ساتھ متصف ہو وہ ان لوگوں سے افضل ہوجائے جو اُسکے ساتھ متصف نہیں ہیں۔ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر القرون القران الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم " لہذا تیسرے زمانہ کے لوگوں سے تابعین افضل ہوئے۔ ہاں یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ مجموعہ کو مجموعہ پر فضیلت دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا ہر ہر فرد دوسرے مجموعہ کے ہر ہر فرد سے افضل ہو۔ کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ

کے بعد تیسرے اور چوتھے زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو صحابہ کے بعض دیکھنے والوں سے بدرجہا افضل ہیں اور اُن کی فضیلت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مثلاً اشتر نخعی اول درجہ کا مفسد، مختار عبید، کذاب اور مفتری، حجاج بن یوسف جیسا شخص .ان لوگوں نے صحابہ کا زمانہ ضرور پایا ہے .ان سے ملے بھی ہیں مگر یہ تبع تابعین سے کسی طرح بھی افضل نہیں ہوسکتے۔ ابو جہل ہی کو لو جو حضور انور رسول اللہ ﷺ کا چچا بھی تھا اور جس نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بھی پایا کیا وہ چودھویں صدی ہجری کے کسی مسلمان سے بھی افضل ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں. اِسکے علاوہ وہ سارے اہل بیت سے افضل حضرت علی ہرگز نہیں ہیں بلکہ اہل بیت میں سب سے افضل حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں. اس کے علاوہ کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ حضور انور خود اہل بیت میں داخل ہیں جیسا کہ آپ نے حسنؓ سے فرمایا تھا" کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اہل بیت ہیں ہم صدقے کی چیز نہیں کھایا کرتے "ان الفاظ میں متکلم بھی شامل ہے خود حضرت ابراہیم کا اہل بیت میں شامل ہونا درود شریف سے پایا جاتا ہے اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضور انور کے بعد اہل بیت افضل حضرت علی ہی ہیں. اس وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد وہ سب سے افضل ہو جائیں کیونکہ بنی ہاشم اور وہ ان سے افضل ہیں اور حضور انور بھی بنی ہاشم میں سے ہیں صحیح مسلم میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا تھا کہ اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے اللہ تعالے نے خاندان کنانہ کو برگزیدہ کرلیا تھا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو اِس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ جملہ قریش سب سے افضل ہیں مگر یہ لا ﷺ م نہیں آتا کہ قریش کا ہر فرد سب سے افضل ہو .اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ سارے عرب میں اور عرب کے سوا اور ملکوں میں ایسے بہت سے آدمی ہیں جو قریش سے افضل ہیں قریش میں سابقین اولین گنے چنے آدمی تھے اور اُن میں اکثر فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے وہی لوگ طلقا کہلاتے ہیں سارے مہاجرین میں سوائے قریشوں کے اور بھی قبائل کے لوگ شریک ہیں۔ مثلاً ابو مسعود ہزلی، عمران بن حصین، خزاعی، مقداد بن اسود کندی یہ لوگ قریشی نہیں ہیں مگر تو بھی بہت سے بنی ہاشم سے افضل ہیں ان کے سوائے بدری لوگ اکثر بنی ہاشم سے افضل ہیں بنی ہاشم میں سابقین تو حمزہ، علی، جعفر اور عبید بن حارث فقط چار آدمی ہیں مگر بدری ۳۱۳ آدمی ہیں جن میں سے تین ہاشمی ہیں اور باقی دوسرے قبائل میں سے مگر سب کے سب بنی ہاشم سے افضل ہیں اِس بات کے سب قائل ہیں کہ بنی

ہاشم قریش سے افضل ہیں اور قریش عرب سے اور عرب تمام اولاد آدم سے یہی ائمہ سنت والجماعت سے منقول ہے جیسا کہ حرب کرمانی نے اپنے ملنے والوں سے نقل کیا ہے. مثلاً امام احمد، اسحاق، سعید بن منصور، عبداللہ بن زبیر حمیدی وغیرہ ممکن ہے کہ ہم اس کی مفصل بحث کسی دوسری جگہ اور کریں گے.

شیعی علماء کی تیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (الرحمٰن:۱۹،۲۰) یعنی اس نے دو دریاؤں کو چلایا ہے وہ دونوں ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے. جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے. شیعی علماء کہتے ہیں یہ دونوں دریا علیؓ اور فاطمہؓ ہیں. ان کے درمیان میں حجاب نبی ﷺ ہیں. یہ دونوں اُن کے کہنے سے کسی بات میں تجاوز نہیں کرتے پھر فرماتے ہیں کہ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (الرحمٰن:۲۲) یعنی ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے. موتی اور مونگے سے مراد حسنؓ اور حسینؓ اور یہ فضیلت صحابہ میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی لہٰذا علی ہی امام ہوئے.

جواب: افسوس ہے اس قسم کی باتیں سمجھدار اور پڑھے لکھوں کی زبان سے نکلنی ایسی تعجب انگیز ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتیں ایسے چڑے چڑیا کی کہانیوں کو قرآن مجید کی تفسیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے. بلکہ ہم تو اُسے مستان کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے یہ کامل ہذیان اور نری بیہودگی ہے ملاحدہ، قرامطہ، باطنیہ کی تفسیریں بھی اسی قسم کی ہوتی ہیں مگر یہ مذکورۂ بالا تفسیر ان سے بھی کئی درجہ بڑھی ہوئی ہے. یہ حقیقت در حقیقت اللہ تعالیٰ کے کلام کا مضحکہ اُڑانا ہے اور اس فرقان حمید کو منہ چڑانا کچھ شیعوں ہی پر منحصر نہیں ہے جاہل سنیوں نے بھی قرآن کی ایسی ہی مضحکہ خیز تفسیریں لکھی ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں صابرین سے مراد محمد ﷺ ہیں صادقین سے مراد ابوبکر ہیں ۔ قانتین سے مراد عمر ہیں اور منفقین سے مراد عثمان اور مستغفرین سے مراد علی ہیں. پھر کہتے ہیں تراہم رکعا سجداً سے علی مراد ہیں. والتین سے مراد ابوبکر ہیں والزیتون سے مراد عمر ہیں اور طور سنین سے مراد عثمان ہیں واذا البلاد الامین سے مراد علی ہیں. پھر کہتے ہیں "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. سے مراد ابوبکر ہیں اور عملوا الصالحت سے مراد عمر ہیں اور وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے عثمان مراد ہیں اور وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ سے علی مراد ہیں. اسی طرح شیعی علماء "وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (یٰسین:۱۲)

میں امام علی سے مراد لیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم میں علی بن ابی طالب مراد ہیں اور شجرۃ ملعونۃ سے بنی امیہ. سچ بات یہ ہے کہ اس طرح سے قرآن مجید کا مضحکہ وہی شخص اُڑا سکتا ہے جس کا اس پاک کتاب قرآن مجید پر ایمان نہ ہوا اور جس میں کچھ بھی ایمان کو بُو ہوگی وہ کبھی ایسی باتیں نہیں بنانے کا. اب سنیئے نفس واقعات پر بحث شیعی علماء کی اس تفسیر میں چند وجہ ایسی ہیں جو سرتاپا اُس کی جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اول یہ کہ یہ آیت سورۃ الرحمٰن میں ہے اور یہ سورۃ تمام مسلمانوں کے اجماع کے بموجب مکی ہے. حسنؓ اور حسینؓ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے دوئم فاطمہؓ اور علیؓ کا نام دروددیا در کھنا اور حسن وحسین کو موتی مونگا کہنا اور مرج کے معنی نکاح ٹھہرانا ایک ایسا امر ہے جس کا نہ لغاتِ عرب میں پتہ لگتا ہے اور نہ اس کے یہ معنی حقیقتاً اور مجازاً ہو سکتے ہیں. جسطرح اس قسم کے معنی سے قرآن مجید پر صریح جھوٹ باندھا گیا ہے. اسی طرح لغتِ عرب پر بھی ایک بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے. تیسرے اس میں کوئی بات ایسی زائد نہیں ہے جو تمام اولادآدم میں نہ پائی جاتی ہو کیونکہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اُسکے دولڑکے ہو جائیں تو ہو اس میں داخل ہے لہذا علی اور فاطمہ کی تخصیص کی یہاں کوئی وجہ نہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علی سے بدرجہا افضل ہیں تو کیوں ہم بجائے علی اور اُن کے بچوں کے ان پیغمبروں سے مراد نہیں لیتے بزرگ کون ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو عرض کیا کہ ہمارے، دریافت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے آپ نے فرمایا تو بس یوسف بزرگ ہیں جو اللہ کے نبی ہیں یعقوب نبی کے بیٹے اسحاق نبی کے پوتے اور ابراہیم نبی کے پڑپوتے اِسی لیے درود میں جہاں آل محمد ﷺ کو شریک کیا گیا ہے. وہاں آلِ ابراہیم کو بھی شریک کیا گیا ہے اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آل ابراہیم آل علی سے افضل ہیں. چوتھے یہ کہ مرج البحرین کو اللہ تعالی نے ایک اور آیت میں بھی ذکر کیا ہے چنانچہ سورۂ فرقان میں فرماتا ہے. وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (الفرقان:۵۳) اگر اس سے علی اور فاطمہ مراد ہوں تو اُن میں سے ایک نہ ایک کے لئے بڑائی بھی ہوئی ہے کیونکہ ان میں سے ایک دریا کا اللہ تعالیٰ نے شور اور کھاری ہونا بیان کیا ہے. پانچویں یہ کہ اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (سورہ رحمٰن) اب اِس سے اگر علی اور فاطمہ مراد ہیں تو شیعی علماء کے گمان کے مطابق حجاب یا تو حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں یا اور کوئی ہے جو ان میں

سے ایک دوسرے پر تجاوز کرنے سے مانع ہے اور یہ دراصل تعریف نہیں ہوئی. بلکہ حد سے زیادہ بُرائی ہے. چھٹے یہ کہ تمام ائمہ تفسری کا اس پر اتفاق ہے کہ درحقیت قرآن مجید پر یہ بہت بڑا بہتان باندھا گیا ہے جیسا کہ ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے. ابن عباس کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے دونوں دریا ہر سال ملجائے تے ہیں. حسن کا قول ہے کہ مرج البحرین دونوں دریاؤں سے دریائے فارس اور دریائے روم مرادا ہے اور حجاب ان دونوں کے بیچ جزیرے ہیں اور یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (الرحمٰن:۲۲) کی تفسیر میں زجاج کہتے ہیں اور مونگا دریائے شور سے نکلتے ہیں اور جواہرات اگرچہ ایک ہی دریا سے نکلتے ہیں مگر ساتھ ساتھ دونوں دریاؤں کا نام لے دیا ہے کہ جب اُس میں سے نکلے تو گویا دونوں ہی سے نکلے. فارسی کا یہ قول ہے کہ منھا سے مراد من احدھا ہے مضاف کو محذوف کر دیا ہے باقی لولو اور مرجان کے متعلق علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مرجان چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور لولو بڑے موتی کو. یہی قول اکثر صحابہ کا جنہیں ابن عباس، قتادہ اراء اور ضحاک بھی ہیں. دوسرا قول یہ کہ لولو چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور مرجان بڑے موتی کو یہ قول مجاہد، سدی اور مقاتل کا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ جب ایک خاص بارش ہوتی ہے تو سیپیوں کے منہ کھل جاتے ہیں اور اُن میں جو قطرہ پڑتا ہے وہی موتی ہو جاتا ہے.

شیعی علماء کی اکتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابُ یعنی وہ شخص جسے کتاب کا علم ہے شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابو نعیم نے ابن صفیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں تھے کہ اس شخص سے مراد علی بن ابی طالب ہیں پھری شیعی علماء گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے وہ کہتے تھے میں نے پوچھا اُس شخص سے کون مراد ہے جسے کتاب کا علم تھا فرمایا علی بن اَبی طالب ہے اور یہ علی کے افضل ہونے کی دلیل لہذا وہی امام ہوئے.

جواب: اول یہ کہ عبداللہ بن سلام اور ابن حنیفہ اس کا صحیح طور طور پر منقول ہونا ثابت کرنا چاہیے. دوسرے یہ کہ اگر اس کے ثابت ہونے کو مان بھی لیا جائے تو جبکہ جمہور ان دونوں کے مخالفت ہیں لہذا اُنکا حجت نہیں ہوسکتا. تیسرے یہ کہ ہم یہی کہیں گے کہ ان پر یقیناً بہت بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے.

چوتھے یہ یقیناً باطل ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ ، یعنی کہد و کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے اور وہ شخص جسے کتاب (یعنی توریت وانجیل) کا علم ہے اگر اس سے علی مراد ہیں تو اس آیت کا یہ مطلب ہوگا محمد ﷺ اپنے قول پر اپنے چچازاد بھائی سے گواہی دلواتے ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر حضور انور کی نبوت کی علی گواہی دیتے تو حضور کو اُن کی گواہی سے کچھ فائدہ نہ ہوتا نہ اُن کی گواہی لوگوں پر حجت ہوتی نہ اس سے مستدل کی دلیل بنتی نہ اسکی وجہ سے کوئی مطیع ہوتا کیونکہ مخالف کہہ سکتے تھے کہ علی کو اس گواہی کا علم کہاں سے ہوا انہوں نے تو یہ محمد ہی سے حاصل کیا ہے تو کیا محمد ﷺ اپنے لیے خود گواہ بنتے ہیں دوسرے کوئی یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ یہ تو اُن کے چچازاد بھائی ہیں کیا عجب ہے کہ دونوں کی ملی بھگت ہو لہذا ان کی گواہی قابل اعتبار نہیں ہوسکتی اور یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر حضور انور کی اور آپ کے اقوال کے حق ہونے کی ابوبکر وعمر وغیرہ گواہی دیتے تو اُن کی گواہی میں آپ کا بہت بڑا فائدہ تھا کیونکہ اُن لوگوں میں کسی قسم کی تہمت کا شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسرے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ اُنہوں نے اہل کتاب اور کاہنوں سے ایسی باتیں سنیں جو بغیر محمد ﷺ سے معلوم ہوئے اُنہیں یاد ہوگئیں۔ برخلاف علی کے کہ وہ اس زمانہ میں بالکل بچے تھے ان کی نسبت مخالف کہہ سکتے تھے کہ اُنہوں نے جو یہ گواہی دی ہے تو اُنہیں محمد ﷺ ہی سے معلوم ہوا ہے گواہی تو ہمیشہ غیر آدمی کی ہونی چاہیے علی کے مقابلے میں اگر اہل کتاب کتاب اسکی گواہی دیں کہ جو اُنہیں پہلے انبیاء سے بطریق تواتر معلوم ہوا ہے اور جس سے حضور انور کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے تو یہ گواہی بے شک نفع دینے والی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:۱۴۳) خیال کیجئے کہ شیعی علماء اسے حضرت علی کی فضیلت ٹھیرا کے اِسے ذریعہ سے خود ان میں اور اُسمیں جسکی وجہ سے وہ مومنین میں سے ہیں اور جو ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے سب پر اعتراض کرتے ہیں اگر یہ قول ایسے موقع پر بجائے شیعوں کے زندیقوں کے نام نقل کیا جاتا تو بہت ہی مناسب ہوتا۔ پانچویں یہ کہ اللہ تعالےٰ اہل کتاب سے گواہی دلوانے کو بہت سی آیتوں میں ذکر کیا ہے مثلاً وہ فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ. (الاحقاف:۱۰) تو کیا شیعی فاضل کہہ سکتے ہیں کہ علی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ پھر فرماتا ہے۔ وَمَا

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلاَّ رِجَالاً نُوْحِیْ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ۔ تو کیا وہ اہل ذکر جن سے اُن لوگوں کو پوچھنے کا حکم ہے اللہ نے اُن کے پاس ایسے آدمی بھیجے تھے کہ وہ سب علی بن ابوطالب ہوں۔ چھٹے یہ اگر ہم مان بھی لیں کہ گواہی دینے والے علی بن ابوطالب ہیں تو اس سے بھی انکا سب سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اہل کتاب جو گواہی دیتے تھے مثلاً عبداللہ بن سلام۔ سلمان اور کعب الاحبار وغیرہ یہ لوگ سابقین اولین یعنی ابوبکر، عمر عثمان، علی اور جعفر وغیرہ سے افضل نہیں تھے۔

شیعی علماء کی بتیسویں برہان:

(بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ لاَ یُخْزِیْ اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ یعنی جس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا اس پر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بہشتی حلہ سب سے پہلے اللہ کے خلیل ہونے کی وجہ سے ابراہیم کو پہنایا جائے گا ان کے بعد محمد ﷺ کو کیونکہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں پھر علی کو اور علی دونوں کے درمیان خوب خوش ہوتے ہوئے جنتوں میں پھرینگے۔ پھر ابن عباس نے مذکورہ آیت پڑھی اور اور فرمایا کہ اس سے مراد علی اور اُنکے ساتھی ہیں یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سب سے افضل ہیں لہذا وہی امام ہوئے۔

جواب: اسکا جواب بھی چند طرح ہے اول تو اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل بیان کرنی ضروری ہے خاص کر ایسے موقع پر جس میں مدعا کی کوئی اصل ہی نہ ہو۔ دوسرے کل محدثوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضع ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ یقیناً باطل ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ علی ابراہیم اور محمد سے بھی افضل ہوں کیونکہ علی کو درمیان میں رکھا گیا ہے اور ابراہیم ومحمد اِدھر اُدھر کھڑے کئے گئے ہیں حالانکہ اس پر سارے جہاں کا اتفاق ہے کہ ساری مخلوق سے افضل ابراہیم اور محمد ہی ہیں اور جو شخص ان دونوں پر علی کو فضیلت دے ہم اُسے کافر سے بھی زیادہ کافر سمجھتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم اللہ کو حلہ پہنایا جائے گا اِس میں نہ محمد کا ذکر نہ علی کا ابراہیم خلیل اللہ کو پہلے حُلّہ پہنائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضور انور سے ہر طرح افضل ہو جائیں۔ پانچویں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَوْمَ لاَ یُخْزِیْ اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا. وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پھر دوسری آیت ملاحظہ ہو. یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ (الحدید:۱۲)
یہ دونوں آیتیں ان مومنین کے بارے میں عام نص ہیں کہ جو حضرت علی کے ساتھ ہیں سیاق کلام اور تمام آثار مرویہ اس کے عام ہی ہونے پر دلالت کرہیں. ابن عباس کہتے ہیں قیامت کے دن ہر مسلمان کو ایک روشنی عطا ہوگی مگر جس مسلمان میں کچھ نفاق ہوگا اُسکی روشنی بجھ جائے گی. روشنی بجھ جانے سے خالص مومن ڈرے گا اور یہ عرض کریگا. رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَ نَا. یعنی اے پروردگار ہماری روشنی کو کامل کر دے. پس معلوم ہوا کہ اس میں عموم ہونا قطعی اور یقینی ہے اس سے ایک آدمی ہرگز مراد نہیں ہے پھر بھلا یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس سے فقط حضرت علی ہی مراد ہیں. سمجھئے تو سہی کتنے تعجب کی بات ہے کہ جہاں جہاں شیعی علماء نے حضرت علی کی خصوصیت رکھی ہے اگر ان ہی موقعوں پر کوئی ابوبکر و عمر اور عثمان کو کہنے لگے تو ان میں اور اُن میں سوائے دعوے محض. افترا پردرازی، بہتان اور فریب دہی کے کوئی دوسری وجہ فرق نہیں ہے. ہاں یہ بات دوسری ہے کہ جو لوگ ابوبکر و عمر کی خصوصیت کا دعو کریں گے تو اُن کا دعوی شیعی علماء کے دعوے سے پھر بڑھا ہوا ہوگا. اس وقت اس آیت میں حضرت علی کا داخل ہونا مثل خلفائے ثلثہ کے داخل ہونے کے ہے بلکہ وہ اس میں داخل ہونے کے زیادہ حقدار اور لایق ہیں. اس لئے اس سے علی کی نہ فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ امامت.

شیعی علماء کی تینتیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ اُوْلٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ (البینہ:۷) یعنی بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یہی لوگ بہترین خلق ہیں اسپر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں حافظ ابونعیم نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا. قیامت کے دن تم اور تمہارے شیعہ اس طرح آ ؤ گے کہ خدا تم سے راضی ہوگا اور تمہارے مخالف اللہ سے رنجیدہ ہونگے اور اللہ اُن سے ناراض ہوگا. تو جب خیر البریہ یعنی ساری خلقت سے بہتر علی ہوئے تو اب اُن کا امام ہونا ضروری ہے.

جواب: اول یہ روایت بالکل غلط ہے اسکے علاوہ وہ محض ابونعیم کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں

ہو سکتی اس میں مسلمانوں کے کسی فرقے کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ دوسرے یہ روایت اُن موضوعات میں سے ہے جنکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

تیسرے عجیب وغریب بات دیکھنے ہے کہ ادھر تو شیعی علماء مذکورہ آیت سے حضرت علی کی افضلیت اور امامت ثابت کرتے ہیں ادھر خوارج اسی آیت سے حضرت علی کا کفر ثابت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے نواصب فرقے مراد ہیں جیسے خوارج وغیرہ ان کا قول ہے بلکہ ان کا ایمان اور عقیدہ ہے کہ جو شخص علی کی حمایت کرے وہ کافر مرتد ہے اور اس آیت میں ہرگز داخل نہیں ہے۔ اس مطلب کے واضح کرنے کے لئے وہ آگے آنے والی آیت کو بطور دلیل بیان کرتے ہیں۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ وہ کہتے ہیں جس نے دین میں لوگوں پر حکم کیا اُس نے اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کیا لہذا وہ کافر ہے اور جو کافروں کی حمایت کرتے اور ساتھ دیتے ہیں وہ بھی کافر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خوارج کی اس قسم کی دلیلیں باطل قرار دیجائیں تو شیعی علماء کی دلیلیں اس سے بھی زیادہ باطل ہونی چاہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں جنھیں لوگ خارجی کہتے ہیں ان میں بڑے بڑے عالم سمجھدار اور حق کے پیرو ہوتے ہیں وہ اہل دین کو کبھی جھوٹا نہیں کہتے اپنے وعدے کے سچے دل اور زبان کے یکساں جو دل میں ہے وہ زبان پر ہے اُسکے خلاف کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا گیا مگر یہاں بالکل اس کے برعکس ہے اب رہے مروانی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کو شہید کرنے والے وہی لوگ ہیں ان کا علم افضل اور بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں ایک فاضل سے فاضل شیعہ بھی ایک معمولی مروانی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جاحظ نے مروانیوں کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کتاب سے ان کی علمی شان معلوم ہوتی ہے جو دلائل اُنھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیے ہیں یہ بالکل سچ بات ہے کہ شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتے۔ خیر شیعہ تو ایک طرف رہے زیدیہ بھی اُنکا جواب نہیں دے سکتے۔ ان میں بہت بڑے بڑے علماء ہیں۔ ان کے دلائل دیکھ کے انسان چکر میں آجاتا ہے۔ اپنے گھر میں چاہے جو کچھ بیٹھ کے کہہ لینا یہ دوسری بات ہے مگر مقابلے میں آن کے زبان ہلانا کارے دارد۔ چوتھے مذکورہ آیت عام ہے جس شخص میں یہ وصف ہو وہی اس آیت سے مراد ہوسکتا ہے۔ شیعوں کی خصوصیت کس وجہ سے ثابت ہوسکتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ شیعوں کے سوا سب کافر ہیں تو

اِس کا جواب یہ ہے کہ جس دلیل سے اوروں کا کافر ہونا ثابت کرتے ہو وہی دلیل تمہارے دعوے کے لیے کافی ہے. پھر اس آیت کے فرضی معنی یا فرضی مفہوم پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے یہ محض ایک غیر ضروری بحث ہے اور اگر سوائے اس آیت کے اپنے دعوے کے ثبوت میں اور دلیل نہیں رکھتے تو اس آیت سے کس طرح مطلب حل نہیں ہوتا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں.

شیعی علماء کی چونتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا. یعنی وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اُسکے لیے نسب اور سُسرال بنائی. شیعی علماء فرماتے ہیں. تفسیر ثعلبی میں ابن سیرین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی ﷺ اور علی بن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے آنحضرت نے فاطمہ زہرا کا نکاح حضرت علی سے کر دیا تھا اور اس آیت میں یہی مراد ہے چونکہ یہ اور کسی کیلئے ثابت نہیں ہے لہذا علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہونے.

جواب: اول ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں مگر جانتے ہیں کہ کسی طرح بھی اس روایت کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی.

دوئم ابن سیرین پر یقیناً یہ ایک بہت بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے.

سوئم اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کہ یہ ابن سیرین ہی کا قول ہے تو ان کا ایسا قول جس میں سب لوگ اُن کے مخالف ہوں کبھی حجت نہیں ہو سکتا. چوتھے یہ آیت سورۂ فرقان میں ہے یہ سورت مکی ہے اور یہ آیتیں بھی مکی ہیں اور ان کے مکی ہونے پر تمام علماء اور مفسرین کا اتفاق ہے اور یہ آیتیں نکاح سے پہلا نازل ہو چکی تھیں اس لیے حضرت خاتونِ محشر بی بی فاطمہ زہراء اور علی ان سے کسی طرح بھی مراد نہیں ہو سکتے. پانچویں یہ آیت مطلق ہے اِس سے ہر شخص کا نسب اور سسرال امراد ہو سکتی ہے کسی فردِ واحد کی خصوصیت اس میں کسی طرح بھی نہیں ہے. ہاں مثل اوروں کے نہ صرف حضرت علی کی سسرال بلکہ عثمان غنی کی سسرال. ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم کی سُسرال بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے. جس طرح سے چاہو دیکھ لو حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے. چہ جائیکہ اس سے اُنکی افضلیت اور امامت ثابت کیجئے. چھٹے بفرض محال اگر ہم مان بھی لیں کہ اس سے صرف حضرت علی کی سُسرال ہونا مراد ہے تو محض سسرال کا تعلق بہ اتفاق تمام اہل سنت اور شیعی علماء

کے اسکی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضرت علی اوروں سے افضل ہیں کیونکہ سسرال کے تعلق میں جس طرح حضرت علی کی ہیں اسی طرح خلفائے ثلاثہ بھی ہیں باوجودیکہ ان میں بعض بعض سے افضل ہیں پس اگر اس علاقے کے وجہ سے افضل ہونا لازم ہوگا تو قطعی تناقض لازم آئے گا۔

شیعی علماء کی پینتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہم پر اللہ نے ایسے شخصوں کے ساتھ ہونا واجب کیا ہے۔ جن کا سچا ہونا معلوم ہوا اور ایسا شخص سوائے معصوم کے اور نہیں ہوسکتا کیونکہ اوروں میں جھوٹ کو دخل ہے پس وہ معصوم علی ہی ہیں۔ ان کے سوا تین صحابہ معصوم نہیں ہیں۔ ابونعیم کی روایت میں ابن عباس مروی ہے کہ یہ روایت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ فقط۔

جواب: اوّل یہ کہ صدیق اور صادق میں فرق ہے صدیق اس صادق کو کہتے ہیں جس میں صادق کے مرتبے سے زیادہ سچائی ہو ہر صدیق صادق ہوتا ہے مگر ہر صادق صدیق نہیں ہوگا۔ ایسی بہت سی بدیہی دلیلیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابوبکر بے شک صدیق ہیں۔ پس یہ بات ضروری ہوئی کہ اس آیت سے صدیق مراد ہیں اور یہ بھی کہ ان کے ساتھ ہونا ہمارا واجب ہے ممکن نہیں کسی اور صحابی سے بھی مراد ہو مگر ابوبکر کا مراد ہونا سب صحابہ س اولی اور افضل ہے اور جب ہم ان کے ساتھ ہو گئے یعنی ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا تو اب ہمارا یہ اقرار کرنا کہ امام علی ہی ہیں اور ان کے سوا کوئی نہیں ہے بالکل ممتنع ہے دوسرے یہ کہ آیا علی صدیق ہیں یا نہیں اگر صدیق نہیں ہیں تو اُنکے مقابلہ ابوبکر کا صدیق ہونا صاف ظاہر ہے۔ پس صادق الصدیق کے ساتھ ہونا اُس صادق کے ساتھ ہونے سے اولی ہے جو صدیق نہیں ہے اور اگر علی صدیق ہیں اس وقت چاروں صدیق ہوئے۔ لہذا علی کے نہ صدیق ہیں تو عمر اور عثمان بھی صدیق ہیں لہذا علی کے نہ صدیق ہونے میں کوئی خصوصیت رہی اور نہ صادق ہونے میں۔ پس تین خلفاء کو چھوڑ کے ایک کے ساتھ ہونا معین نہ ہوا بلکہ اگر ہم تعارض بھی مان لیں تو بھی ایک سے متین کا ہونا اولے ہے کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ خاص کر اس صورت میں کہ وہ صدق میں بھی کامل ہیں۔ تیسرے یہ آیت کعب بن مالک کے قصے میں نازل ہوئی ہے جب وہ غزوہ تبوک

سے رہے گئے اور جب اسکی تحقیق ہوئی تو اُنہوں نے خود ہی رسول اللہ ﷺ سے سچ سچ کہہ دیا کہ جو جرم مجھ پر لگایا گیا ہے میں نہ کچھ اسکی صفائی کرتا ہوں نہ مجھے کچھ غدر ہے اس راست بازی اور حق گوئی پر اللہ تعالیٰ نے اُن کا تصور معاف کر دیا بعض نے اُنہیں رائے دی تھی کہ یہ جرم سخت ہے ممکن ہے کہ تمہیں کوئی شدید سزا دی جائے لہذا تم کچھ نہ کچھ عذر کر کے اپنی جان بچالینا کعب نے کہا یہ کبھی نہیں ہونے کا کہ حضور انور کی خدمت میں میں حاضر ہوں اور عذر گناہ بدتر از گناہ کا مرتکب بنوں صحاح ستہ، اسانید، کتب تفسیر اور کتب سیر، غرض سب میں ثابت ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے. اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس قصے میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے. کعب بن مالک خود کہا کرتے تھے کہ میرا قصور معاف ہونے کے بعد سب سے پہلے میرے پاس طلحہ یہ خوشخبری لائے اور مارے خوشی کے مجھے لپٹ گئے خدا کی قسم مہاجرین میں سے طلحہ کے سوا میرے پاس کوئی نہیں آیا طلحہ کے اس احسان کو کعب تمام عمر نہیں بھولے جب یہ معاملہ اسطرح روشنی میں آ گیا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا تو پھر اس آیت کا حضرت علی پر حمل کرنا یقیناً باطل ہوگیا. چوتھے یقیناً اور بلاشک یہ آیت کعب ہی کے قصہ میں نازل ہوئی ہے. سوائے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے معصوم کہا جائے نہ علی نہ اور کوئی پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے فقط صادقین کے ساتھ ہونا مراد لیا ہے اُن کے معصوم ہونے کو شرط نہیں ٹھہرایا. پانچویں یہ کہ اللہ تعالے نے مَعَ الصّٰدِقِيْنَ فرمایا ہے اور یہ جمع کا صیغہ ہے علی فرد واحد ہیں لہذا یہ اکیلے اس سے مراد نہیں ہو سکتے. چھٹے یہ کہ آیت مع الصادقین سے یا تو مراد ہے کہ تم صدق میں اُن کے ساتھ رہو یعنی سچ بولو جیسا کہ صادق آدمی سچ بولتے ہیں اور جھوٹوں کے ساتھ نہ ہو یا یہ مراد ہے کہ کل مباحات مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں تم صادقین کے ساتھ رہو اگر چہ سچ بولنے سے اُسے کچھ تعلق نہ ہو مگر یہ آخر الذکر معنی باطل ہیں کیونکہ ان سب مباحات میں صادقین کے ساتھ رہنا انسان پر واجب نہیں ہے. ہاں پہلے معنی یقیناً صحیح ہیں اور جب وہ صحیح ہوئے تو یہ امر کسی معین شخص کے ساتھ ہونے کا نہ ہوا بلکہ اس سے مقصود یہ نکلا کہ تم سچ بولو جھوٹ نہ بولو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **"علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البری الی اخرۃ.** ساتویں یہ کہ اللہ نے ہمیں سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ اُس کے ساتھ ہو جس کا سچا ہونا تمہیں معلوم ہو. آٹھویں اگر ہم مان بھی لیں اس آیت سے وہی

شخص مراد ہے جس کا سچا ہونا ہمیں معلوم ہے تو ہم اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ ابوبکر عثمان وغیرہ اس قسم کے آدمی ہیں کہ اُن کا سچا ہونا کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے اور یہ بھی کہ اُنہوں نے جان کے کبھی جھوٹ نہیں بولا چونکہ ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے. اس لیے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ان سے کوئی خطا ہو جانی یا کوئی گناہ سرزد ہو جانا جائز ہے. اب سنیئے کے حق میں جو ایک جھوٹ بول چکا ہو علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ایسے گواہی کی گواہ قبول نہ کی جائے گی امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور اس بارے میں ایک مرسل حدیث بھی ہے. دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کی گواہی قبول کر لی جائے گی ہم یقیناً جانتے ہیں کہ راشدین صحابہ نے حضورِ انور رسول اللہ ﷺ پر جان کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہم اپنے ایمان سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور ہم نے اِسے اچھی طرح تحقیق کر لیا ہے کہ ہم تمام عمران صحابہ میں سے کسی صحابی نے بھی جان کے جھوٹ نہیں بولا یہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ جھوٹ نہ ہونے کا اہم اسی شخص پر یقین کریں جسکا مطلقاً معصوم ہونا ہمیں معلوم ہو جائے کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور قوموں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ جب تم اُنہیں آزما کے دیکھو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے. ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی قسم کا گناہ اُن سے سرزد ہو جاتا ہو ایسے شخص کو ہم کبھی معصوم نہیں کہہ سکتے ساتھ ہی ہم یہ بھی نہیں تسلیم کرتے کہ جو شخص معصوم نہیں ہے وہ جان کر جھوٹ بول سکتا ہے. یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے. کیونکہ جو شخص جان کے جھوٹ بولتا ہے اُس سے زیادہ ذلیل اور بدتر آدمی کوئی نہیں ہے صحابہ کی شان ایسے شخص سے بہت ارفع واعلیٰ ہے نہ صرف مُسلمانوں نے بلکہ غیر قوموں نے یہاں تک کہ اُنکے دشمنوں نے بھی اُن کی صداقت کی شہادت دی ہے. موجودہ زمانہ کا کوئی یورپی مورخ و محقق ایسا نہیں ہے جس نے صحابہ میں سے کسی صحابی کو بھی جھوٹا کہا ہو صحابہ تو صحابہ علماء دین میں سے امام مالک. شعبہ یحییٰ بن سعدی، ثوری، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ ایسے لوگ ہیں کہ اُنہوں نے اپنی عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا. تو یں اگر بفرض محال بھی لیں کہ اس آیت سے معصوم ہی مراد ہے تو ہم اس پر اجماع ہونے کو تسلیم نہیں کرتے کہ علی کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اپنے پیروں اور مرشدوں کے بارے میں اسی معنی کا دعوے کرتے ہیں اگر چہ اُنہوں نے اس عبارت اور لفظوں کو بدل دیا ساتھ ہی ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ علی میں فقط عصمت ہے اور ان میں نہیں ہے اگر علی میں عصمت ہے تو یقیناً اُ میں

بھی ہے اور اگر نہیں ہے تو کسی میں بھی نہیں ہے. کسی کو معصوم قرار دے دینا یہ یہ بالکل ایک ڈھکو سلا سا ہے ہم تو سوائے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کسی کو معصوم نہیں مانتے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ تمام دنیا مل کے بھی سوائے حضور انور کے کسی کو بھی معصوم ثابت نہیں کر سکتی.

شیعی علماء کی چھتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ. یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم (بھی) رکوع کیا کرو (شیعی علماء فرماتے ہیں) ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت خاص رسول اللہ ﷺ علی کے حق میں نازل ہوئی تھی سب سے پہلے ان ہی دونوں نے نماز پڑھی تھی چونکہ یہ علی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے لہذا انکی امامت کی دلیل ہوگئی.

جواب: اوّل ہم اس روایت کی صحت تسلیم نہیں کرتے نہ شیعی علماء نے کہیں کسی جگہ اسکے صحیح ہونے کی کوئی دلیل بیان کی ہے. دوسرے اس پر تمام علماء محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے. تیسرے یہ آیت سورۂ بقر میں ہے اور یہ سورہ باتفاق تمام مسلمانوں کے مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس وقت نماز پڑھنے والے اور رکوع کرنے والے بہت ہوگئے تھے اگر یہ آیت شروع اسلام میں نازل ہوتی تو اُس وقت شاید کوئی یہ کہہ سکتا کہ یہ اُسی کے ساتھ مختص ہے جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور رکوع کیا. چوتھے مع الراکعین جمع کا صیغہ ہے. اگر اس سے حضور انور رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی مراد ہوتے تو جمع کی جگہ تثنیہ کا صیغہ لایا جاتا. جمع کے صیغہ سے باتفاق سب لوگوں کے فقط دو آدمی مراد نہیں ہوتے بلکہ تین اور تین سے بھی زیادہ مراد ہوتے ہیں. لہٰذا جمع کے صیغہ سے فقط دو آدمی مراد لینا اجماع کے بالکل خلاف ہے۔ پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مریم سے فرمایا تھا. يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران: ۴۳) مریم اسلام کے ظہور سے پہلے تھیں پس اُس وقت رکوع کرنے والوں میں حضرت علی کیونکر ہو سکتے ہیں. اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ رکوع کرنے والوں میں صرف حضرت علی کی خصوصیت کوئی کسی لغو اور دور از کار بات ہے. چھٹے یہ آیت مطلق ہے اس میں کسی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرے بعض کا قول یہ ہے کہ اس سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مراد ہے کیونکہ جب تک آدمی رکوع میں نہ مل جائے اُسے رکعت نہیں ملتی. ساتویں. اگر

اِس آیت میں حضور انور اور حضرت علی ہی کے ساتھ رکوع کرنا مراد ہے تو ان دونوں کی وفات سے رکوع کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم یقیناً ساقط ہوگیا پس اب رکوع کرنے والوں کے ساتھ کسی کو رکوع کرنا اور نماز پڑھنا ہی لا حاصل ہے اور یہ بالاتفاق باطل ہے. آٹھویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے نبی ﷺ کے ساتھ حضرت علی ہی نے سجدہ کیا بالکل غلط اور محض لغو ہے یہ بایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کیساتھ سب سے پہلے ابوبکر صدیق نے نماز پڑھی ہے. نویں اگر حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا یہ حکم ہے تو پھر بھی یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہو وہی امام ہو جائے. کیونکہ حضرت علیؓ حضور انور ﷺ کی موجودگی میں امام نہیں تھے باوجود یہ کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے.

شیعی علماء کی سینتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ (طٰہٰ) یعنی میرا ایک وزیر میرے گھر والوں میں سے کردے.

ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم مکہ میں تھے کہ نبی ﷺ نے میرا اور علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں چار رکعت پڑھائیں اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے یہ دعا کی الٰہی موسیٰ ابن عمران نے تجھ سے یہ دعا کی تھی اور میں بحیثیت تیرے نبی ہونے کے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ موسیٰ کی طرح میرا بھی شرح صدر کردے اور میری زبان کی لکنت دور کردے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی علی ابن ابوطالب کو میرا وزیر کردے اور اُسے میرا قوت بازو بنادے اور میرے کام میں اُسے شریک کردے. ابن عباس کہتے ہیں میں نے ایک منادی سے سنا وہ پکار پکار کے یہ کہہ رہا تھا کہ اے محمد ﷺ تمہاری دعا قبول ہوگئی اور یہ اس بارے میں نص ہے.

جواب: اوّل اس روایت کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ تمام ہندوستان کے شیعی علماء اس راویت کی صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے. دوسرے باتفاق محدثین کے یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے بلکہ محدثین اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر صریح بہتان ہے. تیسرے ابن عباس اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ہجرت کے وقت ابن عباس کی عمر صرف پانچ برس کی تھی اور آپ کی وفات پر ابن عباس بالغ بھی نہیں ہوئے تھے پھر خیال کرنے کی

جگہ ہے کہ نہ صرف حضورانور پر بلکہ خود ابن عباس پر کتنا بڑا طوفان اُٹھایا گیا ہے ہم شیعی عہلماء کی اس غیر معمولی واقفیت اور علمیت کے قائل ہیں یہ اُن کی جرات ہے کہ جس خانے میں ایک بال کا بھی گزر مشکل سے ہو وہاں یہ اپنی زبان جمع خرچ سے کئی سواونٹوں کی قطار نکالنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں بھلا خیال تو کیجئے کہ چند مہینے یا دو تین برس کا بچہ نہ جسے بات کرنیکی تمیز ہو وہ وضو کرنا جانے نہ نماز پڑھنے کے قابل ہو اُسکی نسبت کس بے باکی اور دلیری سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے حضورانور کے ساتھ نماز پڑھی اور کسی آواز دینے والے کی آسمانی آواز بھی اُسکے کان میں آ گئی اور وہ آواز نہ حضورانور نے سنی نہ حضرت علی نے بلکہ اس چند ماہ کے بچے نے سُن لی اور بڑی عمر میں جا کے اُس نے اس بات کی شہادت بھی دے دی. حضرت علی اور اُنکے چچا حضرت عباس میں معمولی معمولی باتوں میں جھگڑے ہوا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ دونوں جھگڑا کرتے ہوئے حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس آئے اور دونوں کی خوب تیز م تازہ ہونے لگی جسکے متعلق بخاری نے لفظ سب یعنی وشنام تحریر کیا ہے اس وقت یہ ابن عباس کہاں تھے کہ اُنہوں نے اپنے باوا کہ یہ نہ سمجھایا کہ علیؓ کی وزارت کے بارے میں حضورانور نے دعا مانگی تھی اور میں آسمانی آواز سُن چکا ہوں کہ وہ دعا قبول ہوگئی پھر تم ایسے شخص سے کیوں جھگڑتے ہو. جو شریعت حضورانور ﷺ نے دنیا میں قائم کی اُسکی بنا یقیناً عقل پر رکھی گئی ہے ایسی چھوٹی عمر کے بچوں کو شریعت اسلام نے مطلق وضو اور نماز کی تکلیف نہیں دی ہے. جیسا کہ خود حضورانور ﷺ نے ارشاد کیا ہے ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں. **مروهم بالصلوة بسبع واضربوهم عليها لعشرو فرقوا بينهم في المضاجع** یعنی بچوں سے سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کو کہا کرو اور دس برس کی عمر میں اُنہیں مار کے نماز پڑھوایا کرو اور اس عمر میں اُنہیں علیحدہ سلانے لگا کرو ادھر تو حضورانور ﷺ کا یہ قول اور اُدھر آپ برس چھ مہنے کے بچے کو بشرطیکہ اُس وقت ابن عباس پیدا ہوئے ہوں نماز پڑھانے اُنگلی پکڑ کے لے گئے کتنا خلاف قیاس اور بیہودہ امر ہے.

چوتھے یہ کہ آیت **اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** کے بارے میں شیعی علماء پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ یہ دعا حضورانور نے مدینہ منورہ میں کی تھی اور یہاں یہ کہدیا کہ یہ دعا مدینہ کے واقعہ سے کئی سال پہلے مکے میں کی تھی کیونکہ یہ آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور سورۂ مائدہ سارے کلام الٰہی کے بعد نازل ہوئی ہے پس اگر یہ دعا آپ مکے میں کر چکے تھے اور وہ قبول بھی ہوگئی تھی تو اس سے کئی سال بعد

مدینہ منورہ میں آپکو اس دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی بچ ہے۔

دروغ گورا حافظہ بناشد

پانچویں یہ کہ اِسکے بطلان کی ہم پہلے کئی دلیلیں اوپر بیان کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ اس کلام کا حضور انور رسول اللہ ﷺ پر بہت سی دلیلوں سے بہتان اور جھوٹ ہونا ثابت ہو چکا ہے لیکن یہاں شیعی علماء کی جدت پسندی نے اور کئی باتوں کی زیادتی کر دی ہے جو پہلے نہیں تھیں منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ اُنکے خیال میں حضور انور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علی کو میرے کام میں میرا شریک کر دے یعنی اُس سے صاف طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ شیعی علماء حضرت علی کو حضور انور کے کام یعنی نبوت میں شریک کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ ہارون موسیٰ کے شریک تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کا عقیدہ امامیہ کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا پھر شیعی علماء نے کس طرح اُسے اپنا عقیدہ بنالیا یہ تو غالیہ فرقے کے لوگوں کا قول ہے مگر برخلاف اِسکے شیعی علماء نے اُسے نص قرار دیا ہے۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نہ اُنہیں غالیہ بنتے دیر لگی ہے اور نہ کچھ اور بنتے جو جی میں آیا کہہ گئے جو چاہا لکھ دیا۔

شیعی علماء کی اڑتیسویں برہان

:(بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِخْوَاناً عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ،یعنی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بھائیوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہونگے۔ اس پر شیعی گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ مسند امام میں سند کیساتھ زید بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آپکی مسجد میں گیا۔ زید نے آنحضرت کے بھائی چارہ کرانے کا قصہ بیان کیا اور کہا، علی نے رسول اللہ سے یہ عرض کیا جس وقت یا رسول اللہ ﷺ آپ نے صحابہ پر یہ احسان کیا تو مارے رنج کے میں دوہرا ہو گیا اور میری جان نکل گئی اور میری کمر ٹوٹ گئی کہ اس سے صرف میں ہی کیوں محروم کر دیا گیا۔ اب اگر یہ بات اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے تو عتبی اور کرامت آپ کے لئے ہے اور میں کسی قابل بھی نہیں رہا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کے بھیجا کہ تمہیں تو میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے پس تم میرے حق میں ایسے ہو جیسا کہ موسیٰ کے حق میں ہارون تھے ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا

اورتم میرے بھائی میرے وارث ہوتم میرے بھائی اور میرے رفیق ہو اور پھر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ آیۃ پڑھی۔ فقط اسکے بعد شیعی علماء یوں موتی پروتے ہیں کہ بھائی چارہ مناسبت اور مشاکلت کو چاہتا ہے۔ پس جب رسول اللہ کے بھائی چارہ میں علی مخصوص ہو گئے تو وہی امام ہوئے۔

جواب: کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا جواب کیا دیا جائے۔ عجب قسم کی روایت ہے جو خود اپنے کذب کی شہادت دے رہی ہے۔ واللہ باللہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر سخت حملہ کیا گیا ہے اور بہتان عظیم باندھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسند امام احمد میں جسکے سر یہ روایت منڈھی گئی ہے۔ کہیں پتہ بھی نہیں مثل گزشتہ مذکورہ روایتوں کے یہ روایت بھی قطیعی کی زیادات میں سے ہے جتنی روایتیں اس نیک نہاد قطیعی نے لکھی ہیں ان کے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر اور تماشہ دیکھئے کہ اس جھوٹی روایت کو بھی شیعی علماء نے پورا نقل نہیں کیا اور اس کا ایک ٹکڑا عمداً قلم اندام کر دیا۔ مثلاً اس قول کے بعد کہ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو یہ بھی ہے کہ علی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی کسی چیز کا وارث ہوں گا آپ نے فرمایا جس چیز کے مجھ سے پہلے انبیاء کے وارث ہوئے ہیں پوچھا وہ کس چیز کے وارث ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت کے۔ اب یہ کتر بیونت سمجھ لیجئے کہ کیوں کی گئی اور بیچاری جھوٹی روایت کو بھی پوری نقل کر دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ مذہب ہے اور اسکی بنا ہے۔

دوسرے یہ کہ جتنی حدیثیں مہاجرین میں بھائی چارہ ہونے یا انصار میں بھائی چارہ ہونے کی آئی ہیں وہ سب غلط اور بالکل جھوٹ ہیں۔ مہاجرین سے کبھی بھائی چارہ نہیں کرایا گیا اور نہ انصار کا انصار سے۔ اسی طرح حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کبھی علیؓ سے بھائی چارہ نہیں کیا اور نہ ابوبکرؓ و عمرؓ میں بھائی چارہ کرایا گیا۔ ہاں مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا گیا تھا جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع میں تھا۔ یا سلمان فارسی اور ابوداؤد میں تھا یا علی یا سہل بن حنیف میں تھا اور یہ بھائی چارہ بنی النجار کے محلہ میں ہوا تھا نہ کہ مسجد نبوی میں جیسا کہ اس موضوع حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس روایت میں بقول شیعی علماء رسول اللہ کا علی سے یہ فرمانا کہ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو اہل سنت اور اہل شیعہ دونوں کے نزدیک باطل اور بے معنی ہے کیونکہ اگر اس سے مال کی میراث مراد ہے تو پھر شیعی علماء کا یہ قول غلط ہو گیا کہ رسول اللہ کی فاطمہ زہراؓ وارث تھیں۔ اسکے علاوہ وہ چچا کا بیٹا چچا

یعنی عباس کے ہوتے ہوئے کیونکر وارث ہوسکتا ہے. ساتھ ہی یہ کہ چچا کے اور بیٹوں کو چھوڑ کے جو سب کے سب ایک ہی درجہ کے ہیں فقط ایک کے مخصوص ہونے کی کیا وجہ ہے. اور اگر اس میراث سے علم اور ولایت کی میراث مراد ہے. تو پھر۔"وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور فَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا. يَرِثُنِي" شیعی علماء کا حجت کرنا طل ہوگیا کیونکہ جب وراثت کے لفظ میں ان دونوں معنی کا احتمال ہے کہ خواہ مال کا وارث ہو یا علم اور ولایت کا تو ہوسکتا ہے کہ سلیمان بھی داؤد کے ایسے ہی وارث ہوئے ہوں جیسے علی محمد رسول اللہ ﷺ کے وارث ہوئے۔ تھے. اب رہے ہم مسلمان تو ہم یقیناً اس امر کو جانتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی میراث علی کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ اس میں سے آپ کے ہر صحابی کو اس کے موافق حصہ ملا ہے. علم مثل مال کے نہیں ہے کہ اس کا ایک وارث ہونے کے بعد جب تک وہ موجود ہو یا خود کسی کو اپنا وارث قرار دے دوسرا ہو ہی نہ سکے اس کے مقابلہ میں ایک ہی وقت میں ایک ہی علم کے کئی کئی وارث ہوسکتے ہیں اور وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے مزاحم نہیں ہوتے کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ جس چیم کو ایک جانتا ہو اُسی کو دوسرا بھی جانے.

پانچویں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے علی کے سوا اوروں کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے آپ نے زید سے فرمایا تھا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولی ہو اور جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کی صاحبزادی سے پیغام بھیجا تو ابوبکر نے حضور انور سے کہا کہ کیا آپ میرے بھائی نہیں ہیں. حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی بے شک ہوں لیکن تمہاری لڑکی میرے لیے حلال ہے. صحیح میں دوسری جگہ آیا ہے کہ آپ نے ابوبکرؓ کی نسبت فرمایا تھا. وَلٰكِنْ اخوۃ الاسلام اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں خود فرماتا ہے۔اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ، اسی طرح حضور انور نے بھی ارشاد کیا ہے المسلم اخوۃ لا یظلمہٗ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے. پھر فرمایا. والذی نفسی بیدہ لایؤمن احدکم حتی یحب لا خیہ من الخیر وایحب لنفسہ یعنی قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے ویسے ہی بھلائی نہ پسند کرے جیسی کہ اپنے لیے پسند کرتا ہے. ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں صحاح میں موجود ہیں. جب یہ بات ہے تو معلوم ہوا کہ بھائی چارہ میں ہر طرح سے تماثل. مناسبت اور مشاکلت ہونی ضروری

نہیں. جب یہ ثابت ہو گیا تو اب حضرت علیؓ سے بھائی چارہ ہونا صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بات آپ کی امامت اور افضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی. صحاح میں حضور انور ﷺ سے مختلف طریقوں سے ثابت ہے. آپ نے فرمایا کہ اگر میں روئے زمین کے لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو ضرور خلیل بناتا. اِس حدیث سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ ابوبکر کی وہ خصوصیتیں ہیں جن میں کوئی ان کا کوئی شریک اور برابر نہیں اور ساتھ ہی یہ پایا جاتا ہے کہ روئے زمین کے سب لوگوں سے زیادہ حضور انور ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ سے محبت تھی آپ کے نزدیک اُن سے بڑھ کے کسی کا مرتبہ نہ تھا نہ اُن سے زیادہ حضور انور ﷺ کو کسی سے خصوصیت تھی. ان حدیثوں کے صحیح ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے انہیں سب نے تسلیم کر لیا اور کسی نے بھی ان میں قدح نہیں کی. اس سے کبھی بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ابوبکر سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی محبت تھی اور اتنی کیا بلکہ اس کا سواں حصہ بھی علی سے نہیں تھی. نہ صرف علی سے بلکہ اوروں سے بھی ابوبکر کا مرتبہ حضور انور کی نظر میں بہت بڑھا ہوا تھا. اسی (۸۰) آدمیوں سے زیادہ نے خود حضرت علی سے روایت کی ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ خیر هذه الامة بعد نبيها ابوبكر ثم عمر یعنی اس اُمت میں نبی کے بعد سب سے بہتر اور افضل ابوبکر ہیں اور اُن کے بعد عمر ہیں. یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت علی سے نقل کی ہے اور یہ بھی بات یوں ہی ایسا ہی سمجھنا حضرت علیؓ کو شایاں بھی تھا کیونکہ وہ ابوبکر و عمر کے حق میں سب صحابہ سے زیادہ واقفت تھے اور اسلام میں ان کا اعلیٰ مرتبہ ہونے اور دین میں اُن کی تاثیر ہونے کو خوب جانتے تھے یہاں تک کہ وہ اس امر کی تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش میں بھی عمر جیسے عمل لے کے بارگاہ صمدی میں حاضر ہوں ترمذی وغیرہ نے حضرت علیؓ کی زبانی حضور انور رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے. آپ نے فرمایا هذان سيد اهل الجنة من الاولين والاخرين لا تبخرهما يا على اس حدیث اور اس جیسی حدیثوں سے بھائی چارہ ہونے کی حدیثوں کا مقابلہ کیا جائے تو باتفاق سب مسلمانوں کے یہی زیادہ صحیح ہیں. اس اُمت کے تمام علماء اور تمام نیک بندے جو لسان الصدق رکھتے ہیں وہ سب کے سب ابوبکر و عمرؓ کے مقدم ہونے پر متفق ہیں جیسا کہ امام شافعی نے اُسکی بابت امام بیہقی سے باسناد نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر کو تمام صحابہ سے افضل اور مقدم سمجھنے میں صحابہؓ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا. اسی طرح علمائے اسلام میں سے بھی اس معاملہ میں کوئی

اختلافی رائے نہیں رکھتا۔ چنانچہ امام مالک اور اُن کے تمام شاگرد امام ابوحنیفہ اور اُنکے تمام شاگرد، امام احمد اور اُنکے تمام شاگرد، داؤد اور اُنکے تمام شاگرد، ثوری اور اُنکے تمام شاگرد، داؤد اور اُنکے تمام شاگرد ثوری اور اُنکے تمام شاگرد لیث اور اُنکے تمام شاگرد اوزاعی۔ اسحٰق اور اُنکے تمام شاگر، ابن جریر اور اُن کے تمام شاگرد، ابوثور اور اُنکے تمام شاگردوں کی یہی قول ہے اور یہی تمام مشہور علماء کا قول ہے سوائے ایک ایسے شخص کے جسکے قول پر نہ کوئی اعتماد کرتا ہے نہ اسکی طرف کوئی التفات کرتا ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے اہل فتاویٰ میں بھی کوئی نزاع نہیں ہے سوائے حسن بن صالح بن حسین کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کو فضیلت دیا کرتا تھا مگر بعض علماء کا قول ہے کہ حسن پر بہتان اُٹھایا گیا ہے اُس نے کبھی حضرت علی کو فضیلت نہیں دی اس پر بھی اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حسن کا یہی مذہب تھا تو امام شافعی نے جو اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے اس میں اِس سے کوئی خرابی نہیں آ سکتی کیونکہ حسن بن صالح نہ صحابہ میں سے ہے نہ تابعین میں سے مگر امام شافعی نے ابوبکر کے مقدم اور افضل ہونے پر تمام تابعین اور صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اس اجماع کے مقابلہ میں حسن کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ اماموں میں سے فقط ایک شخص کوئی غلطی کر بیٹھے تو اس اکیلے کی جم غفیر کے آگے کیا ہستی ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور علماء اسلام کا اسپر اتفاق ہے ہو چکا ہے کہ ابوبکر عمرؓ اور عثمان علی سے افضل ہیں۔ علماء مدینہ میں سے امام مالک بن انس، ابن ابی ذئب، عبدالعزیز ماجشون وغیرہ۔ امام مالک نے اپنے جمع استاذہ سے یہ اجماع کیا ہے کہ وہ ابوبکر وعمر کو مقدم سمجھتے ہیں اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اسی طرح علماء مکہ میں سے ابن جریح، ابن عینیہ، سعد بن سالم اور مسلم بن خالد وغیرہ، فقہاء کوجہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام ثوری، شریک بن عبداللہ، ابن ابی لیلی وغیرہ حالانکہ کوفہ دار الشیعہ ہے۔ لیکن امام ثوری یہاں تک کہتے تھے کہ اگر کسی نے علی کو ابوبکرؓ مقدم سمجھا تو مجھے ہرگز امید نہیں کہ اسکا کوئی عمل بھی اللہ جل شانہ تک پہنچے گا بلکہ اس کے سب عمل ضائع ہوجائیں گے یہ روایت ابوداؤد نے اپنی سنن میں نقل کی ہے اسی طرح علماء بصرہ میں سے حماد بن زید، حماد بن سلمہ، عمرو بن جارث ابن وہب پھر عبداللہ بن مبارک، وکیع ابن جراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابویوسف، امام محمد بن حسن، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم، ابوعبیدہ، بخاری ابوداؤد، ابراہیم حربی، فضیل بن عیاض ابوسلیمان درانی معروف کرخی، سری سقطی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری، وغیرہ وغیرہ

اتنے ائمہ اور فقہا ابوبکر کی افضلیت پر متفق ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے۔ جس طرح یہ ابوبکر و عمر کو مقدم سمجھتے ہیں اسی طرح ان کی امامت پر اُنہیں یقین ہے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ سب کے سب حضور انور رسول اللہ ﷺ کی متابعت اور موالاۃ میں اعلیٰ درجہ کے مجتہد ہیں۔

شیعی علماء کی اٹتالیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْ نَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِیْنَ (اعراف:۱۷۲) یعنی اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم (یعنی) اُنکی پشتیوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُنہیں اُن کی جانوں پر گواہ بنایا (اور اُن سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں بولے کہ ہاں ہم (اس پر) گواہ ہیں یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہو کہ بیشک ہم اس سے غافل تھے۔ (شیعی علماء فرماتے ہیں) ابن شبرویہ نے اپنی کتاب الفردوس میں خذیفہ بن یمان سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ علیؓ کا نام امیر المومنین کب رکھا گیا ہے تو وہ علیؓ کی فضیلت کا انکار نہیں کریں ان کا نام امیر المومنین اُس وقت رکھا گیا تھا جب آدم روح اور رحم کے درمیان تھے۔ جب مذکورہ آیت پڑھی گئی تو فرشتے بولے ہاں ہم بھی گواہ ہیں اللہ پاک نے فرمایا یاد رکھو میں تمہارا پروردگار ہوں اور محمد ﷺ تمہارے نبی ہیں اور علی تمہارے امیر ہیں اور یہ اس بارے میں صریح ہے۔

جواب: اول یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اس پر سب محدثین کا اجماع ہے کہ فقط صاحب فردوس کا روایت کرنا اس امر کی کبھی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ بن شبرویہ دیلمی ہمدانی نے اس کتاب میں بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض صحیح ہیں اور اکثر ضعیف و موضوع ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ابن شبرویہ اہل علم اور دین دار تھا مگر اُسے جو روایتیں مختلف کتاب میں ملیں انہیں بے کم و کاست بغیر تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ اب رہا کتابوں کا معاملہ ان میں سے سچ جھوٹ دونوں ہی باتیں ہوتی ہیں۔ دوسرے باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے۔

تیسرے یہ کہ قرآن مجید میں فقط اتنا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی اس میں نہ نبی کا ذکر ہے نہ امیر کا ذکر ہے۔ پھر آگے یہ فرمایا گیا ہے اَنْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَکَ آبَاؤُ نَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّةً یہ اس امر کی

صاف دلیل ہے کہ وہ عہد و پیان خاص توحید ہی کا تھا اس میں نبوت کا بھی عہد نہیں تھا تو بھلا اس سے بھی کم درجہ کا کیونکر ہوتا. چوتھے اس روایت کا پتہ نہ مسند سنن میں ہے نہ کتب تفسیر میں کہیں ملتا ہے اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ضرور کوئی نہ کوئی اُسے نقل کرتا صرف ایک ہی شخص پر اس کا انحصار نہ ہوتا. پانچویں یہ کہ وہ عہد تو تمام اولاد آدم سے لیا گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ نوح علیہ السلام سے لیے محمد رسول اللہ ﷺ تک سارے انبیاء کے علی امیر المومنین ہوں مگر اس خیال اور عقیدہ کا شخص ہوش مندوں میں نہیں گنا جا سکتا. حضرت علی کے پیدا ہونے سے پہلے کل انبیاء (سوائے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے) گزر چکے تھے. پھر علی اُن پر امیر کس طرح بن سکتے ہیں. ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ علی اپنے زمانہ کے لوگوں پر امیر ہوں مگر پھر بھی حضور انور پر ان کا امیر بننا شاید کوئی شیعہ صاحب قبول نہ فرمائیں گے. پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خلاف عقل کیوں ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں جن پر بچہ بھی ہنس دے.

شیعی علماء کی چالیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰہَ هُوَ مَوْلٰهُ. وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ یعنی بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں۔ شیعی علماء فرماتے ہیں، سب مفسرین کا اس پر اجماع ہے نیک مسلمانوں سے مراد علی ہیں۔ ابونعیم نے اسماء بنت عمیس سے مرفوعاً روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے یہ آیت پڑھی وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ. وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (التحریم:۴) اس میں علی کی خصوصیات اُن کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہٰذا وہی امام ہوئے اور اس بارے میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں مگر ہم نے اختصار مدنظر رکھ کے ان ہی مذکورہ آیتوں پر اکتفار کرلیا ہے. فقط

جواب: اوّل شیعی علماء کا یہ کہنا سب مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ نیک مسلمانوں سے مراد علی ہیں محض غلط ہے. کیونکہ مفسرین کا کبھی اس پر اجماع نہیں ہوا اور نہ علماء تفسیر اور علماء حدیث وغیرہ میں سے کسی نے بھی اس اجماع کو نقل کیا. کیا موجودہ شیعی علماء فرمائیں گے کہ اس اجماع کا ناقل کون ہے، ہم اُسکی خوب تحقیق اور تشریح چاہتے ہیں. دوسرے، تفسیر کی تمام کتابیں اس روایت کی نقیض سے بھری ہوئی ہیں اور سب نے اس کے خلاف ہی شہادت دی ہے. سنیئے ابن مسعود، عکرمہ مجاہد اور ضحاک وغیرہ کا

یہ قول ہے کہ اس سے مراد ابوبکر اور عمر ہیں. اسی قول کو مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے. جیسے ابن جریر طبری وغیرہ. بعض کا یہ قول ہے کہ فقط ابوبکر مراد ہے. اِسے مکحول نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے بعض کہتے ہیں فقط عمر مراد ہیں. یہ قول سعید بن جبیر اور مجاہد کا ہے. بعض کہتے ہیں خیار المومنین یعنی نیک مسلمان مراد ہیں یہ قول ربیع بن انس کا ہے بعض کہتے ہیں انبیاء مراد ہیں یہ قول قتادہ، علاء ابن زیاد اور سفیان کا ہے. بعض کہتے ہیں علی مراد ہیں اس قول کو ماوردی نے نقل کیا ہے مگر اس کے قائل کے نام کا مطلق ذکر نہیں کیا. شاید شیعی اصحاب میں سے کوئی صاحب ہوں. تیسرے علیؓ کی خصوصیت کسی ایسے شخص کے قول سے ثابت ہوئی جس کا قول حجت ہوتا ہو اور یہ حدیث کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہاں یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ فقط ابونعیم کا نقل کرنا صحت کی دلیل نہیں ہوسکتا. چوتھے صالح المومنین سے صاف پایا جاتا ہے کہ نیک مسلمان اس سے مراد ہیں جیسا کہ صحیح میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے. ان آل ابی فلان لیسوالی باولیاء انما ولی اللّٰہ وصالح المومنین. یعنی میرے دوست اور مددگار فلاں کے گھر والے ہی نہیں ہیں بلکہ میرا مددگار تو اللہ اور نیک مسلمان ہیں. فقط

(شیعی علماء فرماتے ہیں) جب یہ آیۃ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَ قْرَبِیْنَ (یعنی اے محمد ﷺ تم اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی. تو رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کے گھر میں عبدالمطلب کی ساری اولاد کو جمع کیا جن میں چالیس مرد اور دو عورتیں تھیں. رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں کھانا کھلایا. کھانا صرف یہ تھا ایک بکری کا گوشت گیہوں کی کچھ روٹیاں ایک صاع دودھ کا بس کھانا تو فقط اتنا ہی تھا مگر ان لوگوں میں ایک ایک آدمی وہ پرخوراک تھا. جو ایک ہی نشست میں سالم بکرا کھا جاتا اور ایک ایک مشک پانی کی پی جاتا. (جھوٹ آدمی بولے تو اتنا تو بولے) مگر رسول اللہ ﷺ کا وہ تھوڑا سا کھانا سب کفایت کر گیا اور سب نے سیر ہو کے کھایا. کھانے میں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اُنہوں نے کیا کھایا ہے یعنی کھانا جس قدر تھا اُسی قدر موجود تھا اور اصل کھانے میں سے ایک ماشہ برابر بھی کم نہیں ہوا تھا. یہ دیکھ کے سب آدمی حیران رہ گئے اور اُنہیں معلوم ہو گیا کہ محمدی اپنی نبوت میں بالکل سچے ہیں. کھانا کھا پی لینے کے بعد رسول اللہ نے فرمایا اے عبدالمطلب کو اولاد بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اے محمد تم اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کو ڈرائیں اس لیے میں تمہیں ایسے دو کلموں

کی ہدایت کرتا ہوں جو زبان سے کہنے میں تو بہت آسان ہیں اور ثواب کی رو سے میزان عمل میں بہت وزنی ہیں. ان دو کلموں کی برکت سے تم سارے عجم و عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور ساری خلقت تمہاری تابع فرمان بن جائیگی. اُن ہی کی برکت سے تم جنت میں چلے جاؤ گے اور دوزخ سے بچ جاؤ گے. وہ دو کلمے یہ ہیں اور اس امر کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا سچا رسول ہوں پس جو شخص میرے اس کہنے کو تسلیم کرلے گا اور دل و جان سے مان لیگا اور اس پر قائم رہے گا اور مجھ سے عہد کرلے گا وہی میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی میرا وارث اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے (یہ کہہ کے آپ خاموش ہو رہے اور جواب کے منتظر ہوئے) مگر کسی نے بھی اسکا جواب نہ دیا لیکن امیر المومنین علیؓ نے فرمایا رسول اللہ اِس کا میں آپ سے عہد کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ دوبارہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالمطلب کی اولاد سے پھر اسی طرح فرمایا اور اُنہوں نے پھر خاموشی سے جواب دیا مگر اسی طرح علیؓ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے اپنے پہلے جملے دوہرائے. تیسری بار بھی حضور نبوی سے وہی ارشاد ہوا اور اس کے جواب میں بھی سکوت سے کام لیا گیا ہاں حضرت علیؓ اپنی اُسی آمادگی سے حامی بھرتے اور تصدیق کرتے رہے. تیسری بار حضور انور ﷺ نے علیؓ سے کہا بس بیٹھ جاؤ تم ہی میرے بھائی ہو تم ہی میرے وزیر ہو تم ہی میرے وصی ہو تم ہی میرے وارث اور تم ہی میرے بعد میرے خلیفہ ہو. اس وقت حاضرین نے ابو طالب کو بہت مبارکباد دی فقط. (شیعی علماء کا قول ختم ہو گیا).

جواب: اس روایت کے متعلق شیعی علماء کا یہ دعویٰ کہ اُسے سب نے نقل کیا ہے ایک مضحکہ خیز کہانی ہے اوّل تو یہ کہ اسکی صحت کہیں سے ثابت نہیں ہوتی بہتر اٹٹولا ہمیں تو کہیں اسکی صحت کا ضعیف سے ضعیف ثبوت بھی نہیں ملا. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ یہ روایت مسلمانوں کی ان کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جن سے علم نقل حاصل کیا جاتا ہے نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ مغازی میں نہ ایسی تفسیر میں جسکی اسناد قابل حجت ہوں. یہ بات دوسری ہے کہ کسی ایسی تفسیر میں سے نکال کے دکھا دی جائے جس نے اندھا دھند الکل بچوں صحیح ضعیف مردود موضوع روایتیں جمع کر دی ہوں. اور تحقیق و تنقید سے کچھ تعلق نہ رکھا ہو ایسی تفسیروں کی سرتاج ثعلبی، واحد اور بغوی کی تفسیریں بلکہ ایسی بے سروپا تفسیروں میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی تفسیریں بھی شامل کرنی چاہیں. ایسے شاندار مفسروں میں

سے اگر کسی فرد واحد نے کوئی بے جوڑ الکل پچو روایت اپنی تفسیر میں نقل کردی تو کیا اُنکی یہ فرضی نقل علماء کے آگے کوئی حجت ہوسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں. جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان منقولات میں صحیح ضعیف دونوں قسم کی روایتیں ہیں تو پھر اس کا ثبوت دینا لازم تھا کہ منقول صحیح قسم سے ہے ضعیف قسم سے نہیں ہے. مذکورہ روایت کی بابت یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ثعلبی، بغوی اور ابن جریر کی تفسیروں میں نقل ہوئی ہو مگر تماشہ یہ ہے کہ ان ہی تفسیروں میں جن میں اس روایت کا پتہ لگاتا ہے ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جو اس روایت کے بالکل مناقض ہیں اور سب سے بڑا لطف یہ ہے کہ یہ روایتیں صحیح اسناد سے درج کی گئی ہیں. بات اصل یہ ہے کہ کسی آیت کے سبب نزول میں جتنی روایتیں اُنہیں ملتی ہیں خواہ صحیح ہوں ضعیف ہوں. موضوع ہوں اُنہیں نقل کردینے سے کام ہے اسی لیے ان کی تفسیروں میں متناقض روایتوں کا طومار بے تمیزی کرے جسکا عادل ہونا ثابت نہ ہو بلکہ اُلٹا مجروح ہونا ثابت ہوا اور بہت سے آدمی اُسکے خلاف گواہی دیں تو اس ایک مجروع آدمی کی گواہی بھلا کب سنی جاسکتی ہے.

بفرض محال اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ اور عادل ہیں مگر ان کے علاوہ وہ اور ثقہ اور عادل راویوں نے اس کے خلاف روایت کی ہے تو اب ان دونوں روایتوں میں غور کرنا واجب ہے کہ ان سے کونسی صحیح اور راجح ہے اور جب تمام علماء نقل کا اس پر اتفاق ہو کہ جو روایتیں اس حدیث کے خلاف ہیں وہی ثابت اور صحیح ہیں تو پھر یہ حدیث کس طرح ماننے کے قابل ہوسکتی ہے. بلکہ یہ حدیث تو اُسکے بھی مناقض ہے جو ائمہ تفسیر سے بذریعہ تواتر معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اِس کسی حال میں بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ یقیناً باطل ہے. دوسرے چونکہ یہ حدیث گھری ہوئی اور سراسر جھوٹی ہے اسلئے کسی نے بھی ان کتابوں میں نقل نہیں کی جو منقولات میں مرجع سمجھی جاتی ہیں. ہاں جسے حدیث سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ خوب جان سکتا ہے کہ یہ بے شک جھوٹ ہے. بغوی اور ابن جریر نے ایسی اسناد سے روایت کیا ہے. جس میں عبدالغفار بن قاسم بن فہد ابو مریم کوفی راوی ہے. اسکے متروک ہونے پر سب کا اجماع ہے. سماک بن حرب اور ابوداؤد نے اسے جھوٹا کہا ہے. امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ نہیں ہے. اسکی اکثر روایت کردہ حدیثیں بالکل باطل ہوتی ہیں یحیی کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے. ابن حبان بستی کا قول ہے کہ یہ عبدالغفار بن قاسم شرابی تھا اور خوب شراب پیا کرتا تھا

یہاں تک کہ وہ بے خودی ہو جاتا تھا اور اپنی اسی بے خودی کی حالت میں یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا بھلا ایسے شخص کی حدیث سے حجت کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے .اسی لیے امام احمد یحی نے متروک کر دیا تھا.

اب سنیئے دوسری سند، مذکورہ حدیث کو ابن ابی حاتم نے بھی نقل کیا مگر اُنکے ہاں سند میں عبد اللہ عبد القدوس راوی پیش کیا گیا ہے خیر سے یہ حضرت بھی ثقہ نہیں ہیں یحیٰ بن معین کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں .یہ نتھرا نتھرایا پکا چھنا دودھ کا دھویا امامیہ مذہب رکھتا ہے .دار قطنی کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عبد القدوس ضعیف راوی ہے .اب رہے ثعلبی ان کی اسناد تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے. صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور کوہ صفا پر چڑھ کے یہ آواز دی یا صباحاہ لوگ اس آواز کو سُن کے دنگ رہ گئے .سب آپ کے پاس جمع ہو گئے .حضور انور نے ہر ہر خاندان کو پکارا .اے بنی فلاں اے بنی عبد مناف اے بنی عبد المطلب اور ایک روایت میں ہے اے بنی فہر اے بنی عدد اے بنی فلاں.

غرض کہ قریش کل خاندانوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دی اس آواز سے لوگوں کی بھی یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص خود نہ آسکا تو اُس نے اپنے بدلہ دوسرے کو بھیجد دیا کہ دیکھیں رسول اللہ کیا فرماتے ہیں جس وقت سب جمع ہو گئے تو حضور انور نے فرمایا .اے حاضرین یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سے تمہیں غارت کرنے کے لئے ایک لشکر آرہا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ اس پر سب ایک زبان ہو کے بولے، بے شک اے نبی اللہ ہم آپ کو سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم بارہا آپ کا تجربہ کر چکے ہیں آپ کی کوئی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوئی .اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک شدید عذاب کے آنے اور اس میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈراتا ہوں تم اپنا کچھ فکر کرلو کہ بروقت تمہارا فکر تمہیں دھوکا نہ دے یہ سنتے ہی ابولہب نے نہایت سخت ہو کر یہ جملہ حضور انور ﷺ کی نسبت کہا یعنی تیرا بُرا ہو کہ تو نے ہمیں صرف اس بات کے سنانے کے لیے جمع کیا تھا. بس اُس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ. ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس طرح فرمایا تھا "اے حاضرین یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ صبح شام میں تم پر ایک خوفناک اور زبردست دشمن حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے اور میرا یقین کرلو گے؟ سب بولے کیوں نہیں"

اب اگر شیعی علماء یہ فرمانے لگیں کہ ہماری پیش کردہ حدیث کو بھی ثعلبی ، بغوی اور مغازی وغیرہ نے

نقل کیا ہو تو اُسکے کیوں نہ تسلیم کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض اُن لوگوں کا اُسے نقل کر دینا باتفاق تمام محدثین کے بے بنیاد ہے اُن کے نقل کر دینے سے اس حدیث کی صداقت پر کسی طرح سے تمسک نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کی کتابوں میں موضوعات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اس پر کل محدیثن کا اتفاق ہے. ان میں بہت سی ایسی روایتیں بھی ہیں کہ اولہ یقینیہ سمعیہ اور عقلیہ سے اُن کا جھوٹ اور سراسر جھوٹ ہونا ثابت ہوتا ہے. یہ مانا کہ ثعلبی وخمیرہ جان کے جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں مگر ان میں نقص یہ ہے کہ کھرے کھوٹے کو نہیں دیکھتے کتابوں میں جو کچھ ملا آنکھ بند کر کے نقل کرتے چلے گئے اور جو کچھ کانوں سے سنا اُسے روایت کی شکل میں نقل کر دیا. اُنہیں حدیثوں کی اسناد میں ایسی مہارت نہیں ہے جیسی ائمہ حارث، شعبہ، یحی بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیی ابن معین، اسحٰق، محمد بن یحی ذھلی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابوحاتم، ابوزرعہ، رزین، ابوعبداللہ بن مندہ اور دار قطنی کو ہے.

ان کے علاوہ اور آئمہ حدیث، نقاد حدیث، حکام حدیث، حفاظ حدیث یعنی وہ لوگ جنہیں حضور انور ﷺ کے ناقلین علم کے احوال سے پوری پوری واقفیت ہے. ثعلبی کی تفسیر میں جہاں موضوعات کا ڈھیر لگا ہوا وہاں کہیں کہیں صحیح حدیثیں بھی دکھائی دیتی ہیں قریب قریب سب موضوع ہی کی قسم میں سے ہیں جو اُس نے ہر ہر سورہ کے فضائل میں نقل کی ہے. خلاصہ ہے کہ ان جمہور میں سے جو خلفائے ثلثہ کی خلافت کا عقیدہ رکھتے ہیں ایک آدمی کا کوئی حدیث روایت کرنا اسے لازم نہیں کرتا کہ وہ جو روایت کرے اُس میں سچائی ہو یا در کھو کہ کھرے کھوٹے کے پہنچاننے کے لیے میزان عدل موجود ہے. اُس کے ذریعہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے. اصول احکام، زہد اور فضائل سب میں لوگوں نے بہت سی حدیثیں گھڑ کے حضور انور ﷺ سے نسبت دے دی ہیں. اسی طرح خلفائے اربعہ فضائل میں بھی بہت سی حدیثیں بنالی ہیں. علی ہذا القیاس حضرت معاویہ کے فضائل میں بھی حدیثوں کا انم کا انم موجود ہے. ان میں بعض کا مقصود فقط یہ ہے کہ اس بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہوں سب کو نقل کر دیں ہیں. ایسی حالت میں اسکی تمیز کیونکر ہوسکتی ہے کہ صحیح کونسی ہیں اور موضوع کونسی ہیں. جیسا کہ ابونعیم نے فضائل خلفائے میں کیا ہے. اسی طرح ابوالفتح ابی الفوارس اور ابو علی الاھوازی وغیرہ نے امیر معاویہ کے فضائل میں حدیثیں جمع کر دی ہیں یا جیسا کہ نسائی حضرت علی

کے فضائل میں حدیثوں کا ڈھیر لگا دیا ہے. اسی طرح ابوالقاسم، ابن عساکر نے جو حضرت کے فضائل میں حدیثیں جمع کیں ہیں وہ بھی سب جھوٹی ہیں. الا ماشاء اللہ.

شیعی علماء کی دوسری حدیث : شیعی علماء گوہر افسانی فرماتے ہیں اور اپنی معلومات دینے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ جب آیۃ یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (المائدہ:۶۷) نازل ہوئی تو حضور انور نے غدیر خم میں لوگوں خطبہ سنایا اور سب کو مخاطب کر کے فرمایا. اے حاضرین کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں سب بول اُٹھے کے ہاں کیوں نہیں آپ بے شک ایسے ہی ہیں. اس وقت آپ نے فرمایا. **من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم دال من والاہ عاد من عاد الا د انصر من نصرہ واخذل من خذلہ.** یہ سُنتے ہی عمر فاروق کہنے لگا واہ علی اب تو تم میرے بھائی مولا بن گئے اور ہر مسلمان مرد و عورت کے بھی مولا ہو گئے اور یہاں مولا سے مراد وہ شخص ہے جو تصرف کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **والست اولیٰ منکم بانفسکم** میں تقویٰ کا ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے.

جواب: اس کا جواب نہایت وضاحت سے ہم پہلے دے چکے ہیں جہاں شیعی علماء نے قرآن مجید کی آیتوں سے حضرت علی کی امامت کا استدلال کیا تھا. یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ آیت حضور انور کے حج کرنے سے بہت عرصے پہلے نازل ہو چکی تھی اور غدیر کا واقعہ آپ کے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۸ ذی الحجہ کو ہوا ہے اور اسکے بعد آپ صرف کچھ اوپر دو مہینے زندہ رہے. اسکی پوری تشریح اس سے ہو جاتی ہے کہ سب کے اخیر میں سورہ مائدہ کی یہ آیۃ نازل ہوئی ہے. اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ:۳) یہ آیت ۹ ذی الحجہ کو حجۃ الوداع میں بمقام عرفہ نازل ہوئی تھی اُس وقت حضور انور رسول اللہ ﷺ وقوف عرفہ کر رہے تھے جیسا کہ صحاح اور سنن میں ثابت ہے. یہی قول تمام علمائے مفسرین اور محدثین کا ہے. اس آیۃ کے نازل ہونے سے نو روز کے بعد جب حضور انور مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اٹھارہ ذی الحجہ کو غدیر خم کا واقعہ ہوا تھا پس اب کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اُس وقت نازل ہوا تھا. یہ اُن آیتوں میں سے ہے جو ابتداء میں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں. اگرچہ یہ

سورۂ مائدہ میں ہے جیسا کہ شراب کی حرمت کا حکم بھی سورہ مائدہ میں ہے اور یہ حرمت غزوہ احد کے بعد اور سب امور سے پہلے ہوئی تھی. اسی طرح سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم ہے فَاِنْ جَآؤُکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْاَعْرِضْ عَنْهُمْ یہ آیت یا تو اس حد میں نازل ہوئی تھی کہ جب آپ نے دو یہودیوں کو سنگسار کیا تھا یا بنی قریظہ اور نضیر کے درمیان فیصلہ کرنے میں نازل ہوئی تھی. یہودیوں کے سنگسار کرنے کا مقدمہ میدنہ میں سب سے پہلے مقدمہ ہے. اسی طرح بنی قریظہ اور نضیر کے درمیان فیصلہ ہے کیونکہ بنی نضیر کو غزوۂ خندق سے پہلے حضور انور نے جلاوطن کیا تھا اور بنی قریظہ کا معاملہ اس غزوئے کے بعد کا ہے. غزوۂ خندق باتفاق کل علماء کے حدیبیہ اور فتح خیبر سے پہلے واقع ہوا تھا. اور یہ سب واقعات فتح مکہ اور غزوہ حنین سے پہلے کہ ہیں اور یہ حجۃ الوداع سے پہلے اور حجۃ الوداع خطبہ غدیر سے پہلے کا وقوعہ ہے. اب اگر کوئی یہ کہے کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیت غدیر خم کے بعد بھی نازل ہوئی ہے تو یہ کہنے والا باتفاق تمام علماء کے یقیناً جھوٹا اور مفتری ہے. اسکے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب فرقان حمید میں یہ فرماتا ہے. یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. یعنی اے (میرے برگزیدہ) رسول جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے تم (لوگوں تک) پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا. فقط اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے برگزیدہ نبی کے لیے اِس بات کا ضامن ہوگیا ہے کہ جب آپ پیغام پہنچادینگے تو وہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا تا کہ اُسے باعث آپ اپنے دشمنوں سے مطمئن ہوجائیں. اسی وجہ سے یہ راویت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضور انور ﷺ اپنی حفاظت کے لیے پہرہ رکھتے ہیں تھے مگر اس کے نازل ہوتے ہیں آپ نے پہرہ اُٹھایا. یہ حالت تبلیغ پوری ہونے سے پہلے ہی تھی اور حجۃ الوداع میں تبلیغ پوری ہوچکی تھی. اس لیے آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا بولو میں تبلیغ احکام پوری کر چکا ہوں یا نہیں؟ سب بول اُٹھے. بیشک آپ پوری کر چکے ہیں اُس وقت آپ نے فرمایا "خداوندا تو گواہ رہیو" پھر حاضرین کی ارشاد ہوا. میں تمہارے اندر ایک ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اُس پر کاربند ہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یا درکھو وہ اللہ کی پاک کتاب قرآن مجید ہے قیامت کے دن تم سے تم میری بابت سوال ہوگا بولو تم کیا

جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم اس امر کی ضرور گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام بے شک پہنچا دیا تھا۔ اور خوب نصیحت کی تھی. یہ سن کے آپ نے اپنی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر حاضرین کی طرف جھکا کے یہ کہا" خداوند تو گواہ رہیو خداوند تو گواہ رہیو" یہ الفاظ جابر کی حدیث کے ہیں جو مسلم وغیرہ میں صحیح حدیثوں میں سے ہے. آپ نے یہ بھی فرمایا یہ تھا اکثر ایسا ہوتا ہے جنہیں کوئی بات پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والوں سے اُسے زیادہ یاد رکھتے ہیں پس یہ حفاظت جسکی اِس آیت میں ذمہ داری کی گئی ہے اس تبلیغ سے پہلے ہو گئی تھی لہذا یہ آیت حج الوداع کے بعد نازل ہوئی کیونکہ تبلیغ تو آپ اس سے پہلے ہیں کر چکے تھے. تیسرے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے عبدالمطلب کی اولاد میں چالیس مرد نہ تھے کیونکہ یہ آیت ابتدائے اسلام میں مکہ میں نازل ہوئی تھی. اِس کے علاوہ بھی حضور ﷺ کے زمانہ حیات تک عبدالمطلب کی اولاد دریینہ کی تعداد چالیس کبھی نہیں ہوئی یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ بلکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے صرف اُن کے چار بیٹے رہے تھے. عباس ابوطالب، حمزہ اور ابولہب، عبدالمطلب کا سارا خاندان ان ہی چاروں سے بنا ہوا تھا اور یہی بنو ہاشم ہیں حضور انور کے چچاؤں میں سے سوائے ان چار کے اور کسی نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا جن میں سے دو مسلمان ہو گئے یعنی حمزہ اور عباس اور دو کافر رہے مگر ان میں سے ایک نے حضور انور ﷺ کی مدد و معاونت کی وہ ابوطالب ہیں اور دوسرے نے آپ سے عداوت کی اور آپ کے دشمنوں کو مدد دی وہ ابولہب ہے اب آپ ﷺ کے چچاؤں کی اولاد کی تفصیل سنیئے۔ ابوطالب کے چار بیٹے. طالب، عقیل، جعفر، علی، طالب نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا. باقی تینوں نے پایا ہے. ان میں سے علی اور جعفر ابتدائے اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے مگر جعفر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے پھر جنگ خیبر کے وقت وہاں سے آ گئے اور جب ان سب نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو بنی ہاشم کی کل جائیداد میاں عقیل دبا کے ہو بیٹھے اور اپنا پورا قبضہ کر لیا حجتہ الوداع میں جب کسی نے حضور انور ﷺ سے یہ دریافت کی کہ کل ہم حضور ہی کے مکان میں مکہ پہنچ کے اُتریں گے اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے وہ تو سب مار بیٹھے ہیں. اب رہے عباس ان کے سب بیٹے کم سن تھے ان میں کوئی بھی بالغ نہ تھا. جس پر مرد کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اگر صغیر سنی ہی میں اُنہیں مرد کے نام سے پکارا جائے تو بھی ان کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہونے کی یعنی عبداللہ اور فضل باقی قثم تو ان سب کے بعد پیدا

ہوئے ہیں۔ ان سب میں بڑے فضل تھے۔ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہو چکی ہے تو اس کے ایک عرصہ کے بعد عبداللہ شعب میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہجرت کے وقت اُن کی عمر تین یا چار برس کی تھی اور حضور انور ﷺ کی ساری زندگی میں عباس کے ہاں سوائے فضل، عبداللہ اور عبیداللہ کے کوئی بچہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ اور بچے حضور انور کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

اب رہے حمزہ اور ابولہب ان دونوں کی اولاد کچھ زیادہ نہ تھی حمزہ کے صرف دو بیٹے تھے ابو سفیان اور ربیعہ یہ دونوں ایک عرصہ کے بعد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اسی طرح ابولہب کے بیٹے بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے۔ ابولہب کے تین بیٹے تھے جن میں سے دو مسلمان ہوئے عتبہ اور مغیث یہ دونوں جنگ طائف اور جنگ حنین میں بھی حاضر تھے۔ اور تیسرے بیٹے عتیبہ سے حضور انور ناخوش تھے وہ نہ صرف کافر تھا بلکہ حضور انور ﷺ کا کم ظرف دشمن تھا اور خواہ مخواہ جب اُس نے حضور انور کو بہت اذیت دی تو حضور انور نے فرمایا کہ اسے تو کوئی کتا چیر پھاڑ ڈالے چنانچہ ملک شام میں جب وہ زرقا پہنچا تو کسی درندے نے اُسے پارہ پارہ کر دیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ غرض عبدالمطلب کی کل اولاد کی یہ کہانی ہے جسکی ساری تعداد میں دس مرد بھی نہیں ہوتے چہ جائے کہ چالیس ہوں۔ چوتھے بنی ہاشم پیٹو مشہور نہ تھے اُن میں کوئی ایسا شخص تھا جو سالم ایک بکرا کھا جاتا ہو اور اُس پر ایک مشک پانی پی لیتا ہو۔

پانچویں۔ بقول شیعی علماء کے حضور انور ﷺ کا حاضرین سے یہ فرمانا کہ جو شخص میرے اس کہنے قبول کریگا اور اس پر قائم رہنے کا مجھ سے عہد کرے گا پس وہی میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے" یہ کلام حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ محض شہادتیں ہی بہتان ہی بہتان ہے ایسے کلام کو حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ محض شہادتیں کا اقرار کر لینا اور اس پر کار بند رہنا ان سب امور کا ہرگز باعث نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ ان دو کلموں کا تو سب مسلمانوں نے دل و جان سے اقرار کر لیا تھا اور ہو اس پر ایسے کار بند ہوئے تھے کہ اُنہوں نے حضور انور ﷺ کو مدد دینے اور آپ کی اطاعت کرنے میں آپ جانیں قربان کر دیں اور اپنا مال خرچ کر دیا۔ اپنے وطنوں کو چھوڑ دیا۔ اپنے بھائیوں اور کنبہ سے قطع تعلق کر لیا۔ معزز ہونے کے بعد ذلیل ہونے کو تسلیم کر لیا یعنی اپنی قوم کی سرداری پر تین حرف بھیجے اور حضور انور کے حلقہ

غلامان میں شامل ہو گئے. غنی ہونے کے بعد فقیری اختیار کر لی. عیش و عشرت میں رہنے کے بدلہ تنگی قبول کر لی غرض ان کی خصلتیں ایسی مشہور و معروف ہیں کہ مثل آفتاب نصف النہار کے روشن ہیں.

باوجود ان سب باتوں کے آپ کا خلیفہ کوئی نہیں ہوا. اس کے علاوہ اگر حضور انور نے یہ امر ان چالیس آدمیوں پر پیش کیا تھا تو ممکن تھا کہ وہ سب کے سب اُسے قبول کر لیتے یا اُن میں سے چند ہی قبول کر لیتے اب دیکھو ان میں سے چند آدمی قبول کر لیتے تو پھر ان میں سے خلیفہ آپ کے بعد کونسا ہوتا. بلا کسی اور سبب کے اسکی تعیین کس طرح ہوتی ان سب کو تو ایک ہی وقت میں حضور انور خلیفہ نہیں کر سکتے تھے. پس معلوم ہوا کہ وصیت، خلافت، اخوت، اور موازرت کو حضور انور ﷺ نے اس سہل امر یعنی کلمہ شہادتین کا اقرار کر لینے اور اس پر کار بند ہونے پر معلق نہیں کیا تھا اِسکے علاوہ جس شخص کا اللہ پر، اللہ کے رسول پر اور روز قیامت پر ایمان ہے اُسے اس میں سے پُورا پورا حصہ ملا ہوا ہے اور جسے اس میں حصہ نہیں ملا وہ مسلمان نہیں منافق ہے. بس ایسے کلام کو حضور انور سے نسبت دینا کو مکر جائز ہو سکتا ہے. چھٹے امیر حمزہ، جعفر اور عبیدہ حارث نے علی کی طرح شہادتین کو قبول کر لیا تھا اور اس پر کار بند ہو گئے تھے کیونکہ یہ اُن سابقین اولین میں سے ہیں جو ابتدائی حالت میں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے تھے بلکہ امیر حمزہ تو اس سے بھی پہلے مسلمان ہو گئے تھے کہ ابھی چالیس آدمی بھی ایمان نہ لائے تھے. دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضور انور ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں رہتے تھے اور یہیں لوگ آپ سے ملنے آیا کرتے تھے اور یہیں مجمع ہوتا تھا باقی آپ اور عبدالمطلب کا سارا خاندان کبھی کسی اور گھر میں جمع نہیں ہوئے. کیونکہ ابولہب آپ کا کُھلا ہوا زہریلا دشمن تھا. جب بنی ہاشم شعب میں محصور ہوئے تو ابولہب اُن کے ساتھ وہاں بھی نہیں کیا گیا تھا. صحاح میں اس آیت کا شان نزول اِس کے بالکل خلاف ہے. صحیحین میں ابن اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو حضور انور نے قریش کو دعوت دی وہ سب جمع ہو گئے. اس وقت حضور انور ﷺ نے عام و خاص سب سے یہ خطاب کیا اے بنی کعب بن لوئی تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو، اے بنی مرہ بن کعب تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو اے بنی عبدالمطلب تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو اے فاطمہ بنت محمد تم بھی اپنی جان دوزخ سے بچاؤ کیونکہ اللہ کے حضور انور ﷺ میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا سوائے اسکے کہ تم سب سے میری قرابت داری ہے اس تعلق کی وجہ سے میں تمہاری کچھ مدد نہ

کر سکوں گا صحیحین میں ابو ہریرہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور نے بلند آواز سے یہ فرمایا "اے قریش تم اپنی جانیں اللہ سے مول لے لو" کیونکہ میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکوں گا اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا اے فاطمہ بنت محمد ﷺ میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکوں گا تم دونوں کو اگر مجھ سے کچھ مال لینا ہے تو یہیں لے لو اور وہاں کی اُمید نہ رکھو مسلم نے ابن مخارق، زبیر بن عمرو اور عائشہ صدیقہ کی حدیث نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور انور نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کے فرمایا تھا. اور قبیصہ کی حدیث میں یہ ہے کہ آپ رضمہ کی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھے اور با آواز بلند پکارا اے بنی عبد مناف میں تمہارے لیے نذیر (ڈرانے والا) ہوں میری تمہاری مثال اُس آدمی جیسی ہے کہ جو دشمن کو آتا دیکھ کے اپنے متعلقین کو مطلع کرنے کے لیے ڈر سے دوڑے کہ دشمن اس سے پہلے نہ پہنچ جائے اور پھر چیخے صبا حاہ یا صبا حاہ یعنی اے لوگو میرا کہا مان لو ورنہ صبح ہوتے ہی برباد کر دیئے جاؤ گے. دوسری دلیل یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت آپ کو کسی کا کچھ خوف نہ تھا جس سے حفاظت کرانے کی ضرورت ہوتی بلکہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں تو مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور اُن کے نواح کے سب آدمی مسلمان اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کے تابع فرمان ہو چکے تھے. ممکن ہے کہ کوئی منافق مسلمان ہونے سے رہ گیا ہو مگر ایسا کوئی نہ تھا کہ کھلم کھلا آپ کی مخالفت کر سکتا ایسی حالت میں آپ سے ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ الخ. غدیر کے دن جو کچھ ہوا وہ کوئی ایسا امر نہ تھا جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم کیا گیا ہو. یعنی مثل اُن امور کے جن کی تبلیغ حضور انور نے حجۃ الوداع میں کی تھی ایک امر بھی معلوم نہیں ہوتا. جنہوں نے حضور انور کے ساتھ حج کیا تھا وہ سب کے سب حضور انور کے ساتھ واپس مدینہ نہیں آوے تھے. مکہ والے مکہ چلے گئے طائف والے طائف، یمن والے یمن، باقی دیہاتی لوگ اپنے اپنے دیہات کو چلے گئے تھے. جو لوگ حضور انور ﷺ کے ساتھ مدینہ واپس آئے تھے. وہ مدینہ ہی کے یا اُسکے آس پاس کے رہنے والے تھے. پس اگر یہ امر جو آپ غدیر کے دن ذکر کیا ایسا ہوتا کہ اُس کی تبلیغ کرنے کا حکم تھا یعنی مثل اس امر کے جس کی آپ نے حج میں تبلیغ کی تھی تو حجۃ الوداع میں آپ ضرور اس کی بھی تبلیغ کر دیتے جیسے کہ اور امور کی کر دی تھی. حالانکہ حجۃ الوداع میں آپ نے امامت کا بالکل ذکر نہیں کیا نہ امامت کے متعلق کوئی بات فرمائی نہ کسی نے صحیح یا ضعیف سند سے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع میں حضور

انور ﷺ نے علی کی امامت کا ذکر کیا تھا بلکہ کسی نے یہ بھی نہیں بیان کیا کہ حضور انور نے اپنے اس خطبہ میں علی کی کسی بات کا بھی ذکر کیا تھا باوجود یہ کہ عام مجمع تھا جس میں عام تبلیغ کرنے کا آپ کو حکم ہو چکا تھا. اس سے معلوم ہوا کہ علی کی امامت کوئی ایسا دینی امر نہ تھا جسکی تبلیغ کا آپ کو حکم ہوتا. اب رہیں حدیث المواخاۃ اور حدیث الثقلین یہ ایسی حدیثیں نہیں ہیں جو حضرت علی کی امامت کے ثبوت میں پیش ہوسکیں. سنئے غدیر کا واقعہ جو مسلم نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے حضور انور نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو بڑی زبردست چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی پاک کتاب قرآن کریم. اتنا ذکر کر کے حضور انور نے اُسکی بہت کچھ ترغیب دی پھر فرمایا دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں. صرف مسلم ہی نے یہ حدیث بیان کی ہے امام بخاری نے اُسے روایت نہیں کیا. ہاں ترمذی نے اُسے روایت کیا ہے مگر ان کے الفاظ میں یعنی یہ کہ یہ دونوں چیزیں جدا نہیں ہونے کیں یہاں تک کہ مجھ سے عوض کوثر پر مل جائیں ان الفاظ کی زیادتی پر بہت سے حفاظ الحدیث نے طعن کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں. مگر وہ لوگ جو اس کی صحت کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ تمام عترت جو بنو ہاشم ہیں یہ سب کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوں گے اور یہی قول اہلسنت والجماعت میں سے ایک گروہ کا ہے. یہی توضیع قاضی ابو یعلی وغیرہ نے کی ہے. اب رہی مسلم کی حدیث اگر حضور انور ﷺ نے ایسا فرمایا ہو تو اس میں فقط کتاب اللہ کے اتباع کرنے کی وصیت ہے اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ وصیت اس سے پہلے حجۃ الوداع میں ہو چکی ہے. وہاں آپ عترت کے اتباع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا ہاں فقط اتنا فرمایا تھا اذکر کم اللہ فی اھل بیتی باقی اس کا بھی مفصل بیان غدیر خم سے پہلے ہو چکا تھا. اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا غدیر خم میں آپ نے ایسا شرعی امر کوئی بیان نہیں کیا تھا جو اُس وقت نازل ہوا ہو نہ علی کے حق میں نہ اور کسی حق میں نہ علی امامت کے بارے میں نہ کسی کے بارے میں. پھر مواخاتہ کی حدیث لو اُسے ترمذی نے اور امام احمد نے اپنی اپنی مسند میں حضور انور سے نقل کیا ہے وہ حدیث یہ ہے جیسا حضور انور نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس میں یار لوگوں نے یہ زیادتی کر دی ہے اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یہ محض غلط اور ایجاد بندہ ہے. ابن حزم لکھتے ہیں کہ علی کے فضائل میں جو صحیح طور پر ثابت ہوا ہے. وہ یہ ہے انت منی بمنزلہ ھرون من موسی الا انہ لا نبی بعدی دوسرا قول یہ ہے لاعطین الرایۃ غدار

جلا یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله مگر یہ صفت وہ ہے کہ ہر مسلمان مومن فاضل کے لیے ہونی ضروری ہے اسکے علاوہ حضور انور نے یہ بھی کہ علی سے سوائے مومن کے کوئی محبت نہ رکھے گا اور سوائے منافق کے کوئی بغض نہ رکھے گا حضور انور نے یہی ارشاد انصار کے حق میں بھی کیا ہے جو صحیح طور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا کہ جس شخص کا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہوگا وہ انصار سے کبھی بغض نہ رکھے گا. پھر ابن حزم کہتے ہیں باقی یہ حدیث کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ثقہ راویوں کے طریقہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی. باقی ان کے سوادہ حدیثیں جن سے شیعی علماء استدلال کرتے ہیں سب کی سب موضوع ہیں. جسے حدیث اور نقل حدیث میں ذرا بھی دخل ہو وہ بلا تامل ہماری تائید کرے گا. اب اگر کوئی یہ کہے کہ ابن حزم نے تو وہ حدیث بھی ذکر نہیں جو صحیحین میں ہے کہ انت منی اانا منک اور نہ مباہلہ اور چادر والی حدیث ذکر کی. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن حدیثوں کو بھی صحیح نہیں سمجھتے. یہ بات نہیں ہے. ابن حزم نے حضرت علی کے فضائل میں وہ حدیثیں نقل نہیں کیں جن میں اُن کی کچھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ حضور انور نے جب وہی اوصاف دوسروں کی سبت فرمادیئے تو خصوصیت جاتی رہی مثلاً آپ نے جعفر طیار سے فرمایا تھا کہ اشبهت خلقی و خلقی اور زید بن حارثہ سے فرمایا تھا کہ انت اخوانا و مولانا دیکھلو حضرت علی کی کچھ خصوصیت اوپر کی حدیثوں میں نہیں رہی. اب دوسری پہلو کی بحث سنئے ہم باور کر لیتے ہیں کہ بے شک حضور انور نے ایسا ہی فرمایا تھا چشم ماروشن دل ماشاد مگر اس سے بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میرے بعد علی ہی خلیفہ بنائے جائیں. اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو حالانکہ ایسے مہتم بالشان کام کے اظہار کے لیے تو بہت صاف صاف اور کھلے الفاظ ہونے چاہیے تھے مفروضہ احادیث میں کوئی امر ایسا نہیں ہے. جس سے ظاہر طور پر خلافت مراد ہو سکے وجہ یہ ہے کہ مولی مثل ولی کے ہوتا ہے یعنی دونوں کے معنی قریب ہی قریب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰہ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا پھر فرمایا وَاِنْ تَظَاهَرُوْا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرًا ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ رسول مومنین کے ولی ہیں اور مومنین رسول کے اولیا اور موالی ہیں اور یہ کہ مومنین آپس میں بھی ایک دوسرے کے اولیا ہیں. خلاصہ یہ نکلا کہ موالاۃ معاواۃ یعنی دشمنی کی ضد ہے اور یہ جانبین سے ہوتی

ہے اگر چہ دونوں متوالیوں میں سے ایک مرتبہ میں بڑھا ہوا ہوا اور اُسکی ولایت احسان اور افضل کرتا ہی ہوا اور دوسرے کی ولایت طاعت اور عبادت ہو جیسا کہ کہ اللہ تعالی مومنین سے محبت رکھتا ہے اور مومنین اللہ سے محبت رکھتے ہیں ہم جیسا کہ ابھی کہ چکے ہیں کہ موالاۃ معاداۃ کی ضد ہے اور کفار اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت نہیں رکھتے بلکہ وہ اُن سے عداوت رکھتے ہیں اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّ کُمْ اَوْلِیَاءَ یعنی میرے اور اپنے دشمنوں کے تم دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے. چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

اللہ تعالی یقیناً مومنین کا ولی اور ان کا مولی ہے اس لئے اُنہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کے ایمان کی روشنیوں میں پہنچادیا ہے. جب یہ بات یوں ہوئی تو اللہ کے اللہ کے رسول کے اور علی کے ولی اور مومنین کے مولی ہونے سے وہی موالاۃ مراد ہے جو معاداۃ کی ضد ہے اور مومنین بھی اللہ سے اور اللہ کے رسول سے وہی موالاۃ رکھتے ہیں جو معاداۃ کی ضد ہے اور یہ حکم اور یہ صفت ہر مومنین کے مولی ہونے سے وہی موالاۃ مراد ہے. جو معاداۃ کی ضد ہے اور مومنین بھی اللہ سے اور اللہ کے رسول سے وہی مولاۃ رکھتے ہیں جو معاداۃ کی ضد ہے اور یہ حکم اور یہ صفت ہر مومن کے لیے ثابت ہے پس علی بھی ان ہی مومنین میں سے ہیں کہ وہ مومنین سے اور مومنین ان سے موالاۃ رکھتے ہیں. اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مومنین میں علی کے سوا اور کوئی مولے ہونے کے قابل نہیں ہے یہ معنی بھلا کیونکر بن سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے اور بہت سے مولی ہیں اور وہ نیک مسلمان ہیں. ہاں یہ بات ضروری ہے کہ علی بطریق اولیٰ مولیٰ ہیں.

اسکے علاوہ حضور انور نے فرمایا تھا کہ اسلم، غفار، مزینہ، حسینہ، قریش اور انصار ان سب کا اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اور کوئی مولی نہیں ہے اور اُنہیں آپ نے اپنا مولی بھی فرمایا ہے.

اصل یہ کہ ولی، مولی اور والی میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ وہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے علیحدہ چیز ہے اور جس ولایت کے معنی امارت کے ہیں وہ دوسری چیز یہ دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے. اس حدیث میں ولی اور مولی جو دو لفظ اس سے پہلی ولایت مراد ہے نہ کہ دوسری کیونکہ حضور اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا من کنت والیه فعلی والیه یعنی جس کا میں والی ہوں اُسکا علی بھی والی ہے بلکہ حدیث کے لفظ یہ ہیں من کنت مولا فعلی مولاہ اس لحاظ سے مولی کے معنی والی کے لینے

بالکل غلط ہیں. یہ ولایت تو جانبین سے ہوتی ہے. اس لئے مومنین اللہ کے اولیا ہیں اور اللہ ان کا مولی ہے. باقی حضور انور کا ان کی جانوں سے اولی ہونا یہ کچھ حضور انور ہی کے لیے شایاں ہے. یعنی آپ کا ہر مومن کی جان سے اولی ہونا آپ کی نبوت کی خصوصیتیں میں داخل ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور انور نے کسی کے خلیفہ ہونے پر نص کردی تھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلیفہ بھی ہر مومن کی جان سے اولی ہو جیسا کہ خلیفہ ہونے پر نص کردی تھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلیفہ بھی ہر مومن کی جان سے اولی ہو جیسا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خلیفہ کی بی بیاں بھی امہارت المومنین ہو جاویں جیسی حضورِ انور جیسی حضور اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں. ہاں اگر حضور اللہ ﷺ کا یہ مقصد ہوتا کہ مثل میرے میرا خلیفہ بھی مومنین کی جانوں سے اولے ہے تو حضور انور کو یہ فرمانا چاہیے تھا **من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی اولی بہ من نفسہ** نہ آپ نے یہ فرمایا اور نہ کسی نے یہ نقل کیا. اسکے یہ معنی ہونے یقیناً باطل ہیں کیونکہ حضور انور کا ہر مومن سے اولی ہونا حیات اور بعد وفات دونوں حالتوں میں تھا. اور علی کی خلافت اگر تسلیم بھی کرلی جائے تو وہ آپ کی وفات کے بعد ہی ہوسکتی ہے آپ کی حیات میں نہیں ہوسکتی. آپ کے زمانہ حیات میں علی کا خلیفہ ہونا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا اس لئے اس وقت علی ہر مومن سے کسی طرح اولی نہیں ہوسکتے. اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اس سے خلافت مراد لیتے ہو تو پھر علی کسی مومن کے بھی مولی نہیں ہوسکتے. اب تو اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اس سے حضور انور کی مراد خلافت نہیں تھی.

شیعی علماء کی تیسری برہان: شیعی علماء مفصلہ ذیل حدیث حضور انور کے بعد حضرت علی ہی کے خلیفہ بننے کے متعلق پیش کرت ہیں اور وہ حدیث یہ ہے **انت منی بمنزلة هٰرون من موسی الا انه لا نبی بعدی** یعنی تم میرے لیے ایسے ہو جیسا موسی کے لیے ہاروں تھے لیکن میرے کوئی نبی نہیں ہے. اس پر شیعی علماء فرماتے ہیں منجملہ ہارون علیہ السلام کے مراتب کے ایک مرتبہ انکا یہ ہے بھی تھا کہ وہ موسی علیہ السلام کے خلیفہ تھے اگر ہارون کے بعد زندہ رہتے تو ضرور خلیفہ ہوتے. اسی طرح دوسری دلیل جناب امیر علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کی یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی موجودگی اور اپنے بعد اپنی رائے زندگی میں حضرت علی کو خلیفہ کر بھی دیا تھا اور آپ کی وفات کے بعد غیبو بیت کا

بہت بڑا زمانہ ہے لہذا اب ان کا خلیفہ ہونا بدرجہا اولی ضروری ہے۔

جواب: یہ ہم قبول نہیں کرتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیحین میں ضرور آئی ہیں۔ بیشک غزوۂ تبوک میں حضور انور نے ایسا فرمایا تھا۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ جب کسی غزوہ یا عمرہ یا حج کے لئے سفر کیا کرتے تھے تو اپنے کسی صحابی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا کرتے تھے اس پر ہم گزشتہ صفحات میں کامل بحث کر چکے ہیں مگر مختصر طور پر یہاں بھی اس کا ذکر کرتے ہیں ۔علاوہ حضرت علی کے ایک غزوہ میں عثمان کو، غزوہ بنی قنیقاع میں بشیر بن منذر کو خلیفہ کیا تھا۔ اور جب قریش سے جنگ کا اعلان ہوا اور آپ فرع جانے لگے تو ابن مکتوم کو آپ نے اپنا جانشین کر دیا تھا۔ محمد بن سعید وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بغیر جانشین مقرر کئے آپ کبھی مدینہ سے باہر نہیں تشریف لے گئے۔ ان کے نام ہم اپنے گزشتہ صفحوں میں لکھ چکے ہیں آپ نے اپنے دونوں عمروں یعنی عمرہ قضا اور عمرہ حدیبیہ حجۃ الوداع اور بیس سے کچھ اوپر غزووں میں مدینہ منورہ سے سفر کیا اور ان سب میں آپ نے کسی نہ کسی کو اپنا ضرور جانشین بنایا۔ مدینہ میں ایسے آدمی بہت سے رہے جاتے ہیں تھے جن پر آپ کا جانشین حکومت کرتا تھا لیکن غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی آپ نے کسی کو اجازت نہ دی تھی اور یہ آپ کے کل غزوں میں سب سے اخیر غزوہ ہے۔ جیسا مجمع آپ کے ساتھ اس میں تھا ایسا اور غزوں میں کبھی نہ ہوا تھا۔ فقط عورتیں بچے، اپاہج یا جو منافق تھے وہی رہ گئے تھے اور تین آدمی وہ بھی رہے گئے تھے جنکی توبہ چند روز بعد قبول ہوئی تھی۔ باقی مدینہ میں اُس وقت اور آدمی ایسے نہ تھے جن پر آپ کا جانشین حکومت کرتا جیسکا ہر دفعہ ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اس جانشینی کو اور جانشینوں سے بہت ہی کم درجہ سمجھنا چاہیے۔ اس بات کو حضرت علی نے بھی محسوس کیا اور ساتھ ہی ان منافقوں نے جو غزوہ میں حضور اللہ ﷺ کی ہمراہی سے رہ گئے تھے علیؑ کو چھیڑنا شروع کیا کہ رسول اللہ آپ سے سخت بیزار ہیں۔ اس لیے آپ کو یہاں چھوڑے جاتے ہیں۔ بھلا عورتوں، بچوں اور لنگڑوں لولوں کی خلافت بھی کوئی خلافت ہے جس میں آپ کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ یہ سُن کے حضرت علی کا دل ٹوٹ گیا آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے کہ مجھے یہاں چھوڑے جاتے ہیں۔ میری اس میں سخت بے عزتی ہے اس پر حضور انور نے علیؑ کو دلاسا دیا اور فرمایا اس تمہاری بے عزتی کچھ نہیں ہے۔ میں نے تمہیں اپنے نزدیک امانت دار ہونے کی وجہ سے جانشین کیا ہے اور جانشین ہونا کچھ نقصان یا عیب کی

بات نہیں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جانشین ہارون کو بنایا تھا لہذا اس میں بُرا وہی کیونکہ ہو سکتی ہے اگر کوئی بُرائی ہوتی تو موسیٰ ہارون کو اپنا جانشین کس طرح بناتے یہ سُن کے علیؓ خوش ہو گئے اور اُنہیں پورا اطمینان ہو گیا اور آپ سمجھ گئے کہ جانشین ہونا جانشین کی کرامت اور امانت کا سبب ہے نہ کہ اُس کی اہانات، خواری اور خیانت کا۔ صحابہؓ کی سیفتگی اور عشق یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ ہر صحابیؓ کے یہ آرزو رہتی تھی کہ ہر وقت حضور اللہ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتا رہے اور جو شخص حضور کے ہم رکاب نہ جاتا تھا وہ گویا حضور انور کے دیدار سے محروم رہتا تھا لہذا یہ خیال بھی حضرت علی کو بہت کچھ ستار ہا تھا. قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ سفر کرتا ہے اور خصوصاً جنگ کے لئے نکلتا ہے تو اپنے ہمراہ ایسے لوگوں کو رکھتا ہے جو اُسے ہر پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل معاملہ میں مدد دیں اُن کی ہمراہی سے اُسے نفع پہنچے اور وہ اپنی رائے. زبان، ہاتھ اور تلوار سے اُس کے پورے مدد گار بن سکیں. جس وقت علی کو مدینہ میں حضور ﷺ اپنا جانشین بنایا ہے ہر طرف سکون ہی سکون تھا. سیاست کی چنداں ضرورت نہ تھی. نہ ایسے پیچیدہ امور بغیر سلجھے باقی بچے تھے صرف آپ کو جانشین بنانے کی ایسے موقع پر یہی ضرورت تھی کہ آپ اہم اور عظیم سیاسی معاملات میں رائے دینے کا ملکہ نہیں رکھتے تھے. اس لیے اسکی ضرورت نہ تھی کہ آپ کو ساتھ لیجاتے. اور یہی وجہ آپ کو ایک پر امن زمانہ میں عورتوں، بچوں اور اپاہجوں پر حاکم بنانے کی ہوئی. اب رہی یہ بات حضور انور ﷺ نے حضرت علی کو مثل ہارون کے فرمایا اس میں کچھ بڑی تعریف اور خصوصیت نہیں ہے کیونکہ آپ اس سے کہیں زیادہ ابوبکر و عمر کی نسبت بھی فرما چکے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو صحیحین میں یہ بات ثابت ہے کہ قیدیوں کے بارے میں جب حضور انور نے ابوبکر سے مشورہ لیا تو آپ نے یہ رائے دی کہ قیدیوں سے فدیہ لیکے اُنہیں چھوڑ دینا چاہیے اور جب فاروق اعظم سے مشورہ لیا تو آپ نے اُنہیں قتل کر دینے کی رائے دی اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ کی کیونکہ اُنہوں نے اپنے اللہ تعالیٰ سے یہ التجاء کی تھی فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (ابراہیم: ۳۶) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی. اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم. اور اے عمر تمہاری مثال مثل نوح کے ہے کیونکہ اُنہوں نے یہ فرمایا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا یا مثل موسیٰ کے ہے کیونکہ یہ کیونکہ یہ دعا اُن کی تھی رَبَّنَا

اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔

پس حضور انور رسول اللہ کا ایک سے یہ فرمانا کہ تم مثل ابراہیم خلیل اور عیسے مسیح کے ہوا اور دوسرے سے یہ فرمانا کہ تم مثل نوح اور موسی کے ہو اس سے بدر جہا زیادہ ہے جو آپ نے علی سے فرمایا تھا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسی کے لیے ہارون تھے کیونکہ نوح ابرہیم موسی اور عیسے کا مرتبہ ہارون سے کہیں زیادہ تھا حضور انور نے ابوبکر اور عمر کو صاف طور پر موسی عیسے اور ابراہیم کے مثل فرمایا۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ آپ کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ ابوبکر و عمر ہر بات میں ان انبیاء کی مثل ہیں بلکہ جو سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے اس میں تسبیہ دینی تھی یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نرمی اور سختی کرنے میں وہ اُن کے مثل قرار دیے گئے اسی طرح علی کو سمجھانا چاہیے کہ وہ بمنزلہ ہارون کے اس بارے میں ہیں کہ حضور انور کی عدم موجودگی میں آپ کے جانشین ہو گئے تھے اس جانشین ہونے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ اُن کی طرح حضور کے جانشین ہو گئے تھے اس جانشین ہونے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ اُن کی طرح حضور کے جانشین بہت سے بن چکے تھے جن کا اسم وار ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں پھر یہ بات بھی دیکھنی ہے کہ حضور انور کا ایسی حالت میں جانشین ہونا بجائے خود فضیلت نہیں رکھتا کیونکہ بہت سے غزووں میں حضور انور نے ایسے لوگوں کو بھی اپنا جانشین کیا ہے جنسے علی افضل تھے حالانکہ انہیں یہ مرتبہ ملنا کسی طرح بھی علی سے افضل قرار نہیں دیتا جتنے جانشین مثل حضرت علی کے ہوئے وہ حضور انور کے لیے ایسے ہی تھے جیسے ہی تھے جیسے ہارون موسی کے لیے تھے جانشینوں میں بھی باہم ضرور امتیاز سمجھنا چاہیے جنگ تبوک کے سال جتنے جانشین حضور انور کے ہوئے وہ اُن جانشینور سے کم افضل ہیں جو اس سے پہلے ہو چکے تھے کیونکہ اُس وقت کی جانشینی بڑی کھٹن اور ذمہ داری کی تھی مدینہ پر دشمنوں کے حملے کا خوف لگا ہوا تھا مگر جنگ تبوک کے وقت یہ بات نہ تھی سارا عرب مسلمان ہو چکا تھا مسلمان ہی نہیں بلکہ مفتوح ہو جگہ اسلام کا چرچا اور غلبہ تھا۔ لہذا اس وقت مدینے کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہ رہی تھی جو اُسکے دشمنوں سے قتال کرتے اسی لیے حضور انور نے حضرت علی کے پاس کوئی جنگ جو شخص نہیں چھوڑا تھا جیسا کہ حضور انور اور غزووں میں جاتے وقت اپنے جانشین کے پاس جنگ جو آدمی چھوڑ جایا کرتے تھے اسوقت آپکے ساتھ کل فوج تھی اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو گئی کہ شیعی علماء کی پیش کردہ حدیث میں کوئی بات ایسی نہیں ہے

جس سے یہ معلوم ہو کہ علی کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حضور انور کے آگے وہ حیثیت رکھتا ہو جو ہارون کی موسیٰ کے آگے تھی۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ایک شخص سنگسار ہو چکا ہے لوگ اس پر لعنت کرنے لگے آپ نے فوراً منع کیا کہ خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ شخص جو سنگسار ہوا ہے اللہ سے اللہ کے رسول سے محبت رکھتا تھا بھلا اِسے معنی یہ کیونکر ہو سکتے ہیں کہ اسکے سوا کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت نہیں رکھتا تھا۔ حضور انور نے تو فقط اس ضرورت سے لعنت کرنے کو منع کیا تھا کہ جب اپنے جرم کی یہ پوری سزا پا چکا تو پھر کیوں اس پر لعنت ملامت کی جائے۔ اسی طرح جب آپ نے عشرہ مبشرہ کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ ان دس آدمیوں کے سوا اور کوئی جنت ہی میں نہ جائیگا۔ بلکہ آپ نے ایک سبب ذکر کر دیا تھا جسکی وجہ سے وہ جنتی ہونے کے مستحق ہو گئے تھے علی ہذا القیاس جب آپ نے حسن اور اسامہ کے حق میں یہ دعا کی الھم انی اجھما فاجھما واحب من یحبھم یعنی میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اُن دونوں سے محبت رکھ اور اُس سے بھی محبت رکھ جو اُن سے محبت رکھے اس سے یہ کسی طرح بھی لازم نہیں آتا آپکو اور کسی سے محبت نہ تھی حالانکہ آپ کو اور وں کی محبت تو ان دونوں کی محبت سے بھی کہیں زیادہ تھی اسی طرح جب حضور انور نے یہ فرمایا کہ جو لوگ بیعۃ الرضوان میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہیں جانے کا۔ اس سے یہ مطلب نہیں نکالا کہ ان کے سوا اور سب دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اسی طرح جب آپ نے ابوبکر کو ابراہیم اور عیسیٰ سے تشبیہ دی تو اس سے یہ لازم نہیں آگیا آپ کی امت میں ایسا کوئی نہیں ہوگا جسے اِن دونوں سے تشبیہ دیجائے اسی طرح عمر فاروق کی مثال کو سمجھنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ کہ کہ آپ کی امت میں یہ دونوں ان سب سے افضل ہیں جنہیں پیغمبروں سے کسی امر میں تشبیہ دیجائے اس کا جواب یہ ہے کہ کمال کی وجہ سے حضور انور نے عروہ بن مسعود کے حق یہ فرمایا کہ یہ مثل صاحب یامین کے ہیں یا عشرین کے حق میں یہ فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں میں اُن سے ہوں تو یہ وصف اُن ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہو گیا کیونکہ اسی طرح آپنے حضرت علی سے بھی فرمایا تھا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اسی طرح زید سے یہ فرمایا تھا تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو یہ وصف بھی زید ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اُسامہ کے حق میں بھی یہی ارشاد ہوا تھا۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ ایسی مثالیں اور تشبیہیں بہت سی ہیں جن سے کسی طرح بھی مماثلت ہونی ثابت نہیں ہوتی قرآن شریف میں خداوند تعالےٰ نے

بہت سے مثالیں دی ہیں بعض کا قول ہے قرآن مجید میں بیالیس مثالیں ہیں اب کسی کا یہ کہنا کہ حضور انور نے سوائے نبوت کے ہر چیز میں علی کو بمنزلہ ہارون کے کر دیا تھا. بالکل غلط اور بے اصل ہے کیونکہ حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون کے کر دیا تھا. بالکل غلط اور بے اصل ہے کیونکہ حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے اس امر کی صاف دلیل ہے کہ حضور انور نے اُنہیں راضی کرنے اور ان کا دل خوش کرنے کے لیے فرمایا تھا کیونکہ اس جانشینی میں محض خیالات کی وجہ سے ایک رنج پیدا ہو گیا جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں. شیعی علماء کی اس قابلیت کو ملاحظہ کیجئے کہ خود ان ہی کے اقوال میں کس درجے تناقض ہے کیونکہ یہ حدیث تو اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ حضور انور نے سوائے غزوۂ تبوک کے کبھی علی سے ایسا نہیں فرمایا پس اگر علی کی یہ ولی عہدی مشہور ہوتی کہ حضور انور کے بعد یہ خلیفہ کیے جائیں گے جیسا کہ علامہ شیعی علما پہلے بیان کر چکے ہیں تو علی کو پھر فکر کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ بالکل رہے اس لئے کہ وہ بقول شیعی اصحاب کے نبی کی زندگی بھی اور آپ کے بعد بھی مثل ہارون کے تھے آپ کبھی روتے ہوئے دوڑے نہ آتے اور یہ بات حضور کی خدمت میں نہ عرض کرتے کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں کیا جنگ میں جانے کے قابل نہیں ہوں یا رکھوا اگر علی ہر طرح بمنزلہ ہارون کے ہوتے تو مدینے کا خلیفہ اُن کے سوا اور کوئی بھی نہ کیا جاتا حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا آپ مدینے کا خلیفہ اوروں کو بناتے رہے یہاں تک کہ خود علی کی موجودگی میں بھی ایسا ہوا چنانچہ جنگ خیبر میں اپنا خلیفہ کسی دوسرے شخص کو حضور انور نے کیا تھا ان کے ماتحت علی کے ماتحتوں سے ہر طرح افضل واعلے تھے غزوہ تبوک کے بعد حجۃ الوداع میں بھی کسی اور ہی شخص کو خلیفہ کیا تھا مدینہ منورہ میں سب سے آخری حضور انور کی جانشینی یہی تھی جو حجۃ الوداع کے سال ہوئی تھی ان دنوں حضرت علی یمن گئے ہوئے تھے ہاں حج کے موسم میں آ گئے تھے حالانکہ آپ مدینے میں موجود تھے. اس پر بھی آپ کو خلیفہ نہیں کیا اب اگر اصل قاعدہ یہی ہے کہ جو پہلے خلیفہ ہو گیا ہو وہی ہوا کرے تو جو شخص حجۃ الوداع میں خلیفہ تھا وہ بعد میں خلیفہ ہونے کا اس سے زیادہ حقدار ہے جو اس سے پہلے ہو چکا تھا.

خلاصہ یہ کہ مدینے کی جانشینیوں میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں نہ ہو افضلیت پر دلالت کرتی ہیں اور نہ امامت پر کیونکہ علی کے سوا آپ نے بہت سے آدمیوں کو جانشین کیا ہے جیسا کہ

اوپر ثابت ہو چکا ہے لیکن شیعی علماء ان فضائل کو جو علی وغیرہ میں مشترک ہیں خاص علی ہی کے لیے کر دیتے ہیں اور یہی طریقہ ہے کہ جو اُمور علی وغیرہ میں مشترک ہیں اُنہیں علی ہی کے ساتھ مخصوص کر کے ان پر ایسی چیزیں مرتب کرتے ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً معصوم ہونا، امام ہونا یا سب سے افضل ہونا حالانکہ یہ سب کی سب متقی اور معصوم ہیں جو شخص حضور انور رسول اللہ ﷺ اور سیرۃ صحابہ کے احوال اور قرآن وحدیث کے معنی سے واقف ہوتا وہ ضرور پہچان لیگا کہ یہاں ایسی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو علی کے افضل ہونے اور امام ہونے کو ثبوت کرے بلکہ علی کے سارے فضائل مشترک ہیں اس قسم کے مشترک فضائل سے یہ تو فائدہ ہوتا ہے کہ حضرت علی کے ایمان اور انکی ولایت کی تائید سے اُن فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو علی کو فاسق اور فاجر کہتے ہیں اور انکی شان میں وہی باتیں بناتے ہیں جیسے شیعی علماء خلفاء کی شان میں دل آزار اور بے بنیاد باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کے لگاتے ہیں حضرت علیؓ کے جو فضائل واقعی ثابت ہیں اُن میں اصل یہ ہے کہ ان ہی فرقوں کا رد ہے جیسا کہ خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں شیعی علماء کی خیال آفرینیوں کا پورا جواب ہوتا ہے۔ مثلاً عثمان کی شان میں شیعہ اور خوارج دونوں فرقے سخت گستاخی کرتے ہیں لیکن شیعان عثمانؓ آپ کے ایمان اور امام ہونے پر پورا عقیدہ رکھتے ہیں اور طرح طرح کے اعتراض علی کی امامت پر کر کے اُنہوں نے ایک طوفان برپا کر دیا ہے لیکن وہ اپنی اس بدعت میں اُن لوگوں سے بدر جہا بہتر ہیں جو علی کے سوا سب کو ہی بڑا کہتے ہیں زیدیہ فرقے کے لوگ جو ابو بکر وعمرؓ کی سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس میں بہت مضطرب ہیں۔

اب یہ بات غور کرنے اور سمجھنے کی ہے کہ اپنے زمانہ ءحیات میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا درحقیت ایک طرح کی نیابت ہے جسکی ہر حاکم کو ضرورت پڑتی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو حضور انور کے زمانہ حیات میں بعض لوگوں پر خلیفہ ہونے کے قابل ہوا ہو وہ حضور انور کی وفات کے بعد بھی اس کا ضرور قابل ہو دیکھو حضور انور ﷺ نے اپنی زندگی میں بہت سے آدمیوں کو خلیفہ کیا تھا مگر آپ کی وفات کے بعد ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی طرح خلافت کے قابل نہیں ہو سکتے تھے جیسا کہ بشر بن منذر وغیرہ وجہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں تو آپ سے ان امور کی باز پرس ہو سکتی ہے جو آپ کے ذمہ واجب تھے مثلاً لوگوں کے حقوق وغیرہ کی حافظت کرنی لیکن آپ کی وفات کے بعد ان امور میں آپ سے کسی کی باز پُرس نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ نے تبلیغ رسالت کی امانت ادا کر دی اور اُمت کو ہر

طرح سے نصیحت کردی. پس آپ کی زندگی میں دشمنوں سے جہاد کرنا مال فی سبیل اللہ تقسیم کرنا. حدود الٰہی قائم کرنا. عاملوں کو مقرر کرنا وغیرہ وغیرہ. آپ پر واجب تھا جیسا کہ آپ کے بعد اور ولاۃ الامور پر واجب ہوا لیکن آپ کی وفات کے بعد ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں رہی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زندگی میں خلیفہ کرنے کی صورت اور ہے مرنے کے بعد خلیفہ کرنے کی صورت دوسری ہے مثلاً اگر کوئی اپنی زندگی میں اپنی اولاد پر اپنا خلیفہ کردے اور اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنے کی اُسے ہدایت کر دے تو یہ مخصوص وکیل ہوگا جو کچھ اُسکے موکل نے اُسے حکم دیا ہوگا یہ اُسی کا انجام دیگا اور اگر کسی نے اپنی اولاد پر اپنے مرنے کے بعد کے واسطے خلیفہ کیا ہے تو وہ وکیل نہ ہوگا بلکہ مستقل ولی ہوگا اُسے اختیار ہوگا ک وہ ہر کام کو مصلحت دیکھ کر اپنی مرضی سے کرے اسی طرح اولوالامر یعنی حاکموں کا حال ہے کہ اگر ا جن میں سے کوئی اپنی میں کسی کو خلیفہ بنادے تو یہ خلیفہ خاص خاص مقدموں میں اُسے حکم کے مطابق کریگا لیکن اگر کسی نے اپنے مرنے کے بعد کے واسطے کسی کو خلیفہ بنایا تو اُس خلیفہ کو پیش آنے والے اُمور میں اپنے اختیار سے تصرف کرنے کا حق ہوگا. کیونکہ اس تصرف کی نسب خاص اُسی کی طرف کیا جائے گی نہ کہ میت کی طرف جس نے اُسے خلیفہ بنایا ہے. بخلاف اُس وکیل کے جو اپنے موکل کی زندگی میں اُسکے حکم کو انجام دے امور کی اس قسم کی انجام وہی موکل ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اُس کے حکم کو انجام دے امور کی اس قسم کی انجام دہی موکل ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اُس وکیل کی طرف. اس بحث سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان دونوں صورتوں میں بعد المشرقین ہے بالغ نظر اور سمجھدار آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی نے اپنی زندگی میں بعض کاموں پر کسی کو خلیفہ کردیا ہو اور وہ خلافت ختم بھی ہوگئی ہو تو پھر اُسکے مرنے کے بعد بھی وہی خلیفہ ہو تعجب ہے کہ شیعی علماء نے اس پر غور نہیں کیا حالانکہ وہ معقول اور منقول کے علم کے سب سے زیادہ مدعی ہیں ایک اچھی سمجھ کا نوجوان لڑکے بھی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے.

شیعی علماء کی چوتھی حدیث: (بقول شیعی علماء) حضور انور رسول خدا ﷺ سے جمہور نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے امیر المومنین سے فرمایا تھا انت بمنزلة اخی ووصی وخلیفتی من بعد وقاضی دینی یعنی تم میرے لیے بمنزلہ میرے بھائی میرے وصی بعد میرے خلیفہ اور میرے

قرض کے ادا کرنے والے کے ہو پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس بارے میں نص ہے۔

جواب: اوّل ہم اس حدیث کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ یہ حدیث ان کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہے جن کے مصنفین کے محض نقل کر دینے کی اسناد سے حجت ہو جاتی ہے نہ ائمہ حدیث میں سے کسی امام نے اُسے صحیح کیا اسکے علاوہ شیعی علماء کا یہ فرمانا اُسے جمہور نے روایت کیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ جمہور سے کون لوگ مراد ہیں اگر وہ علماء حدیث مراد ہیں جو اپنی کتابوں میں قابل حجت حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ جیسے امام بخاری اور امام مسلم اور اُنہوں نے اُسے صحیح کہا ہے تو یہ اُن علماء پر یقیناً بہتان اور افترا ہے اور اگر جمہور سے یہ مراد ہے کہ ابو نعیم اور خطیب خوارزم وغیرہ نے لکھ مارا ہے تو یہ کسی طرح بھی جمہور نہیں ہو سکتے۔ ان کا کتابوں میں اِس حدیث کا منقول ہونا کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ یہاں تک کہ اصول تو اصول کسی فروعی مسئلے میں بھی ان کا نقل کرنا حجت نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ امامت کے مسئلے میں حجت ہو جس پر شیعی علماء کی طبع آزمائیاں، خیال آفرینیاں اور تراش خراش نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے اور اُسکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر کل محدثین کا اتفاق ہے بقول ابن حزم کے اس قسم کی سب حدیثیں موضوع ہیں جسے احادیث اور ان کی نقل سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ جان سکتا ہے کہ یہ حدیث اور اس جیسی اور حدیثیں ضعیف ہی نہیں بلکہ یقیناً جھوٹی اور موضوع ہیں اسی واسطے محدثین میں سے کسی نے بھی اُسے ان کتابوں میں نقل نہیں کیا جنکی حدیثوں سے حجت قائم کی جاتی ہے ہاں ان لوگوں کی کتابوں میں یہ حدیثیں موجود ہیں جن میں جھوٹی سچی سب حدیثوں سے حجت قائم کی جاتی ہے ہاں ان لوگوں کی کتابوں میں یہ حدیثیں موجود ہیں جن میں جھوٹی سچی سب حدیثوں کا انبار لگا ہوا ہے سچی کم اور جھوٹی زیادہ ثعلبی اور واحد وغیرہ کی تفسیروں کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ان میں اسی قسم کی غلط اور موضوع روایتیں بھری ہوئی ہیں اسی طرح وہ کتابیں ہیں جو لوگوں نے فضائل میں تصنیف کی ہیں خاص کر خطیب خوارزم جو جھوٹی حدیثوں کے نقل کرنے میں سب کا استاد ہے اِس قسم کی روایتوں کے جمع کرنے کا یا ایسے جھوٹے اور بے جوڑ ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کا قرض علی نے کبھی ادا نہیں کیا بلکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضور انور کی وفات ہوئی تو آپ زرہ تیس وثق جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن تھی یہ جو آپ

نے اپنے گھر کے خرچ کے واسطے لیے تھے بس یہی ایک قرض تھا جو آپ کے ذمے تھا اور جو اس زرہ سے ادا کر دیا گیا تھا جسے آپ نے رہن رکھتا تھا باقی اِسکے علاوہ اور قرض حضور انور ﷺ کے ذمے ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے وارث نہ دینار تقسیم کرینگے اور نہ درہم کیونکہ میں اپنی بیبیوں کے خرچ اور عاملوں کی تنخواہوں کے سوا جو کچھ چھوڑوں وہ سب صدقہ ہے پس اگر آپ کے ذمے کچھ اور قرض ہوتا تو آپ کے ترکے میں سے پہلے وہ قرضہ ہی ادا کیا جاتا کیونکہ یہ صدقے ہونے سے مقدم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے.

شیعی علماء کی پانچویں برہان حدیث مواخاۃ: (بقول شیعی علماء) انس روایت کرتے ہیں کہ مباہلہ کے دن جب نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کرادی تو علی خاموش کھڑے ہوئے تکتے رہے اور جب یہ معاملہ ختم ہوگیا تو انہیں سخت مایوسی ہوئی اور وہ روتے ہوئے اپنے گھر واپس چلے آئے. نبی ﷺ نے علی کو جب اس صورت سے واپس جاتے دیکھا تو صحابہ سے دریافت کیا کہ یہ بات کیا ہے کہ علی ایسے مفہوم ہو کے واپس گئے ہیں صحابہ نے عرض کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ علی کیوں روتے ہوئے اور آنکھیں ملتے ہوئے واپس گئے جب علی گھر پہنچے تو فاطمۃ الزہرا کو سخت تعجب ہوا کہ علی کی آج کیا حالت ہے. اُنہوں نے تعجب سے دریافت کیا آپ روتے کیوں ہیں علیؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار میں تو مواخاۃ کرادی مگر میری کسی سے مواخاۃ نہیں کرائی اس پر بی بی فاطمہؓ نے فرمایا رونے کی کوئی بات نہیں ہے تم کیوں آزردہ ہوتے ہو. والد ماجد نے شاید تمہیں اپنے لیے رہنے دیا ہو. یہ گفتگو ہی ہو رہی تھی کہ بلال پہنچے اور اُنہوں نے علی سے کہا کہ رسول اللہ یاد فرماتے ہیں ابھی میرے ساتھ چلو علیؓ اُسی وقت بلال کے ساتھ چلے آئے. جوں ہی حضور انور نے انہیں دیکھا ارشاد کیا اے ابوالحسن تم کیوں روتے تھے. علی نے اپنے رونے کا سبب بیان کیا رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمیں تو اپنے لیے رکھ چھوڑا تھا کیا تم اِس سے خوش نہیں ہو کہ نبی کے بھائی ہو عرض کیا کیوں نہیں. پھر رسول اللہ علی کا ہات پکڑ کے ممبر پر کھڑے ہوئے اور یہ دعا کی.

"خداوندا یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"

پھر اپنے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا یاد رکھو علیؓ میرے لیے ایسا ہے. جیسا موسیٰ کے لیے ہارون تھا.

ی... جسکا میں مولی ہوں علی بھی اُس کا مولی ہے. جب علی وہاں سے (شادان و فرحان) چلنے لگے تو عمر ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور یہ کہا اے ابوالحسن واہ واہ اب تو تم میرے اور سب مسلمانوں کے مولی ہو گئے ... یہ مواخاۃ افضلیت پر دلالت کرتی ہے. لہٰذا علیؓ کے سوا اور کون امام ہو سکتا ہے. فقط

جواب: یہ عجیب و غریب کہانی شیعی علماء نے بغیر کسی اصلی یا فرضی سند کے لکھ دی ہے. عموماً اب تک تو یہ قاعدہ رہا کہ ہر کہانی کو کسی کی طرف ضرور منسوب کیا گیا غلط یا صحیح مگر اس کہانی کو بالکل معلق چھوڑ دیا اور کوئی جھوٹی سچی سند اسکی نقل نہیں کی. جب سند ہی کوئی نہیں تو اب اس پر انسان گفتگو ہی کیا کرے ایسی ایسی کہانیاں بلکہ اس سے متین اور کہیں سنجیدہ تو مشرقی قصہ گو اچھی طرح گھڑ سکتے ہیں. لہٰذا ہمارا یہ سوال باقی رہتا ہے کہ یہ قصہ شیعی علماء نے کہاں اُڑایا اور کس عجیب و غریب کتاب سے نقل کیا. دوسرے اہل حدیث کے نزدیک یہ روایت بالکل موضوع ہے اور محدثین اُسکے موضوع ہونے پر مطلق شبہ نہیں کرتے. جسے علم حدیث سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اُسکے جھوٹ ہونے کی صاف شہادت دیگا. ہم عنقریب اس کا بیان کریں گے. تیسرے یہ تو یہ علی سے مواخاۃ ہونے کی جتنی حدیثیں ہیں سب موضوع ہیں. حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کسی سے مواخاۃ نہیں کی نہ آپ نے ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے کرائی. نہ ابوبکرؓ و عمرؓ میں نہ ایک انصاری کی دوسرے انصاری سے کرائی. اس پر ہم کافی طور پر گزشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں. یہاں چونکہ دوبارہ ذکر آ گیا ہے لہٰذا اس قصہ پر اور روشنی ڈالتے ہیں. اسکی اصلی کیفیت یہ ہے کہ مدینہ میں جب آپ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں بے شک مواخاۃ کرائی تھی.

چوتھے اس حدیث کے جھوٹی ہونے کی کئی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ مباہلہ کے دن مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کرائی گئی تھی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے مباہلہ تو نجران کے نصاریٰ کے وفد (ڈپوٹیشن) کے آنے پر ہوا تھا جو ۹ یا ۱۰ھ ہجری میں مدینہ آیا تھا اور جب ہی آل عمران کی سورۃ نازل ہوئی تھی. اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مباہلہ مواخاہ کے بعد ہوا ہے. اسکے علاوہ نصاریٰ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ نہیں کیا. ہاں اسکی دعوت حضور انور نے بے شک دی تھی اُنہوں نے اس دعوت پر آپ سے مہلت مانگی اور باہم مشورہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کے کہہ دیا کہ آپ بے شک نبی ہیں اور نبی سے جب کسی قوم نے مباہلہ کیا وہ نیست و نابود

ہوگئی ہے ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرتے بلکہ جزیہ دینے کا اقرار کرتے ہیں. چنانچہ اُنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کرلیا اور مباہلہ پر بالکل آمادہ نہیں ہوئے اور اہل کتاب میں سب سے پہلے لوگ تھے جنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کیا تھا اور اس پر علماء متفق ہیں کہ اُس روز مواخاۃ نہیں ہوئی اور نہ مواخاۃ کی اُس وقت کچھ ضرورت تھی. پانچویں مہاجرین اور انصار ا ہجری میں نبی نجار کے گھر موا ... ہوئی تھی اس لحاظ سے مباہلہ اور اُس کے درمیان کئی سال کا فاصلہ ہوا. چھٹے مواخاۃ تو مہاجرین اور انصار میں ہوئی تھی جیسا کہ ہم کئی بار ثابت کر چکے ہیں اور حضور انور اور علی مہاجرین میں سے تھے. مہاجرین کی مہاجرین کے ساتھ مواخاۃ کیسی. ہاں حضور انور ﷺ نے علی اور سہل بن حنیف میں مواخاۃ ضرور کرائی تھی اور بس. اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ خود آپ نے علی سے مواخاۃ نہیں کی. صحیحین سے بھی یہی ثابت ہے کہ مواخاۃ مہاجرین اور انصار میں ہوئی تھی ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے کبھی نہیں ہوئی اور نہ اس کی ضرورت تھی.

ساتویں. پھر حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسا موسیٰ کے لیے ہارون تھے محض غلط اور بالکل ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ. غزوۂ تبوک میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں آپ نے فرمایا ایک دفعہ ضرور فرمایا تھا باقی اور کسی موقع پر ایسا نہیں فرمایا. اس پر کل محدثین کا اتفاق ہے. اب رہی موالاۃ کی حدیث اس کی بحث بھی ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں مگر یہاں اور چند الفاظ اس کی نسبت کہنا چاہتے ہیں ملاحظہ ہو.

اس حدیث کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آپ نے فقط ایک مرتبہ غدیر خم کے موقع پر فرمایا تھا. اسکے سوا پھر کبھی نہیں فرمایا.

آٹھویں مواخاۃ پر پہلے بحث ہو چکی ہے. اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس میں صاف طور پر عموم اور اطلاق ہے. لہٰذا نہ اس سے افضلیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ امامت. بلکہ ابوبکر کے لیے ایسی فضیلت ثابت ہے کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں بن سکتا. حضور انور نے فرمایا ہے ولو کنت متخذ اخلیلا لا تخذت ابا بکر خلیلا اس کے علاوہ حضور انور کا بار بار یہ فرمانا مجھے سب سے زیادہ ابوبکر سے محبت ہے اور پھر صحابہ کا اس پر شہادت دینا کہ بے شک رسول اللہ کو سب سے زیادہ ابوبکر سے محبت تھی ایسی دلیلیں ہیں جو اس بات کو صاف ظاہر کرتی ہیں کہ مواخاۃ کی روایتوں سے

استدلال کرنا نقلاً اور دلالۃً ہر طرح باطل اور سراسر غلط ہے۔

نویں بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ مواخاۃ صرف مہاجرین میں کرائی گئی تھی اس بارے میں بھی بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں لیکن ٹھیک اور یقینی بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا اور اسکی بابت جتنی روایتیں ہیں وہ سب باطل ہیں۔ یا تو ان کے راویوں نے قصداً جھوٹ بولا ہے اور یا اُن سے غلطی اور خطا ہوگئی ہے اس وجہ سے اہل صحیح نے ان روایتوں میں سے کوئی روایت نقل نہیں کی یہ امور ایسے ہیں کہ جسے احادیث صحیحہ، سیر متواترہ اور حضور انور کے احوال و مواخاۃ کے سبب مقصود اور فائدہ سے کچھ بھی واقفیت ہو تو وہ اُنہیں بخوبی معلوم کرسکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضور انور نے مہاجرین اور انصار میں صلہ رحمی پیدا کرنے کے خیال سے مواخاۃ کرائی تھی اس تعلق کی وجہ سے یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الخ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت محکم ہے یا نہیں اس کی وجہ سے نسبی رشتہ دار ہونے پر بھی وارث ہوسکتا ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں پہلا قول امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، دوسرا امام مالک اور شافعی کا۔ اور امام احمد سے یہ دونوں روایتیں ہیں۔

شیعی علماء کی چھٹی حدیث یا روایتی بُرہان: (بقول شیعی علماء) تمام جمہور نے یہ روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے ۲۹ روز خیبر کا محاصرہ کیے رکھا تو جھنڈا علی کے پاس تھا مگر اتفاق سے اُن کی آنکھیں ایسی دُکھنے آگئیں کہ جھنڈا نہ رکھ سکے مخالفوں کی طرف سے ایک شخص مرحب نامی گرجتا ہوا اور کڑکتا ہوا باہر نکلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہوا اور کہا آؤ اگر کسی کو میرے مقابلہ کی تاب ہے۔ رسول اللہ نے ابوبکر کو بلایا اور کہا جھنڈا لو اور اس پہلوان کے مقابلہ میں جاؤ چنانچہ بادل نخواستہ ابوبکر نے جھنڈا لے لیا اور تھوڑی دور جاکے اُلٹے واپس چلے آئے اور مرحب کے مقابلہ میں جانے کی ہمت نہ ہوئی پھر عمر کو بلا کے رسول اللہ نے جھنڈا دیا وہ بھی تھوڑی دور گئے مگر مرحب کے مقابلہ کی تاب نہ لا کے بھاگے۔ اخیر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا آدمی دکھاؤں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں وہ کبھی بھاگنے والا نہیں ہے۔

علی آئے رسول اللہ نے اپنا آب دہن علی کی آنکھوں پر مل دیا علی کی آنکھیں فوراً کھل گئیں آپ ﷺ نے اپنا جھنڈا علی کو دے دیا۔ اللہ نے ان ہی کے ہاتھوں پر فتح کی. مرحب قتل ہوا. رسول اللہ کا یہ تعریف کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف علی کے سوا اور کسی میں نہیں ہے اور یہ ان کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہٰذا وہ امام ہوئے۔

جواب: مجھے سخت تعجب ہے کہ خیبر کا فسانہ ابھی تک عوام کے اسی طرح نوک زبان ہے جس طرح جدت پسند طبائع نے اُسے تراشا تھا. اس جنگ کی پوری اور اصلی کیفیت پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی قاعدہ جنگ ہے سے ناواقف نہ تھے بلکہ لڑتے وقت اُنہیں دشمن کی حالت اور اُس کی گھاتوں سے مطلق خبر نہ رہتی تھی. اس جنگ میں علی سے ایسی سخت غلطی ہوئی جس سے مسلمانوں کو چشم زخم اُٹھانا پڑا. دوسرے اس جنگ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ علی تنہا لڑنے میں تو بہت مشتاق تھے باقی ان میں یہ بھی قابلیت نہ تھی کہ وہ سو دو سو آدمیوں کو بھی با قاعدہ لڑا سکتے کل مورخ اس پر متفق اللفظ ہیں کہ خیبر کی کل گھاٹیاں علی کے ہاتھ پر فتح نہیں ہوئیں چونکہ اس جنگ میں ان سے سخت غلطی ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے یہ پیچھے رہ گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں بلالیا اور جھنڈے دے کے کہا کہ تم دروازہ میں داخل ہو جو فتح ہو چکا ہے. چونکہ علی کو سخت رنج پہنچا تھا اُنہیں دلاسا دے کے خوش کر دیا علی جس وقت جھنڈا لے کے اندر داخل ہوئے ہیں اس سے پہلے خیبری اپنے کو سپرد کر چکے تھے اور علی کے داخل ہونے پر نکسیر تک کسی کی نہیں پھوٹی سمجھ نہیں آتا کہ یہ غل وشور محض ہوائی باتوں پر کیوں اس قدر مچا رکھا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ. بات ساری یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ذات کل اوصاف سے خالی ہوتی ہے اور واقعی خوبیاں اس میں نہیں ہوتیں اور اُس کے معتقد اُس کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو وہ دنیا بھر کے فرضی اوصاف زبردستی اُسکے سر چپیک دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے پیر کی بڑی کار گزاری کی حالانکہ اس سے بالغ نظروں میں اس پیر کی وقعت اور کم ہو جاتی ہے اور کچھ ذرا اگر اُس میں کوئی وصف بھی ہوتا ہے تو وہ بھی فرضی اوصاف کی رو میں بہ جاتا ہے. جو روایت شیعی علماء نے بیان کی ہے اُس پر کل محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ بالکل غلط اور موضوع ہے ہاں صحت کے ساتھ جو روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

جنگ خیبر میں علی غیر حاضر رہے. عذر یہ کہ اُن کی آنکھیں دکھتی ہیں. مگر زیادہ عرصہ رسول اللہ کی

شرف ملازمت سے غیر حاضری علی کو کٹھن گزری تو آپ خود ہی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اُن کے پہنچنے سے پہلے رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ جھنڈا اُسے دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں.

اس سے پہلے نہ جھنڈا ابوبکر کو دیا تھا اور نہ عمرؓ کو، عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ اُس روز سب کی خواہش تھی کہ جھنڈا اُسے ملے چنانچہ میری بھی یہی خواہش تھی. صبح ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے علی کو بلوایا علی آ گئے. آپ نے اپنا دہن اُن کی آنکھوں میں لگا دیا. اُنہوں نے آنکھیں کھول دیں. آپ نے اُنہیں جھنڈا دے دیا کہ کچھ تو علی کی بھی اپنے ہمہ چشموں میں توقیر ہو. پکی پکائی تھی صرف قلعہ میں داخل ہونا تھا اور بس. یہ روایت بیشک صحیح اور ثقہ راویوں نے اُسے روایت کیا ہے مگر واقعات خیبر پر اس سے کچھ بھی روشنی نہیں پڑتی. دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ علی سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اگر صحیح ہے تو فرقہ نواصب پر رد ہے. لیکن جن شیعی علماء کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد صحابہ مرتد ہو گئے تھے وہ اس سے استدلال نہیں کر سکتے. کیونکہ اُن کے مقابلہ میں خوارج کا یہ قول ہے کہ علی بھی مرتدین ہی میں سے تھے. اشعری نے کتاب المقالات میں لکھا کہ علی کے کافر ہونے پر تمام خوارج کا اجماع و اتفاق ہے. اس کا جواب اگر کچھ دیا یا دیں گے تو سُنی ہی دیں گے مگر جو دلیلیں علی کے مسلمان ہونے کی بیان کی جائیں گی وہ مشترک ہونگی یعنی باقی صحابہ ثلثہ کے ایمان اور کامل الایمان ہونے کا ثبوت بھی اِن ہی دلیلوں سے معلوم ہو جائے گا. اب دیکھئے کہ جو دلیلیں صحابہ ثلثہ کے ایمان ثابت کرنے کی دیجاتی ہیں اُن میں شیعی علماء نقص نکالتے ہیں لہٰذا شیعی علماء خوارج کے مقابلہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکتے کہ علی کی موت ایمان پر ہوئی. جو دلیل علی کے ایمان کی پیش کیجائے اسی میں ایسا نقص ہے جو شیعی اصل قاعدہ ہی کو باطل کر دے گا کیونکہ اصل قاعدہ ہی میں گڑبڑ ہے.

جو وصف علی کا مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے یہ کسی طرح بھی کوئی خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ اور صحابہ بھی ایسے ہیں جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اُن سے محبت رکھتا ہے. اس حدیث میں خاص علی ہی کے لئے شہادت ہونی بعینہ ایسی ہے جیسی حضور انور نے عشرہ مبشرہ کے لیے جنتی ہونے کی شہادت دی تھی اور جیسا ثابت بن قیس کے لئے جنت کی شہادت دی تھی اور عبدالرحمٰن کے لیے یہ شہادت دی تھی کہ اُنہیں اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت ہے حالانکہ

یہی عبدالرحمٰن کئی بار شرعی حدود میں پٹ بھی چکے تھے. باقی شیعی علماء کا یہ دعویٰ کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وصف علی کے سوا اور کسی میں نہیں دو طرح سے باطل ہے.

اوّل یہ کہ اِسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے فقط اتنی خصوصیت نکلتی ہے کہ یہ فتح علی کے ہاتھوں ہوگی مگر اس ایک خاص فتح کے علی کے ہاتھوں پر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ علی سب سے افضل ہو جائیں چہ جائے کہ وہ اس خصوصیت سے امامت کے مستحق ہوں.

دوم ہم خصوصیت ہی کو تسلیم نہیں کرتے یعنی ہم اِسے نہیں مانتے کہ اس سے خصوصیت ثابت ہوتی ہے مثلاً اگر کسی نے یہ کہا میں یہ روپیہ ایک فقیر کو یا ایک نیک آدمی کو دوں گا یا یہ کہا کہ آج میں ایک بیمار صالح آدمی کو بلاؤں گا یا یہ جھنڈا ایک بہادر آدمی کو دونگا تو ان سب لفظوں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جواُسے ثابت کرے کہ یہ صفت فقط ایک ہی آدمی میں پائی جاتی ہے بلکہ یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس صفت کے آدمی کے ساتھ ان کی خصوصیت ہے. اب رہا یہ کہ اور کسی میں بھی یہ صفت ہے یا نہیں اِس کا اس میں کچھ ذکر نہیں ہے. فرض کرو کسی نے یہ نذر مانی کہ میں ایک ہزار روپے کسی نیک اور فقیر کو صدقہ دوں گا اور پھر وہ کسی کو دے دے تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ جس شخص کو یہ روپے دیے وہی نیک اور فقیر تھا اور دوسرا زمانہ میں نہ کوئی نیک ہے نہ فقیر.

اسے بھی جانے دو اب نفس معاملہ پر خیال کرو اگر اس وقت ہم علی کا افضل ہونا مان بھی لیں تو اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ اسکے بعد بھی ان سے کوئی افضل ہوگا. اسی طرح اگر ہم ان کی افضلیت کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ اُن کے امام معصوم منصوص علیہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا. کیونکہ بہتیرے شیعہ زیدیہ اور متاخرین معتزلہ وغیرہ علی کے افضل ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور پھر ابو بکرؓ ہی کو امام کہتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک مفضول کا امام ہونا جائز ہے ان کے سوا اس کے جواز کے اکثر وہ لوگ بھی قائل ہیں جو خلفائے اربعہ میں ایک دوسرے پر فضیلت دینے میں توقف کرتے ہیں یا جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی یقینی دلیل کسی خاص شخص کی فضیلت پر قائم نہیں ہوسکتی. خلاصہ یہ ہے جنہیں سنت صحیحہ سے کچھ واقفیت نہیں ہے وہ اس میں شک کرتے ہیں باقی مشہور ائمہ مسلمین ہیں کہ ابو بکر اور عمر عثمان اور علی سے بیشک افضل ہیں اور اس اجماع کو بہت سے علماء نے نقل کیا ہے چنانچہ بیہقی نے کتاب مناقب الشافی میں لکھا ہے کہ ابو بکر و عمر کو تمام صحابہؓ سے مقدم اور افضل

ہونے میں صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، امام مالک نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر اور افضل تو ابوبکر ہیں اور اُن کے بعد دوسرے درجہ میں عمر ہیں۔

یہ بحث ہمارے گزشتہ صفحات میں بھی ہو چکی ہے۔ اسی بارے میں خود علی سے ایسی روایتیں متواتر منقول ہیں اور یہ ایک ایسا مسئلہ اہل علم کو اس پر پورا یقین ہے۔ جو شخص اللہ کے پیغمبر اور اُس کے صحابہ کے سچے حالات سے واقف ہو وہ اُس میں ہرگز شبہ نہیں کر سکتا۔

شیعی علماء کی ساتویں حدیث طائر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک شخص بھنا ہوا پرندہ لایا حضور انور نے اُسوقت یہ دعا کی اے اللہ میرے پاس ایسے آدمی کو بھیج دے جو تجھے اور مجھے تیری ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو تا کہ میرے ساتھ اس بُھنے ہوئے پرندے کے کھانے میں شریک ہو جائے۔ یہ دعا فوراً درجہ اجابت کو پہنچی اور علی آحاضر ہوئے اور دروازہ پر دستک دی۔ انس نے یہ کہہ دیا کہ رسول اپنے کسی خاص کام میں ہیں ابھی دروازہ نہیں کھلتا۔ علی یہ سن کے چلے گئے۔ پھر رسول اللہ نے دوبارہ دعا کی پھر علی آئے اور پھر انس نے یہی کہہ کر انہیں واپس کر دیا، سہ بارہ حضور انور نے دعا کی اور معاً علی آ کے پہنچے اور اب کے دروازہ اس زور سے کھٹکھٹایا کہ حضور انور نے بھی اُسکی آواز سن لی دریافت کیا کون ہے۔ انس نے کہا علی۔ حکم ہوا اندر بلالو علی اندر آئے حضور انور نے پوچھا علی اتنی دیر کہاں تھے۔ علی نے عرض کیا کہ میں تو اِس سے پہلے دو دفعہ ہو گیا تھا انس نے کہہ دیا کہ حضور انور خاص کام میں ہیں میں واپس چلا گیا اس پر انس سے دریافت کیا تم نے ایسا کیوں کیا عرض کیا محض اس لیے کہ یہ دعا انصار کے حق میں ہو جائے حضور انور نے فرمایا اے انس کیا انصار میں کوئی علی سے افضل ہے؟ پس جب اللہ کو اس کی ساری مخلوق سے علی محبوب ہوئے تو ان کا امام ہونا واجب ہے۔

جواب: اِسکے چند جواب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ حدیث محض غلط اور موضوع یا بناوٹی ہے، دوسرے جمہور پر اس کے نقل کرنے کا صرف اتہام ہی اتہام ہے۔ کیونکہ اصحاب صحاح میں سے اس پرندوالی حدیث کو کسی نے بھی روایت نہیں کیا، نہ ائمہ حدیث نے اُسے صحیح کہا۔ ہاں یہ ان روایتوں میں سے

ہے جنہیں بعض لوگوں نے نقل کیا ہے جیسا انہوں نے علی کے سوا اوروں کے فضائل میں بھی ایسی ہی روایتیں نقل کی ہیں۔ امیر معاویہ کے فضائل میں تو بہت سی حدیثیں مروی ہیں یہاں تک کہ لوگوں نے مستقل کتابیں تک لکھ ڈالیں کہ اگر علی کی فضیلت کی کل روایتیں جمع کی جائیں تو معاویہ کی فضیلت کی حدیثوں سے وہ روایتیں 1/16 حصہ تعداد میں نکلیں گی لیکن محدثین نہ اُنہیں صحیح کہتے ہیں نہ انہیں۔

دوسرے اہل علم کے نزدیک یہ پرندوالی حدیث مکذوبات موضوعات میں سے ہے کسی نے اس حدیث کی نسبت حاکم منیشاپوری سے پوچھا تھا اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ حدیث کسی سند سے صحیح نہیں ہے۔ تماشا یہ ہے کہ حاکم شیعی مذہب کی طرف کافی میل رکھتا ہے۔ لوگوں نے چاہا کہ وہ اسی طرح معاویہ کہ فضائل کی حدیثیں بھی روایت کرے۔ جس طرح وہ علی کی کیا کرتا ہے اُس نے یہ جواب دیا کہ میرا دل ہی قبول نہیں کرتا کہ معاویہ کی فضیلت کی ایک حدیث بھی بیان کروں۔ اربعین میں اُس نے بہت سی ضعیف بلکہ موضوع نقل کی ہیں مگر اس کا اور اس جیسے اور علماء مثل ابن عبدالبر وغیرہ کا شیعہ ہونا اس درجہ کا نہیں ہے۔ کہ یہ علی کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دینے لگیں بلکہ اُن کے شیعی ہونے کی حد یہ ہے کہ علی کو عثمانؓ پر فضیلت دے دیتے ہیں یا اُن کے مقابلین کی تعریف بیان کرنے سے اعراض کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ صرف پرند کے کھانے میں تو کوئی ایسا امر نہیں ہوسکتا اُسکے کھانے کے لیے وہ آدمی طلب کیا جائے جو خدا کی کل مخلوق سے محبوب ہو کیونکہ کھانا کھلانا تو نیک و بد سب کے لیے مشروع ہے اور محض کھانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک کوئی بڑائی اور قربت نہیں ہے نہ اس میں دین و دنیا کی کوئی مصلحت ہے۔

چوتھے۔ یہ حدیث شیعی مذہب کے بالکل خلاف اور مناقض ہے کیونکہ شیعہ قائل ہیں کہ نبی اس بات کو خوب جانتے تھے کہ علی اللہ کے نزدیک اُس کی ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ کہ رسول اللہ نے اپنے بعد علی کو خلیفہ بھی کر دیا تھا مگر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسکی خبر نہ تھی کہ اللہ کے نزدیک اسکی ساری مخلوق میں اس کا محبوب کون ہے۔ پانچویں یا تو رسول اللہ ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ خدا کی ساری مخلوق میں علی محبوب ہیں۔ یا نہیں جانتے تھے۔ اگر اسے آپ جانتے تھے تو ممکن تھا کسی آدمی کو بھیج کے آپ علی کو بلوا لیتے۔ جیسا کہ ضرورت کے وقت آپ کسی صحابی کو بلوا لیتے تھے۔ یا آپ اس طرح دعا کرتے تھے: اے اللہ علی کو بھیج دے کیونکہ وہ تجھے تیری ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا آپ کو اس طرح دعا کرنے اور اس میں ابہام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ علی کا نام

لے دیتے تو انس بھی اس فضول اُمید کرنے سے بچ جاتے اور نہ وہ علی کو روکنے کے لئے دروازہ بند کرتے.
اور اگر رسول اللہ کو یہ معلوم ہی نہ تھا تو پھر شیعی علماء کا یہ دعوے غلط ہو گیا کہ آپ اسے جانتے تھے.
اِسکے علاوہ شیعی علماء کی نقل کردہ روایت کے تو یہ الفاظ ہیں'' کہ جو تیرے اور میرے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو'' تو کیا آپکو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ کون محبوب ہے. چھٹے .وہ حدیثیں جو صحاح میں ثابت ہیں اور جن کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے اور جو سب کے نزدیک مقبول ہیں وہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہیں لہٰذا یہ جھوٹی حدیث جس کے صحیح ہونے کے وہ قائل نہیں ہیں ان حدیثوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتی ہے جنکی صحت پر سب کا اتفاق ہے. یہ سب امور بخاری اور مسلم کے دیکھنے والے کو بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لو کنت متخذ امن اھل الارض خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا یہ حدیث مستفیض بلکہ محدثین کے نزدیک متواتر ہے. کیونکہ یہ صحاح میں بہت سے طریقوں سے مروی ہے. مثلاً ابن مسعود، ابو سعید، ابن عباس اور ابن زبیر نے اُسے روایت کیا ہے اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں میں ابو بکر سے زیادہ حضور انور ﷺ کو اور کوئی محبوب نہ تھا کیونکہ خلت جس سے لفظ خلیل مشتق ہے کمال محبت کا نام ہے اور یہ اللہ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہے پس اگر یہ اور کسی کے لئے ممکن ہوا اور ابو بکر کے سوا اور کوئی اس کے قابل نہ ہو تو معلوم ہوا کہ ابو بکر آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں. اِسکے علاوہ صحیح حدیث میں ہے جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب زیادہ کس سے محبت ہے؟ فرمایا عائشہ سے. اُس نے پوچھا اور مردوں میں؟ فرمایا ابو بکر سے، دوسری دلیل یہ ہے صحابہ کا ابو بکر سے یہ کہنا کہ آپ ہم سب میں بہتر اور ہمارے سردار اور رسول اللہ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں عمر نے یہی الفاظ تمام مہاجرین اور انصار کے آگے کہے تھے لیکن کسی نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی جن سے معلوم ہو گیا کہ یہ بات ان سب کے نزدیک مسلم تھی. دوسرے نبی کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہے یعنی جس سے اللہ کو محبت ہوتی ہے اُس سے رسول کو بھی ہوتی ہے. اب چونکہ ابو بکر اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں یہی رسول کو بھی سب سے زیادہ محبوب ہونگے ہم اس کو مفصل طور پر گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں یہاں اسے مختصر اس لئے اور بیان کر دیا ہے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ پرندوالی حدیث یقیناً موضوعات میں سے ہے.

شیعی علماء کی آٹھویں حدیث: (بقول شیعی علماء) رسول اللہ ﷺ نے سب صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب کے سب علی کے امیر المومنین ہونے کو تسلیم کر لیں اور یہ فرمایا تھا کہ علی سید المرسلین، امام المتقین اور قائد المحجلین ہیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد یہ ہر مومن کے ولی ہیں اور علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی ہر مومن مرد اور مومن عورت سے بہتر ہیں۔ پس ان اوصاف کی وجہ سے اکیلے علی ہی امام ہوئے۔ اور یہ اوصاف اس بارے میں نصوص ہیں اور اس روایت پر جمہور کا اتفاق ہے۔ فقط۔

جواب: اسکا جواب بھی کئی طرح سے ہے۔ اول اس کی اسناد صحت کا کہیں پتہ نہیں لگتا اور شیعی علماء نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ حدیث کہاں سے نقل کی گئی ہے۔ جمہور کا ہرگز اس پر اتفاق نہیں ہے نہ جمہور نے اسے روایت کیا ہے۔ یہ جمہور پر بہتان عظیم ہے۔ یہ حدیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔ نہ صحاح نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ اور کسی میں اور اگر کسی نے یوں ہی اٹکل پچو کہیں نقل کر دی ہو جیسا اُس جیسی اور روایتیں بھی نقل کی گئی ہیں تو اس حالت میں یہ ایسی حجت نہیں ہو سکتی اتباع کرنا باتفاق تمام مسلمانوں کے واجب ہو۔ اِسے اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنا ہم حرام کر دیا ہے اور یہ بھی کہ ہم ایسی بات کہیں جسکا ہمیں علم ہو۔ ادھر حضور انور سے متواتر مروی ہے کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرے۔ دوسرے یہ حدیث باتفاق تمام محدثین کے جھوٹ اور موضوع ہے جسے حدیث میں کچھ بھی معرفت ہے وہ اسکے جھوٹ اور موضوع ہونے کے معلوم کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ حدیث اس قسم کی ہے کہ اُسے حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا روایت کرنے والا اس روایت کا خود ہی مصنف ہے۔ حضور انور جھوٹ سے بالکل منزہ اور مبرا ہیں۔ وجہ یہ اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سید المرسلین، امام المتقین اور قائد المحجلین تو حضور انور کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ کے بعد سب کے سردار علی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے بلکہ وہ الفاظ اس مطلب کے مناقض ہیں۔ کیونکہ سب مسلمان متقیوں اور محجلین سے افضل وہ لوگ ہیں جو حضور انور ﷺ کے زمانہ میں تھے حالانکہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں آپ کے سوا نہ کوئی اُن کا کوئی سردار تھا نہ امام تھا نہ قائد تھا پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ ایسی چیز کو بیان کریں جو ابھی تک

وجود میں بھی نہیں آئی اور اسے چھوڑ دیں جس کی اُن حاضرین کو سخت ضرورت تھی یعنی خود ان کا حال بیان کرنا۔ اسکے علاوہ قیامت کے دن تو قائد رسول اللہ ہونگے پھر علی کس کے قائد بنیں گے دوسرے یہ کہ شیعوں کے نزدیک تمام مسلمان محجلین کافر یا فاسق ہیں لہٰذا علی ان میں سے کس کے قائد رہیں گے۔ صحیح حدیث میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا تھا مجھے یہ تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو بعد میں دنیا میں آئیں گے۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی اُمت کے وہ لوگ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے آپ اُنہیں کیونکہ پہنچائیں گے فرمایا تم بتاؤ اگر کسی کے پچکلیان گھوڑے مشکی گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہ پہچان سکیں گے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ کیوں نہیں پھر حضور انور نے فرمایا تو بس قیامت کے دن میری امت کے آدمی وضو کی وجہ سے پچکلیان ہو کے سب سے علیحدہ معصوم ہونے اور میں اُنہیں حوض کوثر پر ملونگا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جس نے وضو کیا اور اپنے منہ. ہاتھ اور پیر دھوئے وہ بیشک غرا محجلین یعنی اُن پچکایانوں میں سے ہے اور اس قسم کے سب لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کو مقدم کہتے ہیں۔ اب اسکے مقابلہ میں شیعوں کو دیکھا جائے وہ نہ پیروں کو نیچے سے دھوتے ہیں اور نہ ٹخنوں کو لہٰذا یہ محجلین میں سے کیونکر ہو سکتے ہیں اور جب کوئی غرا محجلین نہ رہا تو علی پھر کس کے قائد ہونگے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ تحجلت پیروں کے اوپر کی سفیدی کو نہیں کہتے بلکہ تحجلت پیروں کے سفید ہونے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں میں خیال کر لیا جائے تو تحجلت ہاتھوں اور پیروں کے سفید ہونے کا نام ہے اور جب کسی نے دونوں پیر ٹخنوں تک نہ دھوئے تو وہ محجلین میں سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ اب حضور انور کے بعد علی کی سرداری اُن کے امام اور قائد ہونے کی بحث ہے تو دراصل یہ امر بالکل غلط ہے کہ علیؓ کو حضور انو ﷺ کے بعد سب کا امام اور قائد سمجھا جائے اور اس کا غلط ہونا بالاضطرار معلوم ہو جاتا ہے حضور انور نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ علیؓ ابوبکرؓ و عمر سے افضل ہیں بلکہ آپ ہمیشہ علی پر ابوبکر و عمرؓ کو اسطرح فضیلت دیتے تھے کہ عام اور خاص سب کو معلوم تھا کہ آپ کی جس بات سے مشرکین بھی آگاہ ہو گئے تھے چنانچہ جنگ احد کا واقعہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان نے جب پکارا کہ تم میں محمد (صلعم) ہیں اور یہ الفاظ اُس نے تین مرتبہ دھرائے تو اس پر حضور انور نے اپنے صحابہ کو حکم دے دیا کہ کوئی اس کا جواب نہ دو پھر اُس نے پکار کے کہا

کہ تم میں ابن ابی قحافہ ابوبکر ہیں یہ آواز بھی اُس نے تین مرتبہ دی اُس کا جواب بھی سکوت سے ملا پھر اُس نے تین ہی دفعہ ابن خطاب کو پکارا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے سردار نے سوائے محمد ﷺ ابوبکر و عمرؓ کے چوتھے کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ اور اُسکے ساتھ کل مشرک اس بات کو جانتے تھے کہ اسلامی خلافت کے سرغنہ یہی تین آدمی ہیں اور اسی سے اُسے قیام ہے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کل مشرکوں کے نزدیک یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی تھی کہ یہ دونوں محمد ﷺ کے وزیر ہیں اور یہی آپ کا کام انجام دیتے ہیں اور ان ہی کو محمد کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت ہے اور یہی اسلام کے اعلان کرنے میں سب سے زیادہ ہیں جب یہ کل حالات کفار تک کو معلوم تھے تو پھر مسلمانوں کو کس طرح نہیں معلوم ہو سکتے۔ اس قسم کی بہت سی حدیثیں متواتر ہیں اور جیسا کہ صحاح میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب عمر کو نہلانے کے لیے تختہ پر لٹایا گیا تو اُس وقت حاضرین کی عجیب کیفیت تھی کوئی اُن کی تعریف کرتا تھا کوئی اُن کے حق میں دعا کرتا تھا کہ اسی اثناء میں کسی نے پیچھے سے آ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا میں نے پھر کے دیکھا تو وہ علیؓ تھے اُس وقت اُنہوں نے عمر کی طرف خطاب کر کے کہا تم نے اپنے بعد ایسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جو تم سے زیادہ مجھے محبوب ہو اور میں اُس کے سے عمل کر کے اللہ کے حضور میں پیش ہوں۔ قسم ہے اللہ کی میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے میں اکثر سنا کرتا تھا کہ تمہیں اور ابوبکر کو ہر بات میں اپنے ساتھ ہی بیان فرمایا کرتے تھے۔

اسی وجہ سے وہ متقدمین شیعہ جنہوں نے علی کا زمانہ پایا تھا ابوبکرؓ و عمرؓ کو علی پر فضیلت دیتے تھے جہاں تک ہماری تحقیق رستہ دیتی ہے سوائے کسی ملحد کے مسلمان تو اس میں خلاف نہیں کیا۔ ہاں خلافت عثمان کے بارے میں بیشک ہوا کہ آیا علی افضل ہیں یا عثمان۔ اسی طرح شیعی علماء نے حضور انور کو جو یہ قول نقل کیا ہے کہ علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے یہ درحقیقت حضور انور پر بہت بڑا بہتان ہے۔ یہ بات یقینی ہے اور ہم اپنے سچے دل اور ایمان سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ جب اپنی زندگی میں ہر مومن کے ولی تھے ایسا اب بھی یعنی بعد وفات بھی ہر مومن کے ولی ہیں اور اسی طرح ہر مومن اپنی زندگی اور مرنے کے بعد بھی حضور انور کا ولی پس وہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہاں وہ ولایت جسکے معنی امارت کے ہیں اس میں بجائے ولی کے والی کا لفظ بولا جاتا ہے لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور انور کا یہ فرمانا کہ علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے آپ پر نرا

بہتان ہے کیونکہ اگر اس سے موالاۃ مراد ہے تو پھر بعدی کے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس سے امارت مراد ہے تو پھر والی کہنا چاہیے تھا نہ کہ ولی۔

ہاں حضور انور ﷺ کا علی سے یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں صحیح اور حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ یہ آپ نے فتح مکہ پر فرمایا تھا اور یہ وہ موقع تھا کہ جب علی جعفر اور زید بن حارثہ کا اس بات جھگڑا ہوا کہ امیر حمزہ کی لڑکی کس کے پاس رہے اور کون اسکی پرورش کرے تو حضور انور نے اُس لڑکی کو اسکی خالہ کے سپرد کر دیا جو جعفر کے نکاح میں تھیں اور یہ فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اس لیے میں اُس لڑکی کو اس کے پاس رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے جعفر سے فرمایا کہ اشبھت خُلقی وخِلقی اور علی کو تسکین دینے کے لیے فرمایا کہ انت منی وانا منک اور زید سے فرمایا انت اخونا و مولانا صحیحین میں یہ بھی مروی ہے کہ یہی الفاظ حضور انور نے اشعرین وغیرہ اور بہت سے لوگوں کے حق میں فرمائے ہیں جس میں صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ الفاظ امامت پر دلالت نہیں کرتے نہ جسکے حق میں یہ الفاظ کہے جائیں وہ سب صحابہ سے افضل ہو سکتا ہے۔

شیعی علماء کی نویں حدیث :(بقول شیعی علماء) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی ولن یفرقا حتی یردا علی الحوض یعنی میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اُس سے تمسک رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری عترت میری اہل بیت ہیں یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر نہ پہنچ لیں گے کبھی جدا نہ ہونگے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) رسول اللہ نے فرمایا کہ تم میری اہل بیت مثل نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہیں کہ جو اس پر سوار ہو گیا اُس کی نجات ہو گئی اور جو اُس سے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہلبیت کے قول میں تمسک کرنا واجب ہے اور اہل بیت میں سب سے افضل علی ہیں پس اُنکی اطاعت ہر ایک پر واجب ہوئی لہٰذا وہی امام ہوئے۔ فقط

جواب: اِسکے کئی جواب ہیں جن میں سے ہم گزشتہ صفحات میں بعض جواب نقل کر چکے ہیں بات اصل یہ کہ کتاب اللہ کے ساتھ نہ کوئی چیز شریک ہو سکتی ہے اور نہ اُس میں کسی چیز کے شریک کرنے کی ضرورت ہے۔ دین کامل ہو چکا ہے اور اُس کی خبر قرآن مجید میں مل چکی ہے۔ کیسے اہل بیت اور کیسی اُن

کی عترت، امت مرحومہ سوائے قرآن مجید کے اتباع کے ہرگز دوسری چیز کی مکلف نہیں ہے اور نہ قرآن مجید جیسی واضح اور روشن کتاب نے اس کا کہیں اشارہ کیا ہے. یہ ساری کمزور باتیں ہیں. مسلمان کو تو صرف قرآن مجید سے تمسک کرنا چاہیے باقی نہ ا سے کسی صحابی سے غرض ہے اور نہ کسی اہل بیت سے. تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو کہ اہل بیت اور صحابہ کو نسیاً منسیا کر دیا جائے اور صرف قرآن مجید ہمارا دستور العمل رہے تو بتاؤ اسلام میں کچھ ضعف آ سکتا ہے .حاشا وکلا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔. کبھی نہیں حضور انور ﷺ کی پاک معاشرت پر غور کرنے اور قرآن مجید پر پورا تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ﷺ نے خاندانی لحاظ سے کوئی فضیلت کسی کو نہیں دی تھی .نہ قرآن مجید میں سوائے اعمال حسنہ کے کوئی دوسرا معیار فضیلت وغیرہ فضیلت کا معلوم ہوتا ہے. پھر کسی طرح ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ قرآن مجید کے ساتھ اہلبیت کو ملا دیتے اور اس طرح کلام اللہ کی توہین کرتے .غا برخم والی حدیث کا بخاری نے کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہاں صرف مسلم نے دوسرے الفاظ کیساتھ جن سے شیعی علماء کے الفاظ میں بہت بڑا فرق ہے اس حدیث کو لکھا ہے مگر خبر احاد کے احاطہ سے حدیث نہیں نکل سکی اور نہ بکثرت راویوں نے اسے روایت کیا ہے کہ یہ متواتر روایتوں میں درجہ پا سکتی .تو بھی ہم مسلم والی روایت کو نقل کر کے کچھ بحث کرتے ہیں مسلم میں تو یہ آیا ہے .زید بن ارقم کہتے ہیں کہ مدینہ کے درمیان ایک تالاب پر جو غدیر کے نام سے مشہور ہے .رسول اللہ ﷺ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا: "اے لوگو! تم جیسا میں بھی آدمی ہوں .فرشتہ نہیں ہوں. عنقریب میرے پروردگار کا قاصد موت کا پیغام لیکے میرے پاس آئیگا تو میں اس پیغام کو ضرور تسلیم کر لونگا اور میں تم میں دو وزن دار چیزیں چھوڑتا ہوں اِن میں پہلی چیز کتاب اللہ کلام مجید ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اسے لو اور اس پر عمل کرو .روای کا قول ہے کہ اس کی آپ نے بہت ترغیب دی .پھر فرمایا کہ دوسری اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے حق میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں." اِن لفظوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ جس چیز کے تمسک کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جس کا تمسک کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔اسی طرح اور حدیثوں میں بھی آیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حجۃ الوداع کے قصے کو جابر سے روایت کیا گیا ہے کہ عرفہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا تو خطبہ ہی میں یہ فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم اگر اس پر قائم رہو گے تو

کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ چیز اللہ کی کتاب ہے قرآن مجید ہے. اگر ہم مسلم کی پہلی روایت کو صحیح بھی مان لیں جب بھی اس میں قرآن مجید کی نسبت جو کچھ الفاظ آئے ہیں وہ الفاظ اہل بیت کی نسبت نہیں ہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی امت سے اپنی اہل بیت کی سفارش کرتے ہیں اور وہ سفارش فقط یہی ہے کہ اُنکی اصلی حالت سے اُنہیں نہ بڑھایا جائے اور نہ گھٹایا جائے. دوسری ازواج پاک کو جو درحقیقت اہل بیت کا بہت بڑا جز ہیں امہات المومنین کا جو لقب دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی مائیں سمجھی جائیں اور انکا یہ لقب عملی طور پر مسلمان تسلیم کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا ہر صدی اور ہر قرن میں قرآن مجید کو ہدایت اور نور سمجھا گیا ہے اُس پر عمل کیا گیا اور نبی کی کل بیبیوں کو سب مسلمانوں نے اپنی سگی ماؤں کے برابر سمجھا اور اس میں ذرا فرق نہیں آیا. باقی شیعی علماء نے جو عترت وغیرہ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا ہے اور حوض کوثر کا ذکر کیا ہے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے صرف ترمذی نے اُسے نقل کیا ہے مگر امام احمد بن حنبل سے کسی نے اُسکے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ یہ روایت ضعیف ہے. نہ صرف امام احمد بن حنبل نے بلکہ اور علماء نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسکے صحیح ہونے سے صاف انکار کردیا. اور باقی یہ قول کہ میرے اہل بیت مثل نوح کی کشتی کے ہیں. اسکی کوئی سند صحیح نہیں ہے نہ حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کا پتہ لگتا ہے اگر کسی ایسے شخص نے جسے موضوع حدیثیں نقل کرنے کا ملکہ ہے اس انکل پچو روایت کو نقل کیا ہو تو یہ قابل استدلال نہیں ہے. پھر عترت اور کتاب اللہ کی روایت کی وہ ساتھ ساتھ رہیں گے کبھی علیحدہ نہ ہونگے جب تک کہ وہ حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں. دیکھنی چاہیے اِسکے متعلق ہم یہ کہتے ہیں (اِسے صحیح تسلیم کرنے کے بعد) حضور انور ﷺ کا سچا ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ عترت کا اجماع ہے اور مسلمان علماء کی ایک جماعت نے بھی اِسے تسلیم کیا ہے قاضی معتمد اِسے نقل کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ عترت تو سارے بنی ہاشم اولاد عباس، اولاد علی، اولاد حارث بن عبدالمطلب اور اولاد ابوطالب ہے. علی کسی طرح بھی اکیلے عترت نہیں ہوسکتے ہاں عترت کے سردار سب سے افضل حضور انور ﷺ ہیں اسکی تشریح اس سے ہوتی ہے کہ علماء عترت مثلاً ابن عباس وغیرہ علی کے ہر قول میں اُنکی پیروی کرنے کو واجب نہیں کہتے اور نہ خود علیؓ ہی اپنے ہر فتوی میں اپنی اطاعت لوگوں پر واجب کرتے تھے نہ کہیں آئمہ سلف میں کسی سے مشہور ہوا. اور نہ بنی ہاشم وغیرہ میں سے کسی نے کہا کہ علی کی اُن کے ہر قول میں پیروی کرنا واجب ہے. تیسرے یہ

کہ عترت کا اجماع نہ کبھی علی کی امامت پر ہوا نہ افضلیت پر، بلکہ ائمہ عترت مثلاً ابن عباس وغیرہ ابوبکر ، عمر کو مقدم اور افضل کہتے اور سمجھتے تھے۔: چوتھے یہ اس دلیل کے معارض سے جو اس سے بھی زیادہ قوی ہے اور وہ یہ کہ امت کا اجماع قرآن، حدیث اور اجماع تینوں سے حجت اور عترت ساری امت کا ایک حصہ ہے پس امت کے اجماع ہونے سے عترت کا اجماع ہونا لازم آئے گا اور ساری امت سے افضل ابوبکر ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے. ساتھ ہی جس فرقہ کا اجماع حجت ہو اُسکے افضل کے قول کی پیروی کرنی واجب ہوگی اگرچہ وہ امام نہ ہو تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ ابوبکر ہی امام ہیں اور اگر اس طرح ہونا واجب نہ ہو تو پھر علی کی امامت کی بابت جو کچھ اُنہوں نے بیان کیا ہے سب باطل ہو جائیگا. اصل یہ ہے کہ اس قول پر اس امت کے نبی کے بعد ابوبکر کو اس ساری امت کی طرف ایسی ہی نسبت ہے جیسی علی کو رسول اللہ کے بعد عترت کی طرف نسبت ہے.

شیعی علماء کی دسویں حدیث : (بقول شیعی علماء) علی کی محبت اور موالاۃ کے واجب ہونے کو جمہور نے نقل کیا ہے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن حسین کے ہاتھ پکڑ کے یہ فرمایا جو شخص مجھ سے اور ان دونوں سے اور ان کے والدین سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ایک درجہ میں ہوگا. (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) ابن خالویہ نے ابن خذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یاقوت کے اس قصبہ سے تمسک کرنا چاہے جسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے پھر اُسکے حکم دیا کہ ہو جا وہ ہو گیا تو اُسے چاہیے کہ وہ میرے بعد علی سے ضرور محبت رکھے. (پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) ابوسعید خدری کہتے ہیں. رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا اے علی تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہارا بغض نفاق ہے اور سب سے پہلے جنت میں وہی جائیگا جو تم سے محبت رکھے گا۔ اور دوزخ میں وہی جائے گا جو تم سے بغض رکھے گا اور اللہ نے تمہیں اس کا اصل بنا دیا ہے۔ پس تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے. (پھر شیعی علماء ارشاد کرتے ہیں) شفیق بن سلمہ نے عبداللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ میرا ولی ہے اور میں اس کا ولی ہوں جس سے یہ عداوت رکھے گا اُس سے میں بھی عداوت

رکھونگا اور جس سے یہ راضی خوش رہیگا اُس سے میں بھی راضی خوش رہونگا (پھر شیعی علماء بیان کرتے ہیں)اخطب خوارزم نے جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اللہ تعالٰی کی طرف سے جبریل میرے پاس ایک سبز رقعہ لائے جس میں سفید روشنائی سے یہ لکھا ہوا تھا کہ اے محمد میں نے علی کی محبت کو اپنی مخلوق پر فرض کر دیا ہے لہٰذا یہ پیغام میری طرف سے اُن تک پہنچا دو.اور اس بارے میں مخالف لوگوں کی سندوں سے بھی اس قدر حدیثیں مروی ہیں جو شمار میں نہیں آ سکتیں اور یہ علی کی فضیلت اور انکی امامت پر صاف دلالت کرتی ہیں.

جواب: اسکے کئی جواب ہیں.اول یہ کہ ان روایتوں کی صحت بیان کرنی چاہیے مگر یقیناً شیعی علماء اس سے عاجز ہیں وہ ہرگز ان روایتوں کی صحت بیان نہیں کر سکتے.اب رہی امام احمد کی مسند وہ ان روایتوں سے خالی ہے بات یہ ہے کہ امامت احمد نے صحابہ کے فضائل میں ایک کتاب ترتیب دی ہے اور اس میں بکثرت ضعیف حدیثیں نقل کر دی ہیں اور چونکہ امام موصوف جانتے تھے کہ یہ ضعیف حدیثیں ہیں اس لیے اُنہوں نے اپنی کتاب مسند میں اُنہیں نقل نہیں کیا.امام احمد کے طرز کلام سے جب وہ صحابہ کے فضائل میں کوئی ضعیف حدیث نقل کرتے ہیں یہ صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ اسکو جتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث فضائل میں کوئی ضعیف حدیث ہے اور اسکے نقل کرنے کی یہ وجہ زیادہ تر معلوم ہوتی ہے .اس کے علاوہ اُنکے صاحبزادہ عبداللہ نے بہت کچھ زیادتیاں کی ہیں اور ادھر اُدھر سے موضوع اور ضعیف حدیثیں اکٹھی کر کے اپنے بیگناہ باپ کے سر چپیک دی ہیں.اسکے بعد عبداللہ کے شاگرد قطیعی نے تو غضب ڈھا دیا. پدر تمام نکردو پسر تمام کند، کا مضمون ہوا. جو کچھ کوڑا کرکٹ بچا تھا وہ سب اسے امام احمد کے سر پر پھینک دیا یعنی تمام دنیا کی روایات کا انبار لگا کے امام احمد پر نثار کر دیا. شیعی علماء کا تکیہ زیادہ تر اسی قطیعی کی روایتوں پر ہے جسکی بحث ہم اپنے گزشتہ صفحات میں بھی کر چکے ہیں ان کی عادت ہے کہ یہ عبداللہ اور قطیعی سے روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں یا بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ہم امام احمد ابن حنبل سے روایتیں نقل کر رہے ہیں.شیعی علماء نہیں جانتے کہ امام احمد کے شیوخ کون تھے اور قطیعی کے شیوخ کون تھے اور پھر تماشہ دیکھئے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ امام احمد نے اسے نقل کیا ہے تو بغیر تحقیق کیے جو خود بخود اس کا یقین کر لیتے ہیں کہ امام احمد نے اپنی مسند میں اس کا ذکر کیا ہوگا.ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جو زبردستی امام احمد کے سر چپیکی گئی ہیں حالانکہ امام احمد

نے اُنہیں سُنا تک بھی نہیں. ساری کارستانیاں ابن البطریق اور صاحب الطرائف وغیرہ کی ہیں.

یہ تو آپ نے جان لیا کہ شیعی علماء نے امام احمد کا نام زبردستی لے دیا ہے ان بیچارہ کی مسند ان روایتوں سے بالکل خالی ہے. اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ اُنہیں امام احمد نے روایت کیا ہے اور اُن کی مسند میں بھی یہ حدیث موجود ہے تو ہم کہتے ہیں خالی احمد بن حنبل کا نقل روایت کرنا واجب العمل ہونے پر تو کجا صحت پر بھی دلالت نہیں کرتا. اب سنئے مذکورہ حدیثوں میں پہلی حدیث تو قطیعی کی زیادات میں سے ہے اسے قطیعی نے نصر بن علی جہنی سے اُس نے علی بن جعفر سے اور اُس نے اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے نقل کیا ہے. دوسری حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور اُسکی موضوع ہونے کو صاف بیان کر دیا ہے. باقی ابن خالویہ کی روایت باتفاق تمام علماء کے اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ حدیث صحیح اور اسی طرح اخطب خوارزم والی روایت ہے. جس میں ایسا نو ایجاد جھوٹ ہے جو باتفاق اہل علم کے موضوعات سے بھی قبیح تر ہے. ابن خالویہ کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب ایجاد بندہ میں داخل ہیں. ایسی ایسی باتیں اُس نے دماغ سے تراشی ہیں کہ العظمۃ اللہ. اہل حدیث کے نزدیک اس کی سب روایتیں جھوٹ اور موضوع ہیں اہل معرفت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ پر نرا بہتان ہے اور یہ حدیث کی ان کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہیں جو علماء حدیث کے نزدیک معتبر اور معتمد ہیں نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ معجمات میں اور نہ اس قسم کی دوسری کتابوں میں غرض کہیں بھی ان کا نام و نشان نہیں ملتا. سوائے اسکے کہ ابن خالویہ کے دماغ سے نکلیں اور اس کے احباب نے اُنہیں اپنے دل میں جگہ دے لی اور بس. اِسکے علاوہ ان روایتوں کے الفاظ میں غور تدبر سے کام لو تو تمہیں صاف طور پر کھل جائے گا کہ یہ حضور انور ﷺ پر نرا بہتان ہے. مثلاً یاقوت کے قصبہ کے تمسک کا قصہ دوسرا اللہ کے ہاتھ سے پیدا ہونے کی کہانی یہ ایسی باتیں ہیں جو اپنی آپ تردید کر رہی ہیں. شیعی علماء کے کان میں یہ بات پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے اور مٹی سے پیدا کر کے یہ فرمایا کہ ہو جا وہ ہو گئے تو اُنہوں نے آدم پر اس یاقوت کے قصبہ کو بھی قیاس کر لیا اور وہی کہانی یہاں بھی چسپاں کرنی چاہی جوڑ چاہے بیٹھے یا نہ بیٹھے، وہ تو کھپانے اور زبردستی کھپانے کے لئے تیار ہو گئے. کیسا یاقوت اور کیسا قصبہ یہ مشرقی فسانوں سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی باتیں ہیں. اُنہیں سچا ہی یقین نہ کرنا بلکہ ان پر ایمان لانا ایک حیرت انگیز تماشا ہے۔ جو چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھا ہوگا۔

پھر ایسا ہی قصہ یہ ہے کہ علیؓ سے بغض رکھنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا یہ تو وہ بات ہوئی کہ کوئی کہدے کہ ابوبکر و عمر و عثمانؓ سے بغض رکھنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائیگا. ہماری رائے میں صحابہؓ کے بغض اور محبت کو کسی کی نجات سے کچھ تعلق نہیں۔ نہ اُن سے بغض رکھنے والا جہنمی ہے اور نہ اُن سے محبت رکھنے والا جنتی. قرآن مجید میں ان باتوں کا مطلق ذکر نہیں ہے نہ ابوبکر سے غرض نہ عمر سے نہ عثمان و علی سے جو کچھ اُنہوں نے کیا اپنے لیے کیا ہم اُن کے اعمال کے جواب دہ نہیں ہیں اور نہ اُن کی بابت ہم سے کچھ دریافت کیا جائے گا. حضرت علیؓ تو ایک طرف رہے خالص رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی کسی کو نجات نہیں دلوا سکتی. جب تک نیک اعمال نہ کئے جائیں. قرآن مجید نے کوئی فیصلہ علیؓ کے ایمان کے متعلق نہیں کیا ہے اور نہ اُن کا اتباع جائز رکھا ہے ہم تو کسی سے واقف نہیں ہیں. قرآن مجید ہدایت پانے کے لیے بس ہے. اگر علی دنیا میں پیدا نہ ہوتے تو کیا کتاب اللہ اور دین خدا میں کوئی نقص رہ جاتا تو بہ توبہ ہرگز نہیں. ہم خدا پرست ہیں اور اسی پر ہمیں ناز ہے.

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

اب اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر خیال کرو کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوجہل بن ہشام فرعون اور ابولہب سے پہلے خوارج دوزخ میں جائیں گے؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمن تھے اور جنہیں تم خوارج کہتے ہو وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دوست ہیں. ڈجنت میں جانے کا سبب اگر کوئی ہو سکتا ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ہے باقی کوئی نہیں. اس سے کوئی بھی ہوشمند انسان انکار نہیں کر سکتا علی کی محبت کو سعادت اور شقاوت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا ابوبکر، عمر عثمان ور معاویہ کی محبت کو.

شیعی علماء کی گیارھویں حدیث:

(بقول شیعی علماء) اخطب خوارزم نے بلا سناد ابوذر غفاری سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جو شخص علی کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا مخالف ہے اور جس نے علی میں شک کیا ہو وہ بھی کافر ہے.

(پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) انس کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے علی کو آتے ہوئے دیکھ کے فرمایا قیامت کے دن میں اور یہ اپنی امت پر اللہ کی حجت ہونگے معاویہ بن

حیدۃ القشیری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے آپ علیؓ سے فرماتے تھے کہ جو شخص تم سے بغض و عداوت رکھنے کی حالت میں مرجائے تو وہ یہودی ہو کے مرے گا یا نصرانی ہو کے۔

جواب: وہی حضرت اخطب خوارزم صاحب یہاں بھی تشریف رکھتے ہیں جن کی مدح سرائی اوپر ہو چکی ہے اس نقل کی صحت پہلے بیان کرنی چاہیے مگر ہم اپنے یقین اور ایمان سے جانتے ہیں کہ شیعی علماء اس نقل کی صحت بیان کرنے میں عاری ہیں۔ اسکے علاوہ فقط۔ اخطب خوارزم کا نقل کر دینا اس کی ہرگز دلیل نہیں ہوسکتا کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ یہ بھی اُس وقت ہے جب تک اس کا علم نہ ہو کہ حضرت نے اپنی عمر میں شاید ایک صحیح روایت بھی نقل نہیں کی۔ معمولی عقل و علم کا شخص بھی اگر اسکی کتاب کو دیکھے گا تو بے ساختہ یہ کہ اُٹھے گا۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ (نور) دوسرے جو لوگ حدیث سے واقف ہیں وہ سب اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ حدیثیں بالکل جھوٹ اور حضور انور رسول اللہ ﷺ پر نرا بہتان ہیں۔ تیسرے اگر ان حدیثوں کو صحابہ اور تابعین نے روایت کیا ہے تو وہ کس جگہ کس کتاب میں مذکور ہے کہ ان حدیثوں کو فلاں صحابی اور فلاں تابعی نے روایت کیا ہے نہیں بلکہ جو شخص اُنکے احوال اور اُن کے معاملات سے پورا پورا واقف ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ یہ حدیثیں اُن کے بعد جھوٹے لوگوں نے گھڑ لی ہیں۔ ورنہ سلف میں اُن کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ چوتھے ہمارا یہ جاننا کہ مہاجرین اور انصار بے شک مسلمان تھے وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے دلی محبت رکھتے تھے اور رسول کو اُن سے دلی محبت تھی ان حدیثوں کے جاننے سے بدرجہا زیادہ ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ ہی امام ہیں اب یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو علم ہمیں متواتر یقینی حدیثوں سے ہوا ہے وہ ایسی حدیثوں سے جاتا رہے جو بہت ہی ادنٰے درجہ کی اور اس قابل بھی نہیں کہ اُنہیں اخبار احاد بھی کہا جائے چہ جائے کہ ان پر متواتر کا اطلاق ہو۔ نہ اُن کا نقل کرنے والا کوئی سچا معلوم ہوتا ہے بلکہ تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیثیں سب جھوٹی حدیثوں سے بڑھ چڑھ کر جھوٹی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ایک حدیث بھی حدیثوں کی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوئی بلکہ سب ائمہ حدیث اُنکے جھوٹ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

پانچویں۔ ان حدیثوں کے خلاف قرآن مجید کی صاف صاف شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے راضی ہے اور اُنکی تعریف کرتا ہے جنہیں مذکورہ روایتیں کافر اور جہنمی بناتی ہیں

اُن لوگوں سے راضی ہے اور اُنکی تعریف کرتا ہے جنہیں مذکورہ روایتیں کافر اور جہنمی بناتی ہیں مثلاً قرآن مجید شہادت دیتا ہے۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ تَبِعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً. پھر فرمایا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً ۔ اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں۔ پس ہمارا ایسا علم جس پر قرآن کی یقینی دلالت ہو ایسی مفترہ حدیثوں سے کیونکر رد ہوسکتا ہے جنہیں ایسے شخص نے روایت کیا ہو کہ نہ اُسے خوف خدا ہے نہ دنیا کی شرم۔ چھٹے اگر غور سے دیکھو گے تو یہ حدیثیں خود علی ہی میں نقص پیدا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ہوں گی اور یہ معلوم ہوگا کہ علی اللہ اور اللہ کے رسول کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ (معاذ اللہ) مثلاً ان حدیثوں کے صحیح ہونے سے سب صحابہ کا کافر ہونا لازم آتا ہے خواہ علی ہوں یا اور کوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے علی کی خلافت کا انکار کیا وہ اس مفتری حدیث کی رُو سے سب کے سب کافر ہیں لیکن خود علی نے ان نصوص کے بموجب ذرا عمل نہیں کیا بلکہ وہ ان لوگوں کو مومن اور مسلمان ہی کہتے اور سمجھتے رہے۔ اس سے بھی زیادہ تو علی کے دشمنوں یا مقاتل میں سب سے زیادہ خوارج تھے مگر علی نے اُن پر بھی کبھی کفر کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ اُن کا مال لوٹنا اور انہیں قید کرنا حرام کر دیا۔ اُن کے قتال کرنے سے پہلے علی اُن سے کہا کرتے تھے کہ ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم تمہیں اپنی مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں اور نہ اپنی غنیمت میں سے تمہارا حق رکھیں۔ پھر ابن ملجم کے قتل کرنے پر آپ نے یہ فرمایا تھا اگر میں زندہ رہا تو اپنے خون کا خود ہی مختار ہوں۔ اپنے قتل کر دینے پر بھی آپ نے ابن ملجم کو کافر نہیں کہا۔ اہل جمل کی بابت متواتر مروی ہے کہ آپ نے انکے قیدی کو قتل کرنے ان کا مال لوٹنے اور اُنکے بال بچوں کو قید کرنے سے صاف منع کر دیا تھا اب اگر ان نصوص کی وجہ سے یہ لوگ کافر تھے تو ان نصوص کی سب سے زیادہ تکذیب خود علی نے کی لہٰذا اس سے لازم آتا ہے کہ علی کافر ہوں (حالانکہ ہم ایسا نہیں سمجھتے) علی نے دھڑلے سے ان مقتولین کے جنازوں کی نمازیں پڑھی ہیں جو آپ کے مقابلہ میں مارے گئے تھے آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے ہمارے بھائی ہم سے باغیؔ ہو گئے تھے مگر تلوار نے انہیں پاک کر دیا۔ اگر یہ لوگ علی کے نزدیک کافر ہوتے تو آپ اُن کے جنازہ کی نماز کیونکر پڑھا سکتے تھے اور نہ اُنہیں

اپنا بھائی کہتے نہ اُنہیں تلوار سے پاک کرتے کیونکہ کافر تو تلوار سے پاک نہیں ہوا کرتے. خلاصہ یہ ہے
کہ علیؓ کی عادت اور معاملات سے ہم بلا اضطراب یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے مقاتلین کو کافر نہیں سمجھتے تھے
بلکہ نہ وہ جمہور مسلمین نہ خلفاء ثلثہ نہ حسن نہ حسین نہ علی بن حسین نہ ابو جعفر کسی کو بھی کافر نہیں جانتے تھے
پس اگر یہ سب لوگ کافر تھے تو سب سے پہلے شیعی نصوص کا خلاف کرنے والے علی بنتے ہیں جیسا
کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں. فرض کرو کوئی شخص یہ کہے کہ ان میں جنگ کرنے کی طاقت نہ تھی تو بھی یہ
خوارج کی طرح اتنا ضرور کر سکتے تھے کہ دارالسلام کو چھوڑ کے کہیں اور جا کے آباد ہو جاتے اور
دارالاسلام میں رہنے والوں پر کافر اور مرتد ہونے کا حکم کر دیتے جیسا کہ شیعی علماء کے اکثر شیوخ
ایسا کر چکے ہیں خیال تو کیجئے جب علی نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ یہ کفار ایمان نہیں لاتے تو
آپ پر فرض تھا کہ اپنے اور اپنے شیعوں کے لیے کوئی اور شہر بسا لیتے اور اُن کفار اور مرتد لوگوں کے شہر
کو چھوڑ دیتے جیسا کہ مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب اور اُس کی پیروی کرنے والوں کے شہر کو چھوڑ دیا تھا
خود حضور انور رسول اللہ ﷺ کو خیال کرو کہ جب مشرکین مکہ نے آپ کو سخت تکلیف دی اور مسلمانوں کو
حد سے زیادہ ستایا تو آپ ﷺ نے اپنے وطن کو چھوڑ کے مدینہ میں قیام کر لیا اور آپ نے اور آپ
ﷺ کے ساتھ کل مسلمانوں نے ایسی علیحدگی ظاہر کی تھی کہ ہر شخص مسلم اور کافر کو اچھی طرح پہچان سکتا تھا
اسی طرح وہ لوگ ہیں جنھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی.

خیال تو کیجئے کہ ان شیعی نصوص سے یہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص کو علی کی خلافت میں ذرا بھی شک ہو تو وہ
علی اور اہل بیت کے نزدیک کافر ہے اور سوائے اُس شخص کے کوئی مومن نہ ہو جو رسول اللہ کے بعد علی
کے امام اور معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو مگر جسکا یہ عقیدہ نہ ہو وہ اُنکے نزدیک مرتد ہو تو اس سے معلوم
ہوا کہ سب سے پہلے دین خداوندی کو علی ہی نے بدلا ہے کیونکہ اُنھوں نے مومنین سے کفار کو علیحدہ نہیں
کیا اور نہ مرتدین کو مسلمانوں سے الگ کیا.

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ علی اُن سے جنگ کرنے اور انہیں اپنے قابو میں لانے سے
عاجز تھے تو اُن سے خود علیحدہ ہو جانے سے تو ہرگز عاجز نہ تھے نہ آپ اُن خوارج سے زیادہ عاجز تھے
جنکی آپ کے لشکر کے مقابلہ میں بہت ہی چھوٹی سی جماعت تھی حالانکہ خوارج نے اُنکے شہر کو چھوڑ کے
اپنا ایک شہر علیحدہ آباد کر لیا تھا اور جیسا اُنھوں نے دوسرے مسلمانوں کو کافر کہا تھا وہ اپنے اس عقیدہ اور

قول کے مطابق اُن سے علیحدہ بھی ہو گئے تھے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کو مومن سمجھتے اور انھیں مسلمان کہتے تھے۔ خیال تو کیجئے کہ حسن بن علی کے لئے یہ کس طرح حلال ہو گیا تھا کہ انھوں نے اسلامی سلطنت ایک ایسے شخص کے حوالہ کر دی جو شیعی علماء کے قول کے مطابق نہ صرف مرتدین میں تھا بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر تھا۔ کوئی شخص بھی جسکا اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہو ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزار بار، وہ جان دے دیتا مگر ایسا سفا کانہ کام کہ امت مرحومہ اور سلطنت اسلامیہ ایک مرتد اور کافر کو سپرد کر دے کبھی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس کے علاوہ وہاں تو یہ بات ہی نہیں تھی۔ حضرت علی کے قتل ہونے پر معاویہ نے حسن کو لکھا آپ کی کیا مرضی ہے جو کچھ منشاء ہو اُس کا اظہار کر دیجئے مجھے کسی طرح بھی عذر نہیں ہے۔ آپ اپنے باپ علی کے قائم مقام ہو کے کوفہ کو اپنا پائے تخت قرار دے سکتے تھے۔ حضرت معاویہؓ بھی اُن سے جنگ نہ کرتے نہ اُن کا جنگ کرنے کا ارادہ تھا نہ انھوں نے جنگ کی۔ پھر حضور انور ﷺ کا یہ قول دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اپنے بڑے نواسہ امام حسن کے متعلق یہ فرمایا تھا۔ **ان ابنی هذا سید و سیصلح الله به بین فئتین عظمتین من المسلمین** یعنی یہ میرا بیٹا سید ہے اِس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں عنقریب صلح کرائے گا وہ قول کہ حسن نے مسلمین اور مرتدین میں صلح کرائی تھی منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ کیونکہ معاذ اللہ حضور انور پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک جماعت کی نسبت مسلمین کہا اور دوسری کو مرتدین کیوں نہ کہا؟ کوئی مسلمان بھی اِسے گوارا نہیں کرنے کا کہ حضور انور ﷺ پر یہ بہتان عظیم اُٹھائے ادھر حسن کی بھی کچھ تعریف نہیں ہوئی کہ وہ دو جماعتوں میں جن میں ایک مرتدین کی ہے اور ایک مسلمین کی صلح کے محرک ہوئے۔ بلکہ صلح کرا دی۔ یہ سخت غضبناک الزام ہے جو امام حسن جیسے سچے مسلمان پر لگایا جاتا ہے یہ ہے اہل بیت پر فدائیت اور یہ ہے اُن کی عزت۔ شیعی علماء کا دعویٰ ہے کہ امام معصوم اللہ کی طرف سے بندوں پر لطف و عنایت ہے کیونکہ امام کا ایسا ہونا بندوں کے مطیع بننے کے لئے اعلیٰ درجہ کا سبب ہو جاتا ہے یعنی اُسکے بعد وہ قابل رحمت ہو جاتے ہیں۔ اِس عجیب و غریب قول کے تسلیم کرنے کے بعد جو خوفناک نتائج اس سے مستنبط ہوتے ہیں وہ قابل دید ہیں منجملہ دیگر نتائج کے ایک بڑا نتیجہ یہ ہے کہ روئے زمین پر علی کا ہونا ایک بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ جنھوں نے ان کی مخالفت کی وہ تو مرتد ہو کے کافر بن گئے اور جنھوں نے موافقت کی وہ سب زیادہ ذلیل و مقہور رہے نہ اُن

کے ہاتھ ہیں نہ زبان ہے یعنی نہ ہاتھ سے کچھ کر سکتے ہیں نہ زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں اسپر بھی اِس کہنے سے باز نہیں آتے کہ علی کے پیدا کرنے میں ایک بڑی مصلحت اور رحمت ہے۔ اور خدا پر واجب تھا کہ وہ علی کو ضرور پیدا کرتا بغیر علی کے ہوتے دین و دنیا کی کوئی مصلحت پوری نہیں ہوسکتی تھی عجیب۔ بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ یہ فرمائیں کہ جو شخص علی سے بغض رکھنے کی حالت میں مر جائے تو وہ یہودی یا نصرانی ہو کے مریگا۔ جبکہ خود حضرت علی نے خوارج کو جو متفق اللفظ آپکو کافر کہتے اور آپ سے دلی بغض رکھتے تھے کبھی یہود و نصاریٰ کی مثل نہیں ٹھیرایا بلکہ اُنھیں مسلمان اور اہل قبلہ قرار دیا اور اُن میں اُس کے خلاف حکم کیا جو آپ یہود و نصاریٰ کے درمیان کرتے تھے۔ خیال کیجئے کہ جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھے۔ رمضان کے روزے رکھے۔ بیت اللہ کا حج کرے اور زکوٰۃ ادا کرے وہ یہود و نصاریٰ کی مثل کس طرح ہوسکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے کہ علی کا امام ہونا اسے معلوم نہ ہوا یا معلوم ہونے پر وہ اس کا مخالف ہو گیا ہو لیکن یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل دین اور جمہور کو علی سے کوئی غرض نہیں ہے نہ رسول کی تکذیب کرنے میں ان کا کوئی فائدہ ہے اگر اُنھیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ علی کو رسول اللہ نے امام کر دیا تھا تو یہ اُسکی تصدیق کرنے میں سب سے مقدم رہیں۔ انتہا درجہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ حکم اُنھیں معلوم نہ ہوا تھا تو دین کا صرف ایک مسئلہ کسی سے پوشیدہ رہنا اس بات پر دلالت نہیں کر سکتا کہ وہ شخص یا وہ جماعت مثل یہود و نصاریٰ کے ہے۔ یہاں ہمارا مقصود تکفیر پر بحث کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ شیعی علماء کی ان حدیثوں کو دیکھنے سے بالاضطرار یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور انور ﷺ پر یقینی بہتان ہے اور یہ حدیثیں دین اسلام کے بالکل مناقض ہیں اور اُن سے خود علی کی تکفیر نکلتی ہے۔ ہم حضرت علی کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار راستباز مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور ﷺ آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور مثل اور حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں جھوٹے ہیں اسطرح دوسرے گروہ کے لوگ جنھوں نے آپکو نبی سے ملا دیا ہے دروغگو ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی آپ کو امام نہیں بنایا کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی اس قدر کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپ کا مطیع ہو کے نہیں رہا۔ دوسری کمی یہ تھی کہ آپنے اپنے نالائق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمے داری کے عہدے سونپ دیئے تھے۔ چونکہ انتظامی مادہ آپ میں

بہت کم تھا، آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے. آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کی بھرتی کہنا بیجانہ ہوگا کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت علی کے رونے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے عیش اُڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں اب کیا تو اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کرونگا نہ کسی کی حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا. زاہد تھے عابد تھے. متقی تھے. سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بخشا تھا. آپ بالکل مجبور تھے اچھا دماغ کیونکر پیدا کر سکتے تھے حضرت فاروق اعظم تو ایک طرف انتظامی قابلیت میں تو حضرت معاویہ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی. کیونکہ حضرت معاویہ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی کل رعایا آپ سے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے اس کی تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر حضرت معاویہ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ مجھ سے کئی کئی سپاہی لے لیں تو میں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا. ہر مقام پر جو اُنھوں نے اپنے فوجی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے. اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی قابلیت آپ میں نہ تھی. یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. اس زمانہ میں سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے تعصب میں اندھا دھند جو چاہتے ہیں اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلام ہیں اور فی الحقیقت کسی کی ناک بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا. ہمارے دل میں حضرت علی کی اتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صادق مسلمان کی ہوسکتی ہے ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزّت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کی کمزوریوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں. وہ شیر دل تھے. جان باز تھے. حضور انور رسول اللہ ﷺ کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لئے ان کا دماغ قدرت کی طرف سے موزوں نہیں بنایا گیا تھا. وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا مادّہ اُن میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا. چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علیؓ نہج البلاغتہ میں کرتے ہیں کہ بہ نسبت خلیفہ ہو. کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں. مطلب یہ ہے کہ اپنی قابلیت کا احساس خود

حضرت علی کو بھی تھا۔ اور آپ چونکہ راستباز تھے اس لئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے۔

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے۔ جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے پڑھنے والا بالاضطرار اسکی داد دے گا۔ کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے۔ ہاں یہ مجھے دعویٰ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور تمام شیعی دنیا مل کے بھی کسی ایک بات کی معقول تردید نہیں کر سکتی۔ انشاء اللہ فقط

دوسرا مقدمہ ختم ہوا